جمادی الاخریٰ ... جلد نمبر ۱

ھوالکل — یامعین

درجہ خاص — نمبر رسالہ نمبر ۵

۱۳۴۰ھ

نظام المشائخ

تمام سلسلوں کے صوفیہ مشائخ کی دینی و دنیاوی اغراض کا حامی اردو زبان کا ماہوار رسالہ

اعلیٰ مدیر۔ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح
نائب مدیر۔ خادم الفقرا سید محمد ارتضیٰ۔ واحدی۔ دہلوی

فہرست مضامین

(دنیا کی آبادی میں تین چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے)

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک۔ درجہ خاص ۵؎ درجہ اول ۲؎ درجہ دوم ۱؎ درجہ سوم ۱۲؍ مقرر ہے

نوٹ درجہ خاص اور درجہ اول کی آمدنی مصارف حلقہ نظام المشائخ میں خرچ کی جائے گی۔

عبدالحکیم خاں کے حقانی پریس دہلی میں چھپوا کر سید محمد ارتضیٰ واحدی نائب مدیر نے حلقہ نظام المشائخ دہلی سے شائع کیا

قرآن مجید مترجم مع فضائل القرآن

وخواص القرآن وشانِ نزول و ربطِ آیات و تعبیر خواب و مسائل القرآن وغیرہ

جو آجتک اِن تمام صفات کے ساتھ نہیں چھپا

تصحیح مثل تیرہ و حری مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔
اوقاف۔ مطابق سجاوندی کبیر گویا کہ تمام سجاوندی چھپی ہوئی ہے۔
ترجمہ زیر متن مقبول خاص و عام مولانا شاہ عبد القادر صاحب محدث و مفسر دہلوی
تقطیع ۲۲×۲۹ چو صفحہ نہایت موزون جسکے اٹھانے اور رکھنے میں دقت نہو۔
خوشخط۔ خوشنما۔ صاف جلی ایسا کہ ہر شخص باسانی تلاوت کر سکے۔

حاشیہ پر سات قسم کے مضامین مفید خاص و عام

(۱) فضائل القرآن۔ حدیث شریف سے سورتوں اور آیتوں کی فضیلت معہ سند۔
(۲) خواص القرآن۔ تمام سورتوں اور آیتوں کی خاصیتیں اور عمدہ عمدہ عمل امام غزالی
امام یافعی اور دیگر بزرگانِ باخدا اور اولیاء اللہ کی کتابوں سے بحوالہ و سند مندرج ہیں۔
(۳) تعبیر خواب۔ ہر سورۃ کے شروع میں لکھدی گئی ہے۔
(۴) شانِ نزول۔ لباب النقول۔ تفسیر خازن۔ درمنثور وغیرہ سے۔
(۵) ربط آیات۔ ترجمہ سبق الغایات از مولانا اشرف علی تھانوی سلمہ الولی۔
(۶) موضح القرآن۔ و فوائد القرآن۔ عمدہ عمدہ مفید حواشی۔
(۷) مسائل القرآن۔ جس آیت سے جو جو مسئلے نکلتے ہیں انکی تفصیل اور اکثر ائمہ کے
مذاہب تفسیر احمدی اور اکلیل وغیرہ کا لب لباب۔

اول میں مجملاً قرآن مجید کے فضائل آداب تلاوت رموز اوقاف اور دیگر مضامین مفیدہ
فہرست احکام القرآن بطور ابواب فقہیہ لکھے گئے ہیں۔ آخر میں تمام کلام مجید کا ایک
نقش مع ترکیب اعمال جو نہایت جانکاہ محنت سے تیار ہوا ہے ثبت ہے اور سند کیلئے جانچنے والے
عالموں حافظوں قاریوں کی مہریں اور کلام اللہ شریف کی سند حضور رب العالمین تک از
حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم۔ بس یہ کلام مجید خدا تعالیٰ کی بے بہا نعمت و رحمت ہے
اہل اسلام کا کوئی گھر اس سے خالی نہونا چاہیئے ہدیہ بلا رنگ [illegible] اور معہ رنگ [illegible]
جلد اور محصول اسکے علاوہ خاص شہر دہلی کے سوا کل حضرات بیرونجات کو باستثنا دیگر ممالک
مع محصول وغیرہ ضمیمہ کو بلا جلد پہنچا ہوا ملیگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نظام المشائخ

دعا

دعا مذہبی زندگی کی جان ہے۔ اہل مذہب کے نزدیک مذہب کی عملی صورت کا ظہور بہت کچھ دعا پر منحصر ہے دعا سے مطلوب کا حاصل ہونا اور پیغمبران الٰہی کا خاص خاص مطالب کے لیئے دعا مانگنا اور اُسکا قبول ہونا آسمانی کتابوں سے ثابت ہے۔

اسلام میں دعا کا مرتبہ ضروری اور اہم عقائد میں شمار کیا جاتا ہے۔ مسئلہ ذات صفات اور فطرۃ اور قوانین فطرۃ کی طرح یہ مسئلہ بھی نہایت دقیق ہے۔ اور اسکی نسبت صدہا مختلف رائیں اور جداگانہ اقوال بزرگان اسلام کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں قرآن شریف میں ارشاد ہے وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ یعنی۔ اور جب تم سے میرا بندہ مجکو طلب کرے (تو کہدو) کہ میں اُسکے قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کا سوال جبکہ وہ مجھے مانگے"۔ دوسری جگہ فرمایا اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَۃً۔ "دعا کرو اپنے پروردگار سے پوشیدگی و عاجزی کیساتھ" اور فرمایا۔ اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ۔ "مجھسے مانگو میں قبول کرونگا"۔

دعا چونکہ تمام رسولوں کا ورثہ ہے جو امت مرحومہ کو عطا ہوا۔ وجہ ہے خداتعالیٰ ہے اعجاز رسالت کی شان باقی رکھی ہے۔ اسلیئے بعض لوگوں کو دعا کے معاملہ میں بڑا انشراح ہے

ایک فرقہ دعا کی تاثیر کا بالکل منکر ہے دوسرا اسکے اثر کو خیالی بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن شریف کی اس آیت ادعونی استجب لکم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم جو کچھ دعا میں مانگو قبول کیا جائے گا کیونکہ اسمیں دو دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اول یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور خلوص سے کیجاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا۔ جسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ خدا نے استجابت کا وعدہ فرمایا ہے۔ دوسری یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدر ہیں اور جو نہیں ہونیوالے وہ بھی مقدر ہیں۔ اور ان مقدرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پس استجابت دعا کے معنی سوال کا پورا کرنا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدر نہیں ہے صادق نہیں آسکتا۔ یعنی ان معنوں کے رو سے یہ عام وعدہ استجابت دعا کا باطل ٹہیریگا۔ کیونکہ سوالوں کا وہی حصہ پورا کیا جاتا ہے جسکا پورا کرنا مقدر ہے۔

لیکن استجابت دعا کا وعدہ عام ہے جس میں کوئی بھی استثنا نہیں۔ پھر جس حالت میں بعض آیتیں ظاہر کررہی ہیں کہ جن چیزوں کا دیا جانا مقدر نہیں وہ ہرگز نہیں دیجاتیں لہذا استجابت دعا کے یہ معنی لینے چاہئیں کہ دعا ایک عبادت ہے اور جب وہ قلبی خشوع وخضوع سے کیجائے تو اُسکے قبول کرنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے گویا دعا۔ عبادت متصور ہوکر عطائے ثواب کا مستحق بناتی ہے۔ اور کسی خاص مسئول عنہ کے حصول سے اُسے اسی حد تک تعلق ہے کہ مسئول داعی کے نصیب میں مقدر بھی ہو۔ اس قاعدہ سے دعا کا اثر بیکار ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جو چیز دعا میں مانگی گئی تھی وہ ملی تو گئی مگر اُسکو تاثیر دعا سے کچھہ لگاؤ نہیں۔ تقدیر کی خوبی سے یہ نتیجہ ظاہر ہوا۔ دعا کا صرف یہ فائدہ ہے کہ دعا کرنے کے وقت خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال دل میں جم جاتا ہے تو خیالات کی لہریں بھی جمع ہوکر ایک مرکز پر ٹہیر جاتی ہیں۔ اور انسان کی پریشانی وگہبراہٹ جو کسی

خاص ذکر سے پیدا ہوتی ہو مغلوب ہوکر صبر و استقلال سے بدل جاتی ہو اور استقلال
کی کیفیت کا دل میں ہونا عبادت کے لیئے لازمی امر ہے۔ پس یہی دعا کا مستجاب ہونا ہے

دوسرا فریق دعا کی قبولیت پر پورا ایمان رکھتا ہے۔ اسکے نزدیک دعا کا نتیجہ ضرور
حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ مذکورہ اعتراض کے جواب میں کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بغیر
مقدر کے خالی نہیں۔ تاہم قدرت نے اسکے حصول کے لیئے اسباب مقرر کر رکھے
ہیں جنکے صحیح اور موثر ہونے میں کسی عقلمند کو کلام نہیں۔ پہلے فرقہ نے دعا اور ترک دعا
میں جس تقدیر کا ذکر کیا وہ تقدیر دوا میں بھی تو موجود ہے مگر سب دیکھتے ہیں کہ دوا
کے اثر کو ایسا یقینی مانا جاتا ہے کہ تقدیر کا خیال بھی نہیں آتا۔ اور دوا سے دوری مرض
کا پختہ یقین ہوتا ہے جسمانی معاملہ میں تو تقدیر کا لحاظ نہ کیا جائے اور روحانی مسئلہ
میں تقدیر کو شامل کرکے تاثیر دعا کا انکار کر دیا جائے۔ یہ کسی طرح قرین انصاف نہیں ہو سکتا

ادعونی استجب لکم میں بیشک دعا سے عبادت مراد ہے۔ چنانچہ نعمان بن
بشیر سے روایت ہو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان الدعاء هو العبادة ثم
قرأ ادعونی استجب لکم۔ یعنی فرمایا دعا عبادت ہو اسکے بعد آیت ادعونی استجب لکم
تلاوت فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہو۔ اسکے علاوہ
یہاں دعا کی تعلیم امر کے صیغہ سے کی گئی ہے گویا دعا کو فرض کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ دعا انسان
پر فرض نہیں ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں دعا سے عبادت ہی مقصود ہو۔ لہذا جو
فریق استجابت دعا کے یقینی ہونے کو اس آیت سے نکالکر مسئلہ تقدیر کے ذریعہ سے
اشکال پیدا کرتا ہے اسکو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ آیت عبادت کے متعلق ہے۔ ہاں اسکے
علاوہ اور کئی آیتیں ہیں جنسے قبولیت دعا ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ ایک آیت میں تو
گویا صاف صاف انہیں شکوک کا جواب دیا گیا ہے جو سورۂ انعام میں ہے بَلْ اِیَّاهُ
تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ۔ تم خاص اسی سے دعا مانگتے ہو تو

وہ ڈبو دیتا ہے تمہارے مطلوب کو اگر چاہے۔ یہاں تقدیر کا صاف طور سے ذکر کر دیا گیا ہے مگر دنیا میں کوئی چیز تقدیر سے خالی نہیں۔ آگ جلا دیتی ہے پانی ڈبو دیتا ہے ان تاثیرات سے کسیکو انکار نہیں۔ مگر اثر تقدیر کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے ہی دعا بھی آگ کیطرح یقینی اثر دار چیز ہے۔ دواؤں کی مثل خدا نے اسمیں تاثیر پیدا کی ہے مگر جس طرح تقدیری گردش کے سبب با وجود دوا استعمال کرنیکے مریض کو فائدہ نہیں ہوتا۔ دعا کا نتیجہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

آجکل نئی روشنی کے مسلمانوں میں یورپ کی تقلید کے سبب دعا سے بے توجہی ہوتی جاتی ہے اور وہ اسکو ایک فعل عبث خیال کرنے لگے ہیں اور یہی سبب ہے کہ انکے دل کو مصیبت کیوقت تسلی و تسکین کسی صورت سے میسر نہیں آتی۔ کیونکہ دعا کا مانگنا فقط اس یقین پر مبنی ہے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق اور فاعل مختار ہے۔ بیقرار دل کی نکلی ہوئی دعا کا سننے والا اور اسکی حاجت پوری کرنے والا ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لئے اس یقین میں تذبذب ہو تو کونسا دل ہوگا جو بے قراری کی حالت میں اسکی طرف رجوع کرے اور وہ کونسا خیال ہوگا جو اس کے اضطرار کی آگ کو ٹھنڈا کرے۔ اس لئے کہ صرف یہ خیال کہ خدا دعا میں سننے اور حاجت پوری کرنے کی قدرت رکھتا ہے اضطرار کی حالت میں بندہ کا خیال خدا کی طرف رجوع کراتا ہے اور محض اس اعتقاد سے کہ با وجود قدرت کے خدا کا دعا قبول نہ کرنا کسی مصلحت پر مبنی ہوگا اور وہ مسئول عنہ سے بہتر کوئی چیز دے گا۔ دعا کرنے والیکے دلکو تسلی ہوتی ہے۔ اگر دعا کا عمل موقوف ہو گیا اور خدا سے دعاؤں کے سننے اور حاجتوں کے پورا کرنے کا خیال ہی سے لیا گیا تو مذہبی زندگی ہی ختم ہو گئی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہیں ہے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے بندوں کی مصیبتوں کے دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی کی گریہ وزاری اور اضطرار و بے قراری کا اثر ہوتا ہے تو دعا کیکا

اور توکل فضول ہے۔ یہ یقین اور اعتقاد کو بھی اپنے قائم رہنے کے لیئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ اور بندہ کو بجز اسکے کہ وہ غیر تغیر پذیر قوانین فطرت کو اپنا خدا مانے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں انسان کو بے جان قانون سے واسطہ رہتا ہو نہ کہ ایک زندہ خدا سے۔ اور یہ خیال اس محبت کے رشتہ کو جو خدا اور اُسکے بندوں کے بیچ میں ہے توڑ دیتا ہے۔ اگر اسمیں مدد کرنے کی طاقت نہیں ہے تو ہم کس لیئے اُسپر بھروسہ کریں۔ اور اگر وہ ہماری دعائیں نہیں سُنتا تو ہم کیونکر اسے رحیم مانیں اور اگر اسمیں رحم نہیں تو ہم کیوں اُس سے محبت کریں۔ پس اس عقیدہ سے ہمارا یقین جاتا رہتا ہے۔ ہمکو خدا سے محبت باقی نہیں رہتی۔ اور ہم ایسے مذہب کے ماننے والے رہ جاتے ہیں جسمیں نہ یقین ہے نہ محبت۔ لہذا اگر دعا کی اجابت ناممکن ہے تو مذہب بھی ناممکن ہے ۔

صوفیہ کرام کے تمام سلسلے اجابتِ دعا کے قائل ہیں اور صرف قائل ہی نہیں ہیں۔ بلکہ انکو خدا کی طرف سے تاثیرات دعا کا وہ مرتبہ عطا ہوا ہے جو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کو حاصل تھا۔ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ نبوت کے آثار میں اس امت کو مقبولیِ دعا دی گئی ہے یعنی جس طرح اگلے زمانے کے پیغمبر دعاؤں کے ذریعہ سے اپنے اعجاز دکھاتے تھے۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اولیا ایسی دعا سے کرامتیں دکھانے پر قادر بنائے گئے ہیں۔ آیندہ پرچہ میں خدا نے چاہا تو ہم ثابت کریں گے کہ صوفیوں کے مختلف خاندانوں کے مشائخ سے دعا کی کیا کیا تاثیریں ظاہر ہوئیں ہیں چشتیوں قادریوں نقشبندیوں سہروردیوں وغیرہ کل سلسلوں کے بزرگوں نے اپنی ذات اور قوم کے لیئے دعائیں کی ہیں۔ اور اگر ہر دعا کے الفاظ علیحدہ علیحدہ نظر تعمق سے دیکھے جائیں تو صاحب دعا بزرگ کی باطنی کیفیت اندرونی احساس اور جذبہ کا حال معلوم ہو جاتا ہے یہاں انکی تفصیل کی گنجایش نہیں ہے

پھر کبھی اسکو وضاحت سے لکھا جائیگا ۔

جب یہ بات ثابت کرنیکے بعد کہ دعا میں تاثیر ہے اور دعا ہمارے صوفیہ
کرام کے کل فرقوں کی مسلمہ چیز ہے۔ اس رسالہ کا شروع (جو صوفیوں کے دینی و دنیاوی
اغراض کی خدمت گزاری کے لیئے جاری کیاجاتا ہے اور جسکا یہ آج پہلا پارہ نمودار
ہوتا ہے) دعا سے کرتے ہیں۔ یقین ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے صوفیائے کرام کی
دعاؤں میں تاثیر عطا فرما کے انکو ہمیشہ مقبول فرمایا۔ اسیطرح ان کا یہ ماہوار رسالہ
بھی اپنی دعا کے ذریعہ سے بارگاہ الٰہی میں قبول ہوگا۔ اور اپنے ابنائے جنس کو فائدہ
پہنچائے گا ۔

"دست بستہ دعا"

بجلی میں چمکنے والے۔ چاند میں جھلکنے والے رات کے اندھیرے۔ سورج کی روشنی
آسمان کی بلندی۔ دریا کی روانی۔ جنگل کی سنسانی۔ دلگیری، دلداری کے مالک۔ عرش
کی اقامت میں جدا۔ دل کے گوشے میں خدا! ہم تیرے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں
اگر تو عرش پر ہے ہمکو سربلند کر۔ فرش میں ہے تو وسعت و ثابت قدمی عنایت فرما
دل میں ٹھکانا ہو تو اسکو اپنے رہنے کے قابل بنادے۔ رگ جان میں ہو تو خون میں
اپنی شان اور آن بان کا جوش پیدا کر۔ اگر تو ہر جگہ ہے تو ہمکو بھی ہر جگہ پہنچا ۔

تو عالم ہے۔ اپنے علم کا حصہ ہمکو بھی دے۔ رازق ہے۔ ہمارے ہاتھوں سے
رزق بانٹ۔ رحمٰن ہے۔ رحمت نازل فرما۔ قہر و جبر کی تلوار ہمارے دشمنوں کے ہاتھ توڑ
دے۔ خیر کو وسعت دیکر شر سے بچا۔ ہماری آنکھ بن تجسے دیکھیں۔ کان بن تجسے
سنیں۔ زبان میں تو ہی بول۔ ہاتھ سے تو ہی کام کر۔ تو بعید ہے تو قریب آجا۔ قریب ہے
تو اقرب ہوجا۔ اقرب ہے تو نحن اقرب کا حجاب بھی اٹھادے۔ پھر ہم اور تو کا لفظ بھی
فنا ہوجائے۔ اور فنا کو بھی ایسی فنا ہو کہ ازل سے ابد۔ عدم سے نمود۔ نمود سے عدم

جہاں تلاش کریں اُسکا وجود بصارت و بصیرت کو نظر نہ آسکے۔ اے حمد و ستائش
کے قابل خدا۔ تو خود آ۔ تاکہ ہم تیری تعریف کریں۔ تیری تعریف اے تیرے رنگ برنگ
ناموں کی تعریف۔ تیرے اچھے بُرے کاموں کی تعریف او گا! پیارے منکروں
کا انکار اقرار سے بدل دے۔ ان کے پیاسے دل کو روحانی تسلی کی ایک گھونٹ ٹکڑوں ہی
نمبر ون عنایت فرما۔

ہے پربھو پریشٹ تم پرم آتما! اگر تو نرگن ہے۔ تو سگن بن جا۔ اے نرنکار
ہے تو آکاری روپ میں شکلیں بھی دکھا دے۔ سگن بن جا۔ سکار ہو جا۔ اور اپنی پریم
شکتی کو دنیا میں پرگھٹ کر۔ ہم تجھ سے فریاد کریں۔ تیرے سوا کس کو دیکھیں اے
مکہ کے سیاہ پوش مکان پر نظر خاص رکھنے والے۔ اے صلیب کی مورت کو عزت
دینے والے۔ اے ہردوار کے دوارے رہنے والے تجکو ہم یقین دلاتے ہیں
کہ تو ہی ہے اور کوئی نہیں۔ تو نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اور یہ جو کچھ ہے کچھ بھی نہیں
تو ہی تو ہے اور بس۔ تو دیکھتا ہے مگر ہم بھی دکھانا چاہتے ہیں۔ تو سنتا ہے مگر ہم
بھی سنانا چاہتے ہیں۔ سن۔ اور دیکھ۔ امیدیں ڈوب رہی ہیں۔ ارمان جل رہے ہیں
ماتم برپا ہے نوحوں کا شور مچ رہا ہے۔

وہ قسطنطنیہ جو اسلام کا مقام خلافت تھا اسلام کا پھانسی گھر بنا ہوا ہے
جُبّہ اور عمامہ والے پھانسیوں پر لٹکے ہوئے تڑپ رہے ہیں۔ اے سفاکیوں کے
قاتل خدا۔ آج استنبول میں عمامہ پوشی قتلگاہ پہنچانے کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ تو کیا
تیرے بیگناہ درویشوں۔ تیرے مقبول ولیوں کا خون یوں ہی بہتا رہیگا؟ کیا مظلوم
و بیگناہ شیخ طریقت سید ابو الہدیٰ رفاعی پیر و مرشد ترک سلطان کی اسیری اور موت
کا بدلہ نہ لیا جائے گا؟ پرانے پروردگار مواخذہ کے وقت اسلامی خلافت کے تاج
تخت کی خیر ہو۔ ہم سب اس عثمانی تاج کو دینی خلافت کا تاج مانتے ہیں۔ اسکے تمام

ہمارا قیام - اسکی تباہی ہماری تباہی ہے۔ الٰہی ! خود سر ظالموں سے ترکی خلافت کو پاک کردے اور تو خود اسکا پشت پناہ بن - آمین +

یہ ملک ہندوستان اسکو تیری امان - فساد و خونریزی - قحط و بیماری - کاہلی و بیکاری سب آفتوں سے جو زمین کی ہوں یا آسمان کی - مشرق کی ہوں یا مغرب کی - دین کی ہوں یا دنیا کی - حفاظت دے +

مسلمان سب پیارے مدد گار مسلمان - غریب لاچار مسلمان - کسی زمانہ کے تاجدار ان وہ جو بھوکے سوتے ہیں - بھوکے بیدار ہوتے ہیں - وہ جو ٹھکرائے جاتے ہیں جن پر رونے والے بھی ہنستے ہیں - خدا وہی تیرے پیارے محمد صلعم کے ہم نام پر فدا ہوجائیں کے پیارے مسلمان - آج زمین و آسمان میں انکا کہیں ٹھکانا نہیں - نرم غالیچوں کے بدلے خاک کے بچھونے پر پڑے ہیں - مگر اب بھی گردش کو چین نہیں - وہ اس سے بھی گئے گزرے ذلت کے گڑھے میں ڈالنا چاہتی ہے - تو انکی حمایت کر - صدقہ مدینہ کی گلیوں کا - صدقہ اُس خاک کے ذرّوں کا جو تیرے رسولؐ کے قدموں سے پامال ہوئی +

اے مشکلوں کے حل کرنے والے - اپنے دیوانے مستانے صوفیوں کو فنا و چشم سے آمادہ کر کہ وہ اپنے بے کس و بے بس مسلمانوں کی دستگیری کو کھڑے ہو جائیں پہلے اپنے سلسلوں کو اکٹھا کریں تاکہ انکی قوت مجتمع ہو - اور وہ ظاہری مرحلے بھی اسی اجتماع سے طے کریں جس طرح باطن کے مقامات اجتماع حواس و خیالات سے طے ہوتے ہیں ۔

الٰہی ! حلقہ نظام المشائخ اور رسالہ نظام المشائخ کو گروہ مشائخ کا سچا پکا مخلص خادم بنا - اور اس کے فرائض کو پختگی سے پورا کرنے کی توفیق عنایت فرما - آج جس میدان میں یہ پہلا قدم ہم نے رکھا ہے اسکو ایسا بنا دے کہ ہم اگلا قدم بھی وہاں اٹھا سکیں اور منزل پر پہنچ جائیں آمین ثم آمین پھر اور آمین

حسن نظامی

خواجہ کی چھڑیاں

یہ جمادی الثانی کا مہینہ جسمیں نظام المشائخ کا پہلا پرچہ نکلتا ہے مسلمانوں کے گھروں
میں اسکا نام خواجہ معین الدین کا چاند مشہور ہے جسکی وجہ [illegible]
کہ حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا عرس [illegible] چھٹے میں
ہوتا ہے یہ جمادی الاخری کا نام خواجہ صاحب کا چاند [illegible] نکالی جاتی ہیں

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرات صوفیائے کرام نے ہندوستان میں اسلام پھیلایا ہے
اور چشتیہ مشائخ کا اسمیں سب سے زیادہ حصہ ہے چنانچہ چشتیوں کے پیشوا حضرت خواجہ
خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری خاص دربار رسالت مآب [illegible] کے
حکم سے اس ملک میں تشریف لائے اور اشاعت اسلام کی کوشش کی آپ کے وصال
کے بعد خلفا اور مریدین نے اس سلسلہ کو ہندوستان [illegible] رسم و رواج کے موافق چلانا
شروع کیا ؛

انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان کی قومیں اپنے تیرتھوں پر سالانہ جمع ہوتی ہیں
اور جب تیرتھ جاترا کا زمانہ قریب آتا ہے جگہ جگہ اسکی تیاریاں ہونے لگتی ہیں۔ آبادیوں
کے سامنے ایک نشان نصب ہوتا ہے جسکے نیچے عورت مرد بچے بوڑھے جمع ہو کر دیوتا
کے گیت گاتے ہیں۔ جو لوگ تیرتھ نہیں جاسکتے وہ اسی نشان کے سامنے نذر بھینٹ
چڑھا دیتے ہیں اسکے بعد یہ نشان روانہ ہوتا ہے اور جاتری دیوتا کے نام کے زرد
کپڑے پہن کر اس نشان کے ساتھ ہولیتے ہیں۔ اسیطرح ہر قصبہ اور گاؤں سے قافلے
چلتے ہیں۔ اور تیرتھ پر سب کا مجمع ہوجاتا ہے۔ بزرگان دین نے انہیں رسومات کے موافق
اسلامی رسمیں مقرر کیں جو ایک ظاہر بین شرع پرست مسلمان کو تو ناگوار معلوم ہوتی
ہیں۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ کو نظر کے

راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت سے بلانا چاہیئے، قرآن شریف کا حکم ہے اور صوفیہ مشائخ نے جو کچھ کیا وہ اسی حکم کی تعمیل میں کیا۔

سب سے پہلا اور بڑا اسلامی تیرتھ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ کے مزار پر بنایا گیا۔ جہاں سالانہ میلہ (عرس) ہندوستانی قاعدہ کے موافق رکھا گیا۔ عرس سے ایک مہینہ پہلے سارے ملک میں اس تیرتھ کے درشنوں کی تیاریاں کی جاتی ہیں۔ آبادیوں کے سامنے خواجہ کی چھڑی نصب ہوتی ہے جسکے آگے ہندوستان عورت مرد جمع ہو کر خواجہ کے سہرے گاتے ہیں۔ جو لوگ اجمیر شریف کی حاضری سے مجبور ہوتے ہیں وہ اسی چھڑی کے سامنے خواجہ کی نیاز دلوا دیتے ہیں۔ اِسکے بعد قافلے اس چھڑی کو اٹھا کر آگے روانہ ہوتے ہیں۔ اور پہلے دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں۔ یہاں ملک کے ہر گوشہ کی چھڑیاں قافلوں کو لیکر آجاتی ہیں اور بڑے جھنڈے کے نیچے یہ سب چھڑیاں نصب ہو جاتی ہیں۔ خواجہ قطب کے جاتری یہاں کئی روز مقیم رہتے ہیں اور نیاز نذر کے کھانے پکوا کر فقرا کو کھلاتے ہیں۔ آخر ۱۷۔ جمادی الاخری کو ان کی تمام رسومات ختم ہو جاتی ہیں اور صبح کے

دین کا جھنڈا

اٹھایا جاتا ہے۔ اس وقت کا جوش خروش اور خواجہ کے فدائیوں کی شان دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا ہجوم دینی نعرے لگاتا باجے بجاتا ... گیت گاتا ہوا روانہ ہوتا ہے۔ آگے آگے سبز جھنڈا جسکے نیچے نقارے ... بج رہے ہیں پیچھے مختلف شہروں کی چھڑیاں جنکے ہمراہ ... پیدل۔ چھکڑے۔ غرض خلقت کا جم غفیر ہوتا ہے۔ قطب ... قافلہ روانہ ہوتا ہے۔ ایک میل تک تو پرانی دہلی کے ... اس دینی لشکر کو چھپائے رکھتی ہیں۔ اِسکے بعد یہ ... میل ...

کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ اب جب سے ریل ہو گئی ہے اس قافلے کا لطف جاتا رہا۔ گنگوہ کے اسٹیشن سے ہزاروں آدمی ریل میں سوار ہو جاتے ہیں اور بہت تھوڑے پیدل جاتے ہیں۔ اگلے زمانے میں اجمیر شریف تک یہ قافلہ پیدل جاتا تھا اور راستے کو

خواجہ کی مہندی

کہتے تھے جس آبادی کے قریب خواجہ کی مہندی پہنچتی وہاں کے باشندے گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل آتے اور اس قافلہ کی خوب خاطر داری کرتے تھے۔ ڈاکو اور لٹیرے بجائے لوٹنے کے اس برگزیدہ قافلہ کی دعوتیں کرتے اور حفاظت کے لیے ہتیار باندھ کر ساتھ چلتے تھے۔

اجمیر شریف پہنچکر ان ہندوستانیوں کو کوئی بات اپنے دستور کے خلاف نظر نہیں آتی۔ اپنے تیرتھوں میں یہ گنگا جی یا کسی دریا کو غسل و اشنان کے لیے موجود پاتے ہیں۔ خواجہ کے تیرتھ میں بھی اناساگر جیسا پاک پوتر چشمہ موجود ہے۔ مندروں میں انکو ٹھاکر جی کا چرنامرت ملتا ہے۔ خواجہ جی کے ہاں بھی آب غسل مزار مبارک بطور تبرک موجود ہے۔ مندروں میں چندن کے تلک لگائے جاتے ہیں۔ خواجہ بابا کے ہاں سے بھی صندل عنایت ہوتا ہے۔ جنیو جو ہندو جاتری کو سب سے زیادہ پیاری چیز ہے اسکا بدل بھی خواجہ کی بدھی گلے میں ڈالنے کو موجود ہے۔ بھجنوں کا شوق ہو تو قوالی سن لو۔ قصہ مختصر کوئی بات ایسی باقی نہیں ہے جو خواجہ جی کے تیرتھ میں نہ ہو اور ہندوؤں کے تیرتھ میں ہو۔ یہ کیوں؟ صرف اس واسطے کہ ہندوستانی بت پرستوں کو توحید کی طرف میلان ہو جائے۔ پہلے آہستہ آہستہ ان کے دلوں سے مندروں اور بتوں کی محبت دور کی جاتی ہے پھر اسی کے قریب قریب اسلامی رسومات میں انکو متوجہ کرکے قدیمی رواج کو فراموش کرا دیتے ہیں۔ اسکے بعد اُنپر اسلام کا اصلی رنگ چڑھنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ ہی اصلیت خواجہ معین الدین کے چاند کی جس میں اجمیری۔ سافروں کے تہیۂ سفر سے عجب چل پہل اور گہما گہمی رہتی ہے +

مضمون ختم کرنیسے پہلے یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے حضرت خواجہؒ کے آستانہ کو تیرھ ومندرسے تشبیہ صرف سمجھانے کے خیال سے دی ہی کوئی صاحب اس سے تنقیص کا نتیجہ نہ نکالیں۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندو رسومات سے ان اسلامی رسموں کا مقابلہ کرنا بھی محض اس نیت سے ہی کہ ہمارے مشائخ اپنے بزرگوں کا وہ طریقہ معلوم کرسکیں جسکے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اور وہ بھی کوشش کرکے اپنے بزرگوں کے فرائض جاری کریں۔ یہ ضروری امر نہیں ہے کہ جو قاعدے اگلے بزرگوں نے قائم کیئے تھے وہی آجکل بھی استعمال کیئے جائیں۔ نہیں۔ ہر وقت کی ضرورت علیحدہ ہوتی ہے۔ انکو سوچ سمجھکر آجکل کی ضرورت کے موافق طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ اب بیکار اور خاموش رہنے کا وقت نہیں رہا۔

حسن نظامی

عبادت کیا ہے؟ عبادت ایک خاموش دل اور مجتمع خیالات کا نتیجہ ہے۔ محبت اور ہمدردی کی لونڈی ہے۔ اور تامل اور بردباری کی بہن۔ جو شخص خداتعالیٰ کی بندگی اوپری اور پراگندہ دل سے کرتا ہے۔ وہ اسکی مانند ہے جو لڑائی میں عبادت کرنیکے ارادے سے جائے اور اپنا حجرہ فوج کے خیموں میں بنائے۔ بے توجہی اور پراگندہ دلی انسان کو یاد الٰہی سے روکتی ہے۔ اس سے انسان کا سلسلۂ خیالات منتشر ہوکر ٹوٹ جاتا ہے حتیٰ کہ پھر وہ خضوع وخشوع باقی نہیں رہتا جو اسکی عبادت کو [illegible] سامنے پیشکش کرسکے۔ [illegible] نقص اور کمزوری ہے۔ [illegible] [illegible] وہ اپنی عبادت کے [illegible] کر دوبارہ تامل کرسکتا [illegible] اپنے دل سے بے توجہی نکالڈالے۔ اُسوقت اُسکو اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہی +

طلسماتی تختہ

ایک دن اکبرشاہ بادشاہ جو شاہ عالم کے بیٹے اور دوسرے اکبر کہلاتے تھے صبح کے وقت دہلی کے لال قلعہ میں دریائے جمنا کی سیر دیکھ رہے تھے۔ دریا خوب چڑھا ہوا تھا۔ پانی قلعہ کی دیوار سے ٹکریں کھا رہا تھا۔ لیکن قلعہ چونکہ کنارے پر تھا اسلئے پانی کا بہاؤ زور پر تھا۔ جھاڑ جھنکار بہتے ہوئے آتے اور قلعہ کے سامنے درختوں میں الجھ کر رہ جاتے تھے۔ یکایک بادشاہ کی نگاہ ایک تختہ پر پڑی جو آہستہ آہستہ بہتا ہوا آ رہا تھا۔ فورًا حکم دیا گیا کہ یہ تختہ ہمارے سامنے لایا جائے لوگ دوڑے اور ہاتھوں ہاتھ حکم سلطانی بجا لایا گیا۔ یہ تختہ پورے تین گز لمبا اور ڈیڑھ گز چوڑا ایک لکڑی سے ترشا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑے کے آہنی نعل جگہ جگہ اُسمیں نصب تھے۔ جنپر ہندی حروف میں کچھ کندہ تھا۔ یہ عجیب تختہ اور حروف دیکھکر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اور پنڈتوں کو بلایا کہ اس عبارت کو پڑھکر بتائیں۔ مگر کسی پنڈت کی سمجھ میں یہ عبارت نہ آئی ہر چند ملک میں جگہ جگہ فرمان بھیجے گئے۔ اور سنسکرت کے عالم تلاش کر کے بلوائے گئے لیکن یہ عقدہ حل نہوا۔ بادشاہ کو اس طلسماتی تختہ کے بھید معلوم کرنے کا شوق بہت بڑھ رہا تھا۔ کسی نے ایران کے ایک آتش پرست عالم کا جو کھمبایت میں رہتے تھے اور ایران کی قدیمی زبان کو خوب سمجھتے تھے حضور میں ذکر کیا کہ وہ اس کتبہ کو ضرور پڑھ دینگے بادشاہ نے فورًا قاصد دوڑائے اور مجوسی مُعبد کو طلب فرمایا۔ مُعبد ہاتھوں ہاتھ دہلی لائے گئے۔ اور ایک دن تختہ پڑھنے کا مقرر ہوا +

دربار کے عمائدین اور تمام علماء و فضلاء کی موجودگی میں بادشاہ نے معبد کو دربار میں بلایا اور تختہ سامنے رکھوایا۔ نعل اس طور سے چسپاں تھے جیسے آجکل کسی ملک کا نقشہ بنایا جاتا ہے۔ مُعبد اُس تختہ کو دیکھکر رونے لگا۔ یہاں تک کہ اُسکی ہچکی بندھ گئی

حاضرین دربار اور خود ظل سبحانی معبد کی اس حرکت سے متعجب تھے۔ آخر اُسکے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو اُس نے کہا کہ حضور یہ تختہ ہمارے پیغمبر زرتشت کے خلیفہ حکیم جاماسپ کا بنایا ہوا ہے۔ حکیم جاماسپ نے تمام دنیا کا زائچہ قائم کر کے معلوم کیا تھا کہ دنیا میں آئندہ کیا کیا ہونے والا ہے۔ اور پھر ان زائچوں کو کندہ کرا کے تختوں میں جڑوا دیا اور ان تختوں کو ایک محفوظ مکان میں جسکا نام اُنہوں نے "پیکو کا ثنات" رکھا تھا نصب کرا دیا۔ ہر اقلیم اور ملک کا تختہ علیحدہ تھا۔ لیکن اب ان تختوں کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اس تختہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے متعلق ہے جسکو کسی زمانہ میں کوئی ایرانی اپنے ہمراہ یہاں لے آیا ہوگا۔

ظل سبحانی نے گھبرا کر دریافت کیا دیکھو ہمارے ملک کی بابت اسمیں کیا لکھا ہے۔ معبد بولا حضور! میرے دل کی اسوقت عجب حالت ہے۔ اپنی قوم کا اگلا وقت مجھکو یاد آرہا ہے جس سے بے اختیار آنسو اُمڈے چلے آتے ہیں۔ آپ مجھکو مہلت دیں کل غور سے دیکھکر عرض کرونگا۔ بادشاہ نے اُسکی درخواست منظور کی۔ اور دربار برخاست کر دیا۔ دوسرے دن دربار پھر آراستہ ہوا اور معبد صاحب حاضر ہوئے۔ آج اُنہوں نے غور کر کے بتایا کہ ہندوستان کی نسبت اس زائچہ میں نہایت باریک باتیں لکھی ہیں جنکا معلوم ہونا حساب کے درست ہونے پر موقوف ہے۔ اگر میں کوئی فیصلہ کروں تو یہ خیال نہ کیجئے گا کہ یہی درست ہے ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو۔

زائچہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک پر ہمیشہ غیر علاقہ کے آدمی حکمراں رہیں گے جن میں انقلابات جلدی جلدی ہوں گے۔ عرب کے مذہب [illegible] ملک کے تاج و تخت کی مالک بنیں گی آخر ایک درویش [illegible] زمانہ [illegible] کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر یہاں ایک ایسے بادشاہ کا زمانہ آئیگا [illegible] ہزار گز لمبی ہوگی۔ اور جو دہلی کے تخت پر بیٹھکر حکمرانی کرے گا۔ [illegible]

پر اسکے زبان لکھے جائیں گے۔ وہ بات نہیں کرے گا مگر اسکی آواز مشرق و مغرب میں آن کی آن میں پہنچ جائے گی۔

جب ہندوستانی تخت اس بادشاہ کو ملیگا۔ عربی مذہب کا درویش بادشاہ اور اسکا خاندان بڑی تکلیفیں اُٹھائے گا۔ درویش بادشاہ کو رنگین پانی سے قید خانہ میں قید کیا جائے گا۔ اسکی اولاد تخت گاہ میں ذبح کیجائے گی۔ اور باقی ماندہ بھیک مانگتی پھرے گی۔ اور کوئی اُنکو بھیک نہ دیگا۔ اس نسل کے آدمی کو کوئی شریف شخص اپنے پاس ٹہرنے نہ دیگا۔ آخر وہ درویش بادشاہ قید خانہ میں مر جائے گا۔ اور درویش بادشاہ کا مذہب اس ملک میں چاروں طرف سے گھر جائے گا۔ اور ہندوستان کے بعض باشندے اسکے تباہ کرنیکا سامان کرینگے۔ مگر درویش بادشاہ کی روح اپنا پرتو بجلی کے بادشاہ پر ڈالے گی جس سے وہ بجلی نشین بادشاہ درویش بادشاہ کے مذہب کو دشمنوں سے بچائیگا۔ اور ایکدن خود اسکو قبول کرلے گا۔

جہاں پناہ زائچہ سے اور بھی بہت سی عجیب و غریب باتیں معلوم ہوتی ہیں مگر میری زبان اُنکے بیان کرنیسے رُکتی ہے شاید قدرت کو اُن کا کھولنا منظور نہ ہو مگر اتنا ضرور عرض کرونگا کہ بجلی نشین بادشاہ کا ابتدائی زمانہ درویشی کے خلاف ہوگا اور تھوڑے ہی دنوں بعد سارا مُلک درویش صفت بن جائے گا۔ اور بجلی نشین شاہ درویش سلطان کا لقب پائے گا۔

یہ حکایت ہم نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ مرزا محمد صاحب دہلی سے ایک بوڑھے کی زبانی سُنی تھی اسکا مضمون غالباً یہی ہے جسکو اوپر کے الفاظ میں ادا کیا گیا۔ مگر الفاظ میں ضرور کچھ فرق ہوگیا ہوگا تاہم اس صوفیانہ رسالہ میں اس قصہ کے درج کرنیکی وجہ یہ ہے کہ اسمیں اشاعت درویشی کی غیبی امید دلائی گئی ہے۔ اس واسطے ہم سب سے پہلے اسکا تذکرہ کرتے ہیں۔ گو ہمکو نجوم کے مسئلہ میں آتش پرستوں کے عقیدہ سے اتفاق

نہیں ہے۔ لیکن اس واقعہ میں نیک فال اور نیک پیشین گوئی کا اظہار کیا گیا ہے اسلئے
ہم بلا لحاظ اسکے کہ ہمارا نجوم کے متعلق کیا عقیدہ ہے یہ فسانہ شائع کردیتے ہیں +

پیشین گوئی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ درویش بادشاہ پر عربی مذہب کا
خاتمہ ہوگا۔ سو بہادر شاہ بادشاہ کے عہد میں ہو چکے صوفی بادشاہ و مغلیہ اسلامی
حکومت کا چراغ خاموش ہوگیا۔ نیا بادشاہ جس کی تلوار دو سنہ انگریزی بیان کی گئی ہے
انگریزی حکومت ہے جو ہزاروں گز پر اپنی توپ کے گولے پھینک کر تلوار کا کام لے سکتی ہے
بجلی کا تخت اسکو میسر ہے۔ کیونکہ انگریزوں کی تاجداری کا دارومدار برقی کارروائی پر ہے
آگ کے حروف سے پانی کے کاغذ پر فرمان لکھنا اشارہ ہے آگ اور بھاپ کے کاروبار پر جو
شاہی فرمان کی طرح چل رہے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام پر آجکل ہندوستان
بعض فرقے حملے کر رہے ہیں پیشین گوئی کا دعوی ہے کہ انگریزی حکومت مسلمانوں
کا ساتھ دے گی۔ اور یہی ساتھ دینا مذہب قبول کرنا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخر
سارے ملک میں درویشی عقائد کا دور دورہ ہوگا +

پس صوفیہ کرام کو چاہئیے کہ اس آخری فقرہ سے خوش ہو کر آگے بڑھیں اور اپنے
طریقہ کو ملک میں پھیلائیں۔ انہیں یقین رکھنا چاہئیے کہ گورنمنٹ انگریزی اس معاملہ
میں انکا ساتھ دے گی۔ اور خدا تعالیٰ تصوف کا نشان بلند فرمائیگا +

حسن نظامی

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں	قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیال فردا کس کو	جب ریل ہے سامنے توجہ الی اللہ کہاں
تنہائی و طاعت کا یہ دور ہے اب دشمن	پیڑوں پہ نہ وہ طائر صحرا نہ وہ جوبن
بستے تھے جہاں سائیں اب ریل کے ہیں بابو	اللہ کی جگہ سنگل مغرب کی جگہ انجن

اکبر (خانبہادر سید اکبر حسین۔ پنشنر جج الہ آباد و خادم خصوصی حلقہ نظام المشائخ)

آنسو

جس طرح انسان کے اندرونی جذبات چہرے کے تغیر سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسیطرح بعض کیفیات آنسوؤں سے بھی ہویدا ہوتی ہیں۔ لیکن آنسوؤں سے کسی حالت کا اندازہ کرنا چہرے کے مقابلہ میں مشکل ہے۔ کیونکہ رنج و خوشی۔ تکلیف و راحت کی حالت میں بشرے پر ایک غمگینی و شادمانی۔ اداسی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک معمولی سی سمجھ کا آدمی بھی معلوم کر لیتا ہے کہ یہ شخص کس حال میں ہے۔ بخلاف آنسوؤں کے۔ کہ وہ غم اور خوشی خوف و اطمینان سب میں یکساں صورت سے پیدا ہوتے ہیں +

تم نے ایک آنسوؤں سے لبریز آنکھ کو دیکھا۔ پیاری نہیں کہا ہو! رہا کے بوجھ سے تھرتھرا رہی ہے پانی کے ننھے ننھے قطرے ابل ابل کر حوض میں ملی ہوئی چادر بنا ہوا پھیلا رہا ہے۔ پلکوں کی جڑیں بھیگ جائیں گی تو آنسوؤں کا دریا رخسار پر بہتے بہتے رستہ نکال لیگا۔ لیکن یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ چشم پر آب ہو کیوں۔ کسی کے مرنیکے غم سے۔ فراق کے قلق سے۔ جابر کے جبر سے۔ خوف و ہراس سے۔ بے بسی بیچارگی سے۔ یا تفضیحات سے۔ غرض کوئی ٹھیک بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ اصل یہ ہے کہ آنسو بھی بشرے کی تائید کا محتاج ہے۔ اگر آنسوؤں سے کسی حالت کا پتہ چلانا منظور ہو تو فوراً رخسارے اور چہرے پر نظر جاؤ وہ وہاں لکھا ہوگا کہ یہ آنکھ کیوں روتی ہے موت کی تکلیفیں سہتی ہوئی آنکھ کے نیچے رخساروں اور ہونٹوں پر صرف پژمردگی سے پہچانی جاتی ہے خوف کے وقت بشرہ اسقدر زرد اور بیقرار ہوتا ہے کہ آنسو پورے طور سے بہنے نہیں پاتا جو پونچھ لیا جاتا ہے۔ جدائی جو الفت کا حاصل ہے سب سے بہتے ہیں رخسار کو اداس اور زرد کر دیتی ہے۔ ہونٹ خشک نظر آتے ہیں چہرہ پر ستانا بیخودی کا سماں ہوتا ہے۔ آنسو بہا کرتے ہیں اور آنکھ کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

کیونکہ وہ یار کے تصور میں محو ہوتی ہے۔ عاشق کی آنکھ ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے۔ اور
سب حالتوں میں تو چہرے اور بدن کیساتھ آنکھ پر بھی اس تکلیف کا اثر پڑتا ہے اور
وہ کمزور ہو جاتی ہے۔ مگر محبت کی آنکھ ہمیشہ قوی رہتی ہے۔ وہی خمار۔ وہی چمک
وہی رنگ کسی بات میں فرق نہیں آتا۔ محبت کی آنکھیں ایک طرف اور سب کو دیکھنے
والے کو بجائے تکلیف دینے کے ایک قسم کا لطف عطا کرتی ہیں۔ شراب عشق سے
مخمور آنکھیں جب آنسوؤں کے پانی سے غسل کر چکتی ہیں اُسکے بعد ذرا انکی شان دیکھئے
اسرار ربانی چھلکتے نظر آئینگے۔ بھیگی ہوئی پلکوں کی نوکیں طلسماتی انداز سے جنبش کر رہی
ہونگی ورنہ جھپک جو آنا فانا میں ختم ہو جاتی ہے عشق کی چنگاریاں اڑا رہی ہوگی
ہوتی۔ وہ خصوصیت تو بے شک زندگی میں داخل ہے پر روتی ہوئی آنکھ بڑی قدر سے دیکھی جاتی
ہے۔ کوئی شخص کیسا ہی سنگدل ہو کسی پر رحم کرنا اسکی عادت کے کتنا ہی خلاف ہو
لیکن وہ آنسو مٹی کے پتھر دل کو موم کر دیتے ہیں۔ جب وہ آنسو بھری آنکھوں کو رحم کے
لیے التجا کرتے دیکھتا ہے پانی پانی ہو جاتا ہے۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان لوگوں کی بات کا بڑا اثر پڑتا ہے جو دو آنسو آنکھ
میں لا سکتے ہیں چنانچہ جو واعظ اپنے بیان کو آبدیدگی سے تر کر دیتے ہیں انکے
کلام کی تاثیر مسلم ہے۔ ان کی آنکھیں پر آب ہوتی ہیں اور سامعین ماہی بے آب بنے۔

مصنوعی آنسو میں بھی اثر ہوتا ہے۔ تماشہ گاہ میں تماشہ کرنیوالا مصنوعی نالہ
بکا کرتا ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ بناوٹی۔ دکھاوے کی آہیں ہیں۔ ایک فرد بشر
بھی یقین نہیں کرتا کہ یہ اصل رونا ہے مگر اثر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو سکتہ ہو جاتا
ہے بلکہ بعض نرم طبیعت کے آدمی تو خود رونے لگتے ہیں جب نقل میں یہ تاثیر ہے
تو اصل میں خبر نہیں کیا عالم ہوتا ہوگا۔ یورپ والے رونے کو مردانگی کی شان سے
خلاف سمجھتے ہیں۔ اسلئے انکے ہاں آنسو آنکھ سے نکلنا خلاف فیشن تصور کیا جاتا ہے

گو اہل یورپ ایشیا والوں کے آنسوؤں کو نامردی میں گنتے ہیں مگر اُنکے نزدیک انسانی دنیا
میں ... آنسو آشنا اور آنکھ آنسو بار نہیں۔ ایشیا کے مذہب میں خواہ
عیسائی ہوں یا مسلمان ہندو ہوں یا پارسی "چشم تر" کی تعریف کی گئی ہے۔ آنسو
دوستی کا حقیقی نشان ہے جو آنکھ اس سے خالی ہو وہ کیونکر ہمدردی کا دعوے
کرسکتی ہے۔ یورپ کی خودغرضی و مطلب آشنائی کے صدہا واقعات ہیں یہ واقعہ
سب سے زیادہ اہم ہے کہ وہاں کے باشندے رونے کی لذت سے محروم ہیں اس
واسطے اُن میں خودغرضی کا مادہ بڑھا ہوا ہے۔ اس دعوے کی دلیلیں ہزاروں
ایشیا کی تاریخ میں موجود ہیں کہ رونے والے اور آنسو بہانے والے کیسے بہادر اور دلیر
ہوتے تھے۔ دشمن کے مقابلہ میں انکی ثابت قدمی اور مردانہ شجاعت یورپ والوں
کو اکثر درجہ بڑھ کر تھی پس اس خیال کی کچھ وقعت نہ کرنی چاہیئے کہ آنسو مردمی کی شان
کو بٹہ لگاتے ہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ خشک چشمی مردانگی کو بدنما بنادیتی ہے ۔

آنسو دنیا کے ہر کام میں مدد دیتا ہے۔ بڑی بڑی ادق مشکلیں دو آنسوؤں سے
حل ہو جاتی ہیں۔ ظالموں کے قہر و غضب کی آگ آنسو کی دو بوندیں بجھا دیتی ہیں جس کی
آنکھ سے آنسو نکلتے رہتے ہیں اُسکا دل نفسانی کدورتوں سے پاک صاف رہتا ہے
آنسو ٹپکتے وقت جو لذت اور پُراسرار محویت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ ایسی قیمتی
ہوتی ہے جس پر یورپ کے تمام مال و منال قربان ہیں۔ جسکے سامنے موجودہ تمدن کی عیش
و عشرت ہیچ ہیں۔ اسی واسطے مسلمانوں کے ایک فرقہ شیعہ نے آنسو کی مدح و تعریف میں
دفتر کے دفتر لکھ دیئے ہیں۔ اور اسی لئے صوفیوں میں بڑے بڑے نامور بزرگ جب دعا مانگتے
ہیں تو آب دیدہ کی ضرور درخواست کرتے ہیں۔ تہجد کا سہانا وقت جب کہ ہر چیز پر ایک
خوشگوار خاموشی کا عالم ہوتا ہے اور ظلماتی شان کے دریا لہریں مارتے ہیں آنسوؤں کی بہار
کا موسم ہوتا ہے جس طرح موسم بہار میں ہوائی تاثیر ہر چیز میں شگفتگی پیدا کرتی ہے اسی طرح

تہجد کا وقت بیدار ہونیوالی آنکھوں میں آنسوؤں کی بہار کا موسم نمایاں کرتا ہے ٭

یہ موسم ہر شخص کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہی اسکا لطف اُٹھاتے ہیں جو رات کے پچھلے حصہ میں سونا ترک کردیتے ہیں۔ جو اس مبارک وقت کو رکوع وسجود میں بسر کرنے کے خوگر ہیں جنکے چہرے دن کیوقت غیبی نورانیت کے سبب الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکی درخواست الٰہی دربار میں مقبول ہے۔ جو تجلیات راز کے ہر شب دیدا کرتے ہیں۔ انہیں کے آنسوؤں سے تمام دنیا میں آرام وراحت کا وجود قائم ہے ورنہ الحاد ودہریت نے تو انسان کو اضطراب وبے اطمینانی کے سمندر میں غرق کردینے کا سامان کرلیا ہے۔ اے وقت سحر کے آنسو بہانیوالے بزرگو! وہ آنسو ان غافل انسانوں پر بہاؤ۔ جو بے خبری کی نیند میں پڑے سوتے ہیں۔ شاید وہ بیدار ہوکر اس راحت سے حصہ پاسکیں۔ اور اے نورانی دل میں رہنے والے جذبے! تو جلدی بھڑک اور آنسوؤں کی شکل میں نمودار ہوکر مسلمانوں کی پستی کو عروج سے تبدیل کردے۔ ہر شخص سے جو تہجد کے آنسوؤں کا مالک ہے۔ التجا ہے۔ التماس ہے۔ درخواست ہے کہ وہ حلقۂ نظام المشائخ کے ارکین وخدام اور رسالہ نظام المشائخ کے ناظرین کو اُس وقت خاص میں یاد رکھے اور دعا کریں کہ صوفیہ مشائخ کا بول بالا ہو ٭

خدا خدا تو واقعہ یہ ہو کہ اب مسلمانوں کی قوم میں ذوق شوق کے آنسو ناپید ہیں۔ انکی تقدیر خبیث کی ... تو انکو لاوارث یتیموں کے آنسو ... بے ٹھکانا بیواؤں کے آنسو تین تین دن کے فاقہ کشوں کے آنسو۔ مقروضیت کی پریشانی کے آنسو ... کے آنسوؤں کے سوا اور کوئی مزیدار آنسو نصیب نہیں۔ ذلیل سے ذلیل قومیں جو ... ہیں ان کی محتاج تھیں۔ اور آنسو بہاکر۔ ہاتھ پھیلاکر اُنسے روٹی کا ٹکڑا حاصل کرتی نہیں ... رلوانی میں نادر تھی کیا اب کسی مسلمان کی آنکھ میں ایسا آنسو نہیں جو طوفان اُٹھائے اور ان نوخیز فتنوں کو ڈبو دے؟ ... بارگاہ الٰہی سے ارشاد کی ... ہے۔ لہذا ہم اسے زیادہ عاجز

ہیں کون کون شیخ یہاں۔ چلکے دیکھ لو

ہیں پیر جی مظفر علی شاہ دہلوی نقشبندیوں میں سرخیل جہاں دیدہ

حضرت امیر حسین ہیں سراج معارفی اور مولوی محمد عمر نخر قادری

پھر ہیں جناب پیر جی عبدالصمد کہ جو

فخری نظامی چشتی ہیں وہ مرد نیک خو

اور خواجہ خلیل جمالی بھی ہیں یہاں مرزا مذاقی حضرت احقر بدخشاں

خواجہ حسن نظامی بھی ہیں فخر صوفیاں اوصاف کیا بیان کرے آپکے زباں

وہ حلقۂ نظام مشائخ کے مرید و پیر

آنکھوں پہ سب بٹھاتے ہیں جنکو جوان پیر

یہ تعزیت کا جلسہ ہی معلوم ہو گیا ان میں اک شریک ہے چھوٹا بڑا ہوا

دیوان جی کے غم میں ہی ہر ایک مبتلا اے مرگ ناگہاں یہ ستم تونے کیا کیا

کیا وہ سرا تجھے نہ دکھائی دیا کوئی

انسان کی جہان میں کوئی کمی نہ تھی

سامان جو تھے جلسہ کے سب جمع ہو چکے فرش و فروش ظرف و قبا سج سجا چکے

جو لوگ آنیوالے تھے بلکے آ چکے سب سلسلوں کے پیشوا تشریف لا چکے

مسند ہی میر جلسہ کی خالی پڑی ہوئی

ڈھونڈیں کہاں کدہر گئے ہیں دیوان جی

پھرتی ہی سر کو پیٹتی چاروں طرف صبا خوں ہو کے دل ہوا ابر کا بہنے کو ہو رہا

چلا رہا ہے رعد کہ ہی ہی یہ کیا ہوا دیوار و در پہ سکتہ کا عالم ہی چھا رہا

دلمیں گل نشاط کے چبھتا ہے خار آج

پیراہن شکیب ہوا تار تار آج

گزشتہ اور آئندہ ماہ کی ضروری خبریں

پچھلے مہینہ میں شیخ المشائخ حضرت دیوان سید غیاث الدین چشتی سجادہ نشین اجمیر شریف کی وفات اہل تصوف کے لیے المناک خبر تھی مگر اسی مہینہ میں شیخ المشائخ حضرت دیوان سید امام الدین صاحب چشتی کا مسند سجادگی پر باتفاق مشائخ ہند و حکام سلطنت متقرر ہونا ازبس مسرت بخش ہے +

آئندہ ماہ رجب المرجب میں یکم سے ۶ تک خواجہ خواجگان سلطان الہند رح کا عرس اجمیر شریف میں ہوگا امسال نئے سجادہ نشین صاحب کی ذات مقدس سے امید کیجاتی ہے کہ عرس میں ایک خاص شان نظر آئے گی اور کوئی کام بزرگوں کے طریقہ کے خلاف نہ ہو سکے گا +

رجب کی آخری تاریخوں میں رجبی شریف کی مجلسیں ہندوستان کے ہر شہر میں ہونگی الہ آباد میں یہ رجبی شریف خاص اہتمام سے ہوتی ہے مولانا محمد حسین شہید الہ آبادی نے اسکو جاری کیا تھا۔ اب اُن کے صاحبزادے مولوی ولایت حسین چشتی اپنے والد کے قدم بقدم یہ مبارک محفل کرتے ہیں +

رسالہ نظام المشائخ اس بار صرف ۴۸ صفحہ پر نکلا ہے جسمیں نصف کے قریب حلقہ کی کارگزاری میں صرف ہوگیا آئندہ ماہ سے انشاء اللہ تعالی ۶۴ صفحے پر نکلیگا اور کارگزاری مختصر ہوا کرے گی۔ زیادہ حصہ مضامین کا ہوگا۔ بعض نامور مشائخ نے اپنے بیش بہا مضامین عنایت فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ اور انگریزی داں مسلمان انگریزی سے اُن ضروری مضامین کا ترجمہ کررہے ہیں جن کا اُردو میں آنا اہل تصوف کی واقفیت کے لیے بہت مفید ہوگا ان مضامین کا سلسلہ آئندہ ماہ سے شروع ہوجائے گا +

نائب مدیر

ہو الکل

۷۸۶ بامعین

حلقہ نظام المشائخ کی کارگزاری

اب اکثر لوگ حلقہ نظام المشائخ کے نام سے آشنا ہو گئے ہیں۔ ہندوستان کی تمام خانقاہوں میں اسکی صدا پہنچ گئی ہے۔ اور جہاں نہیں پہنچی وہاں پہنچانے کی کوشش جاری ہے +

ایک سال پہلے کا ذکر ہے۔ ہندوستان کے اِس سرے سے اُس سرے تک سمجھدار مسلمان جب اپنی قوم کی پستی کے اسباب پر غور کرتا تو بے اختیار کہتا کہ یہ کشتی بانونی آدمیوں سے پار نہیں لگے گی۔ اسکے لیے تو صاحب قال اور صاحب حال بزرگوں کی رہبری درکار ہے۔ حضرات صوفیہ کرام باطنی تاثیرات کے مالک ہیں۔ انہیں کے دم سے آجتک اسلام کا بول بالا ہے۔ اگر وہی توجہ فرمائیں گے تو موجودہ زوال رفع ہوگا۔ مگر صوفیہ مشائخ کی توجہ کس طریق سے ہو اور وہ کیونکر قوم کی دستگیری فرمائیں اسکے متعلق ہر شخص کی جداگانہ رائے تھی۔ بعض حضرات تو کہتے تھے کہ صوفیہ کرام اپنے خلوتخانوں سے نکل کر نئے زمانہ کے اوضاع و اطوار اختیار کریں قوم خود بخود اُن کی پیروی کرے گی اور زمانہ کی رفتار پر چلنے لگے گی۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ ان قدیمی بزرگوں کو نئی روشنی سے بالکل علیحدہ رہنا چاہیے۔ انکو صرف اپنے اصلی مشاغل پر مستعدی سے کاربند ہونا چاہیے۔ اسی سے قوم کی بہبودی ہوگی +

مگر لوگوں کی یہ باہمی رائے زنی اُن کے گھروں تک محدود تھی۔ مشائخ صوفیہ کو اِس امر کی کانوں کان بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ آجکل اظہار خیال کے آلات اخبار و رسائل ہیں۔ اور حضرات مشائخ کو اِنکے مطالعہ کا بالکل موقع نہیں ملتا تھا۔ علیحدہ کیونکر

خلقت کی راے سے آگاہ ہوتے۔ یہ کشمکش اسقدر بڑھی کہ چاروں طرف سے صوفیہ کرام پر لعن طعن اور سب وشتم ہونے لگا کہ وہ بےخبر پڑے سوتے ہیں اور دشمنان اسلام انکے بزرگوں کی کمائی لوٹ رہے ہیں +

یہ کیفیت مشاہدہ کرکے میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ صوفیہ کرام میں تحریک پیدا کرنیکے لیئے ایک انجمن قائم کرنی چاہیئے۔ مگر میں آجکل کی انجمنوں سے خوب واقف تھا اور انکو جس قسم کی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے وہ بھی مجکو معلوم تھیں +

علیگڈھ کانفرنس کے متعدد جلسے دیکھے تھے۔ ندوۃ العلماء کے جلسوں میں بارہا شریک ہوا تھا۔ حمایت اسلام لاہور کے جلسے بھی کئی بار دیکھنے کا موقع ملا تھا اور فقط اسلامی جلسے نہیں۔ ہندوں۔ آریوں۔ سکھوں۔ عیسائیوں۔ پارسیوں کی دینی و دنیاوی درسگاہوں کو دیکھنے اور انکے طرز عمل سے تجربہ حاصل کرنیکے لیئے میں نے مدرس۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ کاٹھیاوار۔ سندھ۔ پنجاب وغیرہ علاقوں کی سیر و سیاحت میں کئی سال صرف کیئے تھے۔ اور اپنی سمجھ کی بساط کے موافق اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا کہ دوسری قومیں اپنے دینی و دنیاوی فرائض کو کس طریق سے انجام دے رہی ہیں۔ اور کیا صورتیں انکی کامیابی کی ہیں۔ جنسے مسلمان بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں +

مسلمانوں کی مشہور انجمنوں اور دنیاوی مدارس کے علاوہ میں نے تمام مدارس کا بھی بہت غور سے مطالعہ کیا تھا۔ کانپور۔ دیوبند۔ دہلی۔ لکھنؤ۔ رام پور امروہہ وغیرہ کل بڑے بڑے عربی مدارس کو دیکھا تھا۔ اور نتائج اخذ کیئے تھے

آخر ان تمام تجربات اور مشاہدات نے مجکو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ مسلمانوں کی ستھی [illegible] کی اندھی تقلید سے نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اگلے وقتوں کی مذہبیری کو ڈھونڈتے رہنے سے کام چل سکتا ہے۔ جو انجمنیں نئی روشنی کی ٹیپ ٹاپ پر چل رہی ہیں اُن کے ظاہری کارنامے شاندار نظر آتے ہیں۔ لیکن انجام بالکل ہیچ اور [illegible]

معلوم ہوتا ہے۔ مجکو سوائے اسکے اور کوئی راستہ نہ ملا کہ اپنے قدیمی کارناموں کو زندہ کیا جائے اور بزرگوں کے نقش قدم قطع مسافت کیواسطے اختیار کیے جائیں لیکن بڑی ناانصافی اور ناحق شناسی ہوگی۔ اگر میں اس امر کا اقرار نہ کروں کہ نئے زمانہ کے علوم میں اور طرز رفتار میں صدہا خوبیاں ہیں۔ جنکو استعمال کرنے کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ اور میں اپنے قدیمی اصول پر عمل کرنیکے لیئے انکو کام میں لانا لازمی اور لابدی تصور کرتا ہوں +

پس میرا یہ ارادہ کہ صوفیوں کی ایک انجمن قائم کیجائے۔ محض زمانہ کی تقلید کے خیال سے نہ تھا۔ نہ میں یہ پسند کرتا تھا کہ جس بات کو سالہا سال کی سیر و سیاحت اور تجربات سے کچھ بہت مفید اور کارآمد نہ پایا تھا۔ اسی کو اپنے لیئے اختیار کردں اصل میں انجمن جس چیز کا نام ہے وہ ایک گروہ کا مشورت خانہ ہوتا ہے اور شورہ کی تاکید اسلام سے بڑھکر اور کسی مذہب میں نہیں ہے لہذا یہ صوفیوں کا مشورتخانہ بنانا عین اسلامی تعلیم کے مطابق ہے جسکو نئی روشنی کی زبان سے بس اتنا ہی تعلق ہے کہ اسلامی طریق کا مشورہ جدید قواعد و ضوابط کی پابندی سے اور عملدرآمد کی کوشش کی جائے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں +

صوفیوں کی انجمن کا نام حلقہ بھی اسی وجہ سے ہوا کہ مشائخ میں یہ دستور پہلے سے جاری ہے اس لیئے ان کے لیئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ حلقہ عموماً ذکر شغل یا مراقبہ کے وقت کے مجمعے کا نام سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ لفظ انہیں کاموں کے لیئے محدود نہیں ہے۔ بلکہ خود یہ کام حلقہ میں محدود ہیں۔ ہر وہ کام جو صوفیوں کے دینی و دنیاوی امورات سے تعلق رکھتا ہو اور عام اجتماع سے انجام پائے حلقہ مشائخ کہلائے گا +

حلقہ کی غرض و غایت

اب پھر وہی بحث پیش آتی ہے جسکا ذکر اوپر آچکا ہے کہ اس زمانہ میں حضرات صوفیہ کرام کے کام کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔ جو فریق یہ کہتا ہے کہ درویش اپنے خلوت خانوں سے نکلکر زمانہ کی دوڑ میں شریک ہوجائیں۔ اور ایسا طرز معاشرت اختیار کریں کہ نئی روشنی کے پورے ماہر سمجھے جائیں۔ اور دنیا داروں کو اپنے نمونہ سے پورا پکا دنیا دار بنادیں۔ میرے خیال میں بالکل غلطی پر ہے۔

ہمیشہ ہمارے سائنٹفک صوفیوں کا کمال اسمیں نہیں ہے کہ وہ یورپین فیشن کو عمدگی سے استعمال کرسکیں۔ یا نوکری چاکری اور طلب معاش کی دوڑ میں آگے بڑھیں۔ اُن کا فرض یہ ہے کہ اپنے مذہبی اور روحانی اصول کو جدید فلسفہ اور سائنس کے مقابلہ میں محفوظ اور کامیاب بنانے کی تیاری کریں۔ اور مسلمانوں کے باطنی عقائد کی نگہداشت کرکے اُنکے لیئے روحانی غذا مہیا کریں۔ جسطرح ایک دہقانی کسان سے جو خوراک جسمانی بہم پہنچاتا ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو زراعت کے سیدھے پچھلے کام کو ترک کرکے تہذیب و شایستگی کی زندگی اختیار کر اور شہروں میں نوکری کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ اسی طرح روحانی غذا تیار کرنیوالے صوفیوں اور گوشہ نشین عابدوں اور زاہدوں سے یہ کہنا فضول ہے کہ وہ خلوت نشینی اور مجاہدہ ترک کرکے طلب دنیا کے میدان میں نکل آئیں۔ اگر ایسا ہوجائے تو جسمانی و روحانی غذائیں کیونکر مہیا ہوں۔

حلقۂ نظام المشائخ قائم کرنیسے پہلے میں نے ان تمام باتوں پر اچھی طرح غور کرلیا تھا۔ اور غالباً یہ ظاہر کردینا ناجائز نہوگا کہ شب روز مزار مبارک حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضہ کے پہلو میں محض اسی نیت سے معتکف رہا کہ اس عظیم الشان کام میں راہ راست پر چلنے کی ہدایت نصیب ہو۔ آخر اسی مقام مقدس پر خیال

قائم ہوا کہ سر دست اس حلقہ کی چار اغراض مقصود ہوں **اول** علم تصوف کی حفاظت و اشاعت **دوم** مشائخ صوفیہ کو مرکز اتحاد پر لانیکی کوشش **سوم** عرسوں اور خانقاہوں کی اندرونی اصلاح **چہارم** صوفیوں کے دنیاوی حقوق کا تحفظ۔

مقصد اول کی تکمیل کیلئے ایک مدرسہ تصوف اور کتب خانہ تصوف کی ضرورت محسوس ہوئی۔ نیز یہ کہ تمام ناسور اہل تصوف کے تذکرے شائع کیئے جائیں۔ مدرسہ تصوف کا خیال آتے ہی دل میں اعتراض پیدا ہوا تھا کہ تصوف حال ہے قال ہے اسکو کیا سروکار۔ تصوف عشق ہے اور عشق را بوحنیفہ درس نگفتہ است۔ مدرسے کی تعلیم انسان کو صوفی نہیں بنا سکتی۔ مگر تھوڑا ہی جواب بھی ذہن میں آگیا کہ باطن کے لیئے ظاہر لازمی ہے۔ طریقت بغیر شریعت کے عمل نہیں ہو سکتی۔ حال قال کی معلومات کے بغیر ادھورا رہتا ہے۔ عشق بھی شکل ظاہر کا محتاج ہے۔ تصوف کا دارومدار محض جذبات پر ہوتا تو حضرت ابن عربی فتوحات اور فصوص کے اوراق سیاہ نہ کرتے۔ اور تمام مشائخ اس بحث پر کوئی کتاب نہ لکھتے۔ تعلیم محض صحبت پر منحصر ہوتی تو فلسفہ تصوف ایک مستقل فن نہ بنایا جاتا۔ یقیناً ظاہری طور پر بھی علم تصوف کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی قال سے حال کا رستہ نظر آتا ہے +

دوسرے مقصد نے بھی طول طبیعت کو خلجان میں ڈالے رکھا کہ تمام مشائخ صوفیہ کو مرکز اتحاد پر لانیکی کوشش کیجائے۔ بدیہی نظر میں اسکا مطلب یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ چشتی قادری۔ نقشبندی سہروردی سب گروہ مل جل کر ایک معجون مرکب بنجائیں اپنے اصلی امتیاز کو فنا کر کے اتحاد کے مرکز پر آجائیں۔ لیکن یہ بات نہ کبھی عمل پذیر ہو سکتی ہے۔ نہ میں ایسا کرنا چاہتا ہوں۔ اس اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام سلسلوں کے اصول قریب قریب متحد ہیں۔ اختلاف صرف فروعات میں ہے۔ پس فروعی اختلاف کے سبب ایسی اجنبیت بڑھ گئی ہے کہ چشتی قادری سے جدا۔ نقشبندی سہروردی

سے ناآشنا۔ ہر ایک دوسرے سے کسی قسم کا سروکار نہیں رکھتا۔ اس علیحدگی اور اجنبیت کو دور کیا جائے۔ کل سلسلوں کے مشائخ آپس میں یگانگت اور رسم اتحاد جاری کریں۔ اور ایک دوسرے کے شریک حال ہوں۔ ان تعلقات کو خاندانی اشغال اور طریقوں سے کچھ واسطہ نہ رہے۔ بلکہ محض بیرونی طور پر یہ اتحاد قائم کیا جائے۔ جب کوئی غیر مذہب کسی چشتی پر حملہ آور ہو تو تمام قادری نقشبندی وغیرہ چشتیوں کا ساتھ دیں اور اگر نقشبندیوں یا قادریوں پر زیادتی کی جائے تو چشتی ہاتھ بٹائیں۔ اسکا نام ہے اتحاد۔ جسکی ازحد ضرورت ہے +

تیسرا مقصد عرسوں اور خانقاہوں کی اصلاح سے تعلق رکھتا تھا اور اسکی اہمیت خاص طور سے ملحوظ تھی مگر کن خرابیوں کی اصلاح مدنظر تھی اور جن کو ہم خرابیاں تصور کرتا تھا۔ وہ حقیقت میں خرابیاں تھیں بھی یا نہیں۔ اسکا فیصلہ ذہن نے اچھی طرح نہ کیا اور نہ معلوم ہو سکا کہ اصلاح کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔ اصل میں یہ نہایت ہی مشکل بات ہے کہ جن امور کو ایک جماعت ناجائز اور قابل اصلاح تصور کرتی ہے۔ اُسکو دوسرا گروہ اچھا اور قابل رواج سمجھتا ہے۔ اسلیئے اول اول دلمیں آیا کہ بالفعل اس مقصد کا ذکر نہ کرنا چاہیئے۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔ اسمیں مسلسل غور خوض اور تمام مشائخ سے اجماع ضرورت ہے لیکن خیال آیا کہ ہمکو زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں۔ عرسوں اور خانقاہوں کے طریقے اگر ان بزرگوں کے طریق کے موافق ہیں جنپر جمہور کو اتفاق ہے تو فبہا ورنہ انکی اصلاح کرنی چاہیئے۔ اور عرسوں کو انکی اصلی ضرورت اور منشا کے مطابق کرنا چاہیئے۔ لہذا یہ تیسرا مقصد بھی علی الاعلان شائع کر دیا گیا۔

چوتھا مقصد بالکل عجیب تھا یعنی صوفیہ کرام کے دنیاوی حقوق کا تحفظ۔ شخص تعجب کرسکتا ہے کہ جس فرقہ کا وجود ترک دنیا سے قائم ہے۔ اسکی انجمن دنیاوی حقوق کے تحفظ کی طلبگاری کس فتوے سے کرتی ہے۔ دنیاوی حقوق سے

ہوجانا دین کی حقداری میں شامل کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک نہایت نازک بات تھی۔ جسکا فیصلہ آسان نہ تھا۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ مظہر سرار ربانی حضرت مولانا روم نے ترک دنیا و طلب دنیا کے فرق کو مثنوی میں اچھی طرح سمجھا دیا ہے اور دنیا کی تشریح و توضیح بھی خوب صاف صاف فرما دی ہے۔ لیکن اب تک بعض فقرا ترک دنیا کا یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ تمام ضروریات زندگی سے تعلق قطع کرکے ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر اللہ اللہ کریں۔ اور اپنے وجود کو اسباب دنیا سے بالکل محروم اور بے تعلق سمجھیں۔ حضرت مولانا نے تو صاف فرما دیا تھا کہ دنیا پروردگار سے غافل ہونے کا نام ہے۔ روپیہ پیسہ کو دنیا نہیں کہتے"۔ دنیا کی وہ چیزیں جن کا حوائج زندگی سے لازم ملزوم کا تعلق ہے حاصل نہ کیجائیں تو انسان فرض عبادت کو اطمینان قلب سے ادا نہیں کرسکتا۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ تو مشہور ہی ہے۔ اسپر اتنی افزونی اور ہونی چاہئیے کہ دل کی پراگندگی تمام دینی و دنیاوی تکالیف کی بنیاد ہے ؁

مشائخ متقدمین کے تذکرے دیکھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ "دست بکار و دل بیار" کا معاملہ تھا۔ اسباب دنیا سے سب چیزیں خدا تعالیٰ نے اُن کو عطا فرمائی تھیں۔ مگر اہل دنیا کی طرح اُنکی مشغولی اس دنیاوی دولت میں نہ تھی۔ دل خدا کی جانب لگا ہوا تھا۔ حضرت محبوب الٰہی رض غریب نواز کی نسبت ایک روایت مشہور ہے کہ آپکے اصطبل کے گھوڑے سونے چاندی کی میخوں سے باندھے جاتے تھے غیاث الدین تغلق شاہ دہلی نے ایک اعتراضیہ پیام بھیجا کہ فقیروں کو یہ شاہانہ شان و شوکت زیبا نہیں۔ آپنے اسکے جواب میں دو جملے لکھ بھیجے کہ "کجا اند خیمہ در دل مگر اند خیمہ در گل"۔ یعنی تیرے دل میں سونے کی محبت کی میخیں گڑی ہوئی ہیں اور میرے ہاں مٹی میں نصب ہیں۔ دل سے ان سنہری میخوں کا کچھ لگاؤ نہیں ؁

حلقۂ نظام المشائخ کے چوتھے مقصد کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ صوفیوں کے دنیاوی حقوق کا وجود دنیا میں موجود ہے۔ جن کی حفاظت کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اِسکی نسبت گو کچھ اعتراضات کیے جائیں۔ مگر اِس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جو انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے کچھ حقوق لیکر آتا ہے۔ خواہ وہ دنیاداری سے علیحدہ رہے یا اِسمیں مصروف ہو حقوق زندگی سے محروم نہیں ہو سکتا جو لوگ اِن حقوقِ معاشرت سے دست بردار ہونے کو ترکِ تجرید تصور کرتے ہیں وہ سخت غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُنکو آگاہ ہونا چاہیئے کہ جب تک سلطنت اسلامی قوانین پر چل رہی تھی اُنکی یہ غلط فہمی کچھ زیادہ مضر نہ تھی۔ بلا جستجو اسباب زندگی مہیا ہو جاتے تھے۔ اور بغیر اِسکے کہ حکام سلطنت سے عرض معروض کیجائے رسم دین انجام پا رہے تھے۔ اب وہ وقت نہیں ہے۔ حکومت اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ہمارے رسم و رواج و عادات سے بیخبر ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم اُنکو اپنی مذہبی اور دنیاوی ضرورتوں سے خبردار کریں۔ تاج و تخت کی مالک وہ قوم ہے جو کسی کے مذہب میں دست اندازی نہیں چاہتی۔ مگر بعض اوقات ہماری خاموشی و عدم توجہ کے سبب اُس سے ایسی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو ایک طرح ہمارے مذہب میں دست اندازی سمجھی جاتی ہیں ✣

انگریزی حکومت لامذہب حکومت ہے۔ یعنی وہ کسی خاص مذہب کی طرفدار نہیں ہے۔ اِسکے عہد میں جو قوم اپنے مذہب کی حفاظت چاہتی ہے تو خود اُسکو کمر باندھ کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ مذہبی امور کی نگرانی کا طریقہ بھی دنیاوی طریقوں کے مشابہ ہے۔ اسلیئے آجکل کے زمانہ میں اگر ہم دینی حفاظت کا کام کرنا چاہیں تو اسکا عمل درآمد بھی دنیاوی اصول سے کرنا پڑے گا۔ کیونکہ گورنمنٹ کا طرزِ عمل بھی کچھ ایسا واقع ہوا ہے۔ پس حلقہ کا چوتھا مقصد صوفیوں کے دنیاوی حقوق کی

طلبگار ہے تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس سے مراد محض دنیادی امور ہیں بلکہ خانقاہوں اور مشائخ کے جسقدر دینی کام ایسے ہیں جن کی تکمیل میں گورنمنٹ کی توجہ درکار ہے وہ سب اس مقصد کے تحت میں شمار ہوں گے ۔

مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک خانقاہ میں کچھ وقف ہو اور وہ خانقاہ کے مصارف میں خرچ نہیں ہوتا۔ حلقہ پہلے متولی وقف کو توجہ دلائے گا مگر اس طرح مقصد پورا نہ ہوا تو باضابطہ گورنمنٹ کو توجہ دلائی جائے گی یہ بات دینی بھی ہوسکتی ہے اور دنیاوی بھی۔ دینی اسلیئے کہ وقف دینی کام کے لیئے ہے اور دنیاوی اسواسطے کہ مالی کا قصہ ہے ۔

عرسوں کے موقع پر زائرین کو ریلوے کمپنیوں کی بے توجہی سے جیسی تکلیفات کا سامنا ہوتا ہے وہ محض اسلیئے ہے کہ صاحب عرس حضرات خاموشی پسند ہیں۔ گورنمنٹ کو باضابطہ لکھا جائے تو وہ ریلوے کمپنیوں کو تنبیہ و فہمایش کرکے سب تکلیفیں دور کرسکتی ہے۔ غرضکہ اس قسم کے صدہا کام ہیں جو بظاہر دنیاوی معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں اُن کا دارومدار دین پہ ہے اور ہر درویش کو اس سے واسطہ پڑتا ہے ۔

اس چوتھے مقصد پر عمل درآمد کرنے کیلیئے مسلم لیگ کو اپنا معتمد علیہ اسلیئے بنایا گیا ہے کہ اول تو ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ کسی گروہ یا عقیدہ کے ہوں تمام امور میں سب متحد الخیال ہوجائیں۔ مسلم لیگ کو شیعہ سنی مقلد غیر مقلد وغیرہ فرقوں نے اپنا معتمد علیہ تسلیم کرلیا ہے اور اس یکجہتی سے مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں۔ ہے کہ فرقہ صوفیائے کرام اس قومی اتحاد سے علیحدہ رہے۔ دوسرے خود ہماری آواز مسلم لیگ کے ذریعہ سے مؤثر اور گورنمنٹ کو اُسکا قبول کرنا لازمی ہوجائے گا۔ کیونکہ جو خواہش محض ایک جماعت

کیطرف سے پیش کیجائے وہ اس قدر اہم نہیں سمجھی جاتی جتنی تمام قوم کی متفق صدا
اور خوشی کی بات ہی کہ مسلم لیگ کے نامور اراکین خود ہمارے حلقہ کے خادم بن گئے
ہیں جس سے غیریت کا کوئی حجاب باقی نہیں رہا +

الغرض ان چاروں اغراض کو سامنے رکھکر صوفی انجمن قائم کرنیکا فیصلہ ہوگیا
جسکا نام حلقۂ نظام المشائخ تجویز کیا گیا۔ نظام المشائخ کے نام سے بعض حضرات
خیال فرماتے ہیں کہ شاید یہ محض نظامیہ سلسلہ کی کوئی جماعت ہی۔ اور یہ خیال لفظ نظام
سے پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ نظام کا لفظ صرف اجتماع مشائخ کی نیت سے استعمال
کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ حلقہ تمام چشتی قادری نقشبندی سہروردی سلسلوں کی یکساں ملکیت
ہے جسمیں تمام سلسلوں کے مشائخ شریک ہورہے ہیں۔ اور سب اپنے اپنے یہاں
ہر رنگ وحدت و مساوات کا رنگ پاتے ہیں +

جب یہ عزم پختہ ہوا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور ہر مسلمان میں پاکیزہ نیت کا زور
تاثر پذیر جاتا تھا۔ اسلیئے جس شخص کے سامنے اسکو پیش کیا گیا اس نے نہایت
جوش سے خیر مقدم کیا۔ خاصکر بعض انگریزی تعلیم پانے والے نوجوان جو ہمیشہ مجھسے
ملا کرتے تھے میرا ارادہ معلوم کرکے اسقدر خوش ہوئے اور ایسی ہمت افزا باتیں کیں
جنسے واقعی بہت تقویت پہنچی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی افتتاح اگر کسی مشہور
خانقاہ میں ہوئی تو پہلے ہی روز مخالفت شروع ہو جائے گی۔ مشائخ اور درگاہوں کے
پیرزادوں سے خبر نہیں اسکو کیا سمجھیں۔ خدا کا شکر ہی کہ سب سے پہلے جس شخص نے اس
حلقہ کو لبیک کہا وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ
کے پیرزادے جناب مولوی قاضی لطیف الدین صاحب چشتی تھے۔ اتنی بڑی خانقاہ
اور وہ بھی ایسی جہاں کے پیرزادے جہالت میں بہت شہرۂ آفاق ہیں۔ اسمیں ایک
ایسا روشن خیال بلند ہمت شخص کھڑا ہو گیا۔ بس مبارک فال سامنے آگئی۔ قاضی صاحب

کے بعد حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رح کی درگاہ کے پیرزادے سید علاء الدین نصیری بھی میرے ہمخیال ہوگئے۔ آخر ان امیدوں کے عروج میں وہ دن آگیا جس میں اس کار خیر کی بنیاد رکھنی مقدر تھی۔ یعنی ۲۱۔ رمضان المبارک جو حضرت امیر المؤمنین سیدنا مولی علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا روز ہے۔ اس برگزیدہ دن سے بڑھکر اور کیا موقع حلقہ کے اجرا کا میسر آسکتا تھا۔ دہلی کے نئی روشنی والے نوجوانوں کو جو اپنی قدیمی روشنی کے دلدادہ ہوکر میرے پاس آیا کرتے تھے خبر کی گئی اور ہمخیال پیرزادوں اور مشائخوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ ہمایوں کے مقبرے میں داتا صاحب کے مزار پر جو ایک نہایت صاف ستھری اور محفوظ جگہ ہے حضرت مولی رض کا عرس قرار پایا پھولوں کے انبار لگا دیئے گئے۔ عطریات اور بخورات سے محفل کو مہکا دیا گیا۔ پھر قرآن خوانی اور درود خوانی ہوتی رہی۔

ان مراسم کے بعد میں نے سیدنا حضرت مولی علی رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی حاضرین کو سنائے اور عرس کرنے کی وجوہات سے انکو خبردار کیا۔ اسکے بعد حلقہ نظام المشائخ کی ضرورت پر بحث کرکے تجویز پیش کی کہ آج اسکا افتتاح ہونا چاہیئے۔ پیرزادوں اور مشائخ کے علاوہ سید محمد ارتضی صاحب واحدی۔ میرزا محمد یعقوب بیگ صاحب نامی۔ ضیاء الدین احمد خاں صاحب برنی سید وحید الرحمن صاحب عرفانی نے اسکی تائید کی اور اپنی زندگیاں اس خدمت کے لیے پیش کیں۔ اور قرار پایا کہ مشائخ کو جو اس حلقہ میں شریک ہوں۔ رکن خصوصی کا لقب دیا جائے۔ باقی جو لوگ شامل ہوں خواہ وہ کسی رتبہ اور حیثیت کے ہوں خادم خصوصی کے نام سے یاد کیا جائے مشائخ کی تشریح میں یہ طے ہوا کہ جو بزرگ خود صاحب بیعت و ارشاد ہوں یا کسی خانقاہ کے متوسل ہوں یا کسی صاحب سلسلہ کی اولاد ہوں۔ اور لوگ انکی پیرزادگی کی حیثیت قدر کرتے ہوں وہ زمرہ مشائخ میں شامل کیے جائیں گے۔

کام کی ابتدا

خلافِ امید اس جلسہ کی خبر نے بہت جلدی لوگوں میں جنبش پیدا کردی اور موافق و مخالف صداؤں نے گونجنا شروع کیا۔ اتفاق کی بات انہیں ایام میں سلطان المعظم عبد الحمید خاں بادشاہ ترکی کے پیرومرشد حضرت مولانا سید ابو الہدیٰ رفاعی کو نوجوان ترکوں نے محض بدگمانی اور غلط فہمی کے سبب قید کردیا اور انپر ایسی بیدادیاں کرنی شروع کیں جن کو کوئی مسلمان سن بھی نہیں سکتا۔ حلقہ نظام المشائخ کے اراکین و خدام اس خبر سے بہت بے چین ہوئے۔ کیونکہ انکو اپنے ہم مشرب بزرگ کی اذیت اور بے گناہی کی سزا سے بہت افسوس آیا۔ ایک دن ان سب نے جمع ہو کر حضرت سید ابو الہدیٰ کی ہمدردی میں جلسہ کیا جسمیں ہم نے "ایسے ترکوں کو ترک کرو" کے عنوان سے کچھ بیان کیا۔ جب اس جلسہ کی کیفیت اخباروں میں چھپی تو بعض لوگ بہت ناراض ہوئے۔ کیونکہ وہ ترکوں کے خلاف کوئی حق و ناحق بات سننا نہ چاہتے تھے۔ مگر جب انھیں نوجوان ترکوں نے مسلمانوں کے ہر دلعزیز سلطان عبد الحمید کو نہایت بے دردی سے معزول کردیا تو اب ہر مسلمان حلقہ کے اس جلسہ کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ واقعی مشائخ نے از روئے کشف یہ جلسہ کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے جو اندیشے ان نوجوان ترکوں کی نسبت ظاہر کئے تھے وہ سب پورے ہوئے اور نوجوان ترک حقیقت میں ترک کردینے کے قابل ہیں۔

حلقہ کے کام کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اول اغراض و مقاصد چھپوائے گئے اور پھر مشائخ ہند سے خط و کتابت شروع کی گئی۔ لیکن پہلی تحریک سے سخت مایوسی ہوئی کیونکہ جسقدر نامور مشائخ کے نام اغراض کی کاپیاں گئی تھیں ان میں سے صرف جناب سید ابراہیم صاحب سجادہ نشین خانقاہ وارثی دیوہ ضلع بارہ بنکی اور جناب مولانا شاہ غیاث الدین احمد صاحب قادری احمد آباد گجرات نے شرکت کا اقرار تحریر کیا

حوصلہ افزا خط لکھے۔ باقی اور کسی بزرگ نے خط کی رسید بھی نہ بھیجی۔ بعض خدام
حلقہ کا اس عام بے توجہی سے دل ٹوٹنے لگا مگر ان سے کہا گیا کہ ہر کام کی ابتدا میں
دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ دہلی
کے بعض خود حضرات اسکی علانیہ مخالفت کو کھڑے ہوگئے اور خاص ہماری خانقاہ
کے چند ذاتی عناد رکھنے والے پیرزادے اُسکے شریک حال بن گئے۔ اور جس قدر
اُن سے ممکن ہوا حلقہ کا اثر کم ہونے اور اُسکو بدنام و شکستہ بنانے میں کوشش کی۔
چنانچہ کرزن گزٹ سے ایڈیٹر مرزا حیرت جن کو سادات کرام اور مشائخ صوفیہ سے
دلی بغض و کینہ ہے۔ اس جماعت کے پیشوا قرار پائے۔ اور کرزن گزٹ میں حلقہ کی
مخالفت لکھی جانے لگی۔ لیکن خدا کا فضل شامل حال تھا۔ ہمنے کسی مخالفت کی پروا
نہ کی اپنے کام سے کام رکھا چونکہ ملک میں حلقہ کی ضرورت کو تسلیم کر لیا گیا تھا خود
اہل ملک نے اس مخالف پارٹی کا رد کیا۔ اور اہل حلقہ کی ہمت بڑھائی۔ اخبارات نے
بھی اسمیں حصہ لیا جسمیں خاص قابل ذکر رام پور کا اخبار دبدبہ سکندری ہے جو ایک صوفی
کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے۔ اسنے مدلل طریق سے حلقہ کی ضرورت کو ثابت کیا
چونکہ وہ اخبار عموماً کل خانقاہوں میں جاتا ہے۔ لہذا اُسکے اثر سے مشائخین کی توجہ
حلقہ کی طرف بڑھنی شروع ہوئی۔ اور مخالف جماعت دم بخود رہ گئی۔

پہلی اور ضروری کامیابی خدا تعالےٰ نے یہ دکھائی کہ سلسلہ نظامیہ کے نامور
حلقہ بگوش نواب خواجہ غلام نصیر الدین خاں صاحب رئیس اعظم سیخپورہ ضلع میرٹھ
نے اپنے جد بزرگوار نواب انصار جنگ بہادر کی کوٹھی جو چتلی قبر بازار دہلی میں لب سڑک
واقع ہے حلقہ کو بلا کرایہ عنایت فرما دی۔ اور اہل حلقہ نے اپنے حساب کتاب
کے رجسٹر اور کتابیں جو کتب خانہ کے لیے لوگوں نے دی تھیں وہاں رکھکر کوٹھی
کو مستقر گاہ حلقہ نظام المشائخ مقرر کر دیا۔ آٹھویں دن جلسہ کریںگے۔ یہ مکان کی ہمیشہ

بھیجی۔ ہاں ناں کا جواب تک نہ دیا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود اُنکے سلسلہ کے سالار حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین پیرجی سید مظفر علیشاہ صاحب چشتی نقشبندی حلقۂ نظام المشائخ میں شریک ہوئے اور شب و روز خدمتگزاری حلقہ میں مصروف ہیں۔ امید ہے کہ جناب صوفی جماعت علیشاہ صاحب بھی حضرت مجدد صاحبؒ کے پیرومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین کی تقلید منظور فرما کے شریکِ حلقہ ہونگے +

• ربیع الاول کے مہینہ میں حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہوتا ہے ارادہ تھا کہ اس موقع پر وہاں حلقہ کا ایک خاص جلسہ کیا جائے مگر وہ دن میری علالت کے تھے جسکے سبب سے سب حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں۔ لیکن حلقہ کے بعض اراکین و خدام نے حضرت صابر صاحبؒ کے ارشادات کو "صابری فرمان" کے عنوان سے چھپوا کر عرس میں بھجوا دیا۔ اس خدمت کو مولوی مقبول احمد صاحب نظامی نے اپنے ذمہ لیا اور وہ فرمان پیران کلیر شریف میں جاکر تقسیم کیا۔ اس فرمان کے علاوہ مولوی محمد انشاء اللہ خاں صاحب ایڈیٹر اخبار وطن لاہور نے خاص صابری نمبر چھپوا کر ایک ہزار کاپیاں مشائخ میں مفت تقسیم کرائیں۔ یہ خدمت بھی مولوی مقبول احمد صاحب نظامی نے انجام دی +

"صابری فرمان" کا اثر بہت اچھا ہوا اور جو احکام اسمیں درج تھے انپر عملدرآمد شروع کیا گیا۔ مگر افسوس ہے کہ بعض خودغرض صوفیوں نے اسکی مخالفت بھی کی چنانچہ ایک شاہ صاحب جو فرخ نگر کے رہنے والے ہیں اور بڑے صاحب حال صوفی کہلاتے ہیں مولانا محمد حسین صاحب شہید الہ آبادی کی تقلید میں جب اُن کو حال آتا ہے تو شعر کے مطالب بھی سمجھایا کرتے ہیں۔ سنتا ہوں پیہ سال ریاست نابھہ سے اسی حال ہی کی بدولت حاصل کرتے ہیں۔ غرضکہ شرعیت سے [illegible] واقف

انہوں نے مشائخ کے جلسوں میں حلقہ کی بہت مخالفت کی۔ اور حلقہ کے خادم مولوی مقبول احمد صاحب نظامی کو اذیت پہنچانے میں خاص کوشش فرمائی۔ مگر کلیر شریف کے سجادہ نشین جناب شاہ عبدالرحیم صاحب کی عنایت سے انکی سب مخالفت خاک میں مل گئی۔ کیونکہ صاحب سجادہ نے خود یہ فرمان اور اخبار وطن اپنے دست خاص سے تقسیم فرمایا۔ اسی طرح مراد آباد کے جناب صوفی عطا ء اللہ صاحب ۔۔۔ اور ۔۔۔ شریف کے سجادہ نشین شاہ غلام جیلانی صاحب نے اس کارخیر میں خاص حلقہ کی تائید فرمائی۔ خدا تعالیٰ انکی تائید فرمائے۔

۔۔۔ کی کچھ کاپیاں حلقہ کی منزل گاہ میں ۔۔۔ جن صاحب کو ضرورت ہو منگا لیں۔

جن تاریخوں میں کلیر شریف کا عرس ہوتا ہے انہیں ایام میں ۔۔۔ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کا عرس ہوا کرتا ہے۔ اس عرس میں بھی حلقہ کی ۔۔۔ کچھ اصلاحی کارروائیاں ہوئیں۔ اور اس عرس کی برکت یہ ہوئی کہ حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین دیوان سید محمد صاحب نے حلقہ ۔۔۔ اغراض حلقہ کی اعانت و تائید کا وعدہ فرمایا۔

حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مریدین میں ایک بزرگ مولوی محمد شفیع صاحب ہیں جو بڑے خوش بیان واعظ اور اہل دل درویش ہیں۔ انہوں نے ابتدا میں حلقہ کی شرکت قبول فرمائی تھی۔ اور جہاں کہیں اُن کا وعظ ہوتا حلقہ کی طرف لوگوں کی توجہ دلاتے تھے ربیع الثانی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رح کے عرس کے موقع پر بھی انہوں نے خاص دو وعظ محض حلقہ کی تائید میں فرمائے جس سے مشائخ میں عجیب جوش پیدا ہو گیا۔

یہ امر حلقہ کی خاص کامیابی میں شمار ہونے کے قابل ہے کہ لوگوں میں خود بخود اصلاح کا

کا خیال پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ لاہور سے فقیر سید جلال الدین صاحب نظامی کارمختار نے
اپنے ہاں کے ایک عرس کی نسبت حلقہ سے دریافت کیا کہ کس طریق پر عرس کرنا
چاہیئے۔ جواب میں فوراً ان کو ہدایات بھیجی گئیں خوشی کی بات ہے کہ فقیر صاحب نے
تمام ناجائز رسومات کو ترک کر کے حلقہ کے حسب منشا عرس کیا۔ اور اُسکی کیفیت
اخبار وطن میں چھپوا دی۔ نیز حلقہ میں درخواست دی کہ وہ پنجاب میں حلقہ کی خدمتگزاری
کو ہر طرح مستعد ہیں اُنسے کچھ کام لیا جائے۔

• حلقہ کے کتب خانہ کی نسبت آثار نہایت حوصلہ افزا نظر آتے ہیں۔ وہ وقت
دور نہیں جبکہ یہ کتب خانہ تصوف کا لاثانی ذخیرہ سمجھا جائے گا۔ بمبئی کے نامور فاضل
مولوی محمد یوسف صاحب ایم اے کو خدمت کتب خانہ کا خاص خیال ہے اور اُنہوں
نے کچھ کتابیں مرحمت فرمائی ہیں۔ ایسے ہی راجہ نوشاد علیخاں صاحب تعلقدار
جہانگیر آباد نے اعانت فرمائی ہے۔ نواب سید نور الحسن خاں صاحب کا تو اوپر ذکر آ چکا
ہے کہ اُنھوں نے اپنے کتب خانہ کا ایک حصہ دینا منظور کیا ہے۔ ناظرین یہ سنکر
بھی مسرور ہوں گے کہ صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خانصاحب بھی حلقہ
کے خدام میں اپنی خواہش سے شریک ہوئے ہیں اور اپنے کتب خانہ کی کچھ
کتابیں حلقہ کو دینی چاہی ہیں۔ اسیطرح اور کئی حضرات نے کتابیں دی ہیں اور
آیندہ کا وعدہ کیا ہے۔ میرٹھ سے حاجی قمر الدین حسن آفندی نے کچھ قلمی کتابیں
بھیجی ہیں۔ اور گاہ بگاہ حلقہ کے جلسوں میں شرکت کے لیئے دہلی تشریف لاتے ہیں۔

تمام مشائخ اس اطلاع سے مسرور ہوں گے کہ جناب مولانا [illegible] صاحب
[illegible] ولیعہد حضور نظام حیدرآباد دکن نے حلقہ کی تائید کا سچا اور عملی [illegible]
ہے یعنی اخراجات حلقہ کے لیئے دو روپیہ ماہوار مقرر کئے ہیں۔ نیز [illegible]
[illegible] کے [illegible] حیدرآباد میں اور لوگوں کو بھی خدمت حلقہ کے [illegible]

کر گئے۔ مولانا موصوف حیدرآباد کے نامور فاضلوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انکی تصنیفات اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا نمونہ ہیں۔ مولانا نے اپنی تصنیف و تالیف کردہ کتابوں کی ایک ایک جلد حلقہ کو بھی دی ہے۔ مولانا کے بھائی صاحب جناب حکیم مولوی شاہ محمود صمدانی نے بھی حلقہ کیلئے ایک روپیہ ماہوار مقرر کیا ہے۔

میرٹھ کے ایک عالم مولوی محمد فائق صاحب چشتی نظامی نے ایک کتاب وحدت الوجود کے مضمون پر نہایت اعلیٰ درجہ کی لکھی ہے جسکو عزیزم مولوی احسان الحق صاحب ارب لال کرتی میرٹھ نے چھپوایا ہے۔ عزیز موصوف نے اس کتاب کے چند نسخے حلقہ کو بھی دیئے ہیں۔

ہر اتوار کو حلقہ کی منزلگاہ میں جلسہ ہوتا ہے جسمیں حلقہ کے ارکین و خدام جمع ہوتے ہیں اور تصوف کے کسی مسئلہ پر بحث مباحثہ کرکے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس جلسہ کے علاوہ اکثر شام کے وقت بعض انگریزی خواں نوجوان منزلگاہ حلقہ میں آکر باہم تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ ان جلسوں میں شہزادہ مرزا امیر الملک صاحب بھی دلچسپی سے شریک ہوتے ہیں اور جب سے وہ حلقہ کے ممبر بنے ہیں برابر خدمت حلقہ میں مصروف ہیں۔ ابھی حال میں شہزادہ صاحب کا تحریری مناظرہ اغراض حلقہ کے متعلق ایک مشہور بزرگ سے ہوا ہے جس میں شہزادہ صاحب نے نہایت مدلل طور پر شاہ صاحب ممدوح کو حلقہ کی حقیقت سمجھائی ہے +

پنجاب میں آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا نے حلقہ کی خادمی قبول کرکے حلقہ کی دنیاوی خدمات کا ذمہ لیا ہے اور اہل حلقہ نے بھی انکو بحیثیت قائم مقام پنجاب مسلم لیگ کے اپنا معتمد علیہ مقرر کیا ہے۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور کو حلقہ سے دلی محبت ہے۔ وہ علاوہ خادمی حلقہ ہمارے تمام اغراض کے بھی خواہ ہیں۔ اور لوگوں میں نیک تحریک پھیلا رہے ہیں۔ لندن میں حلقہ کا اثر غیر معمولی طور پر پھیل رہا ہے۔ ایک انگریز جو پنشن یافتہ جنرل ہیں اور لندن

میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کے خاص دوست ہیں۔ اغراض حلقہ کے شریک بنے ہیں مگر اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ اسی طرح علیگڈھ کالج کے مشہور طالب علم سید محمود صاحب جو آجکل لندن میں ہیں حلقہ کی اشاعت لندن کے مسلمان طلبہ میں کر رہے ہیں اور کئی بیرسٹروں کو شریک حلقہ بنایا ہے مسٹر حبیب احمد مدت سے لندن میں رہتے ہیں۔ اور اکثر انگریزوں میں اُنکے ذریعہ سے اسلام پھیلا ہے وہ بھی حلقہ میں شریک ہوئے ہیں اور لوگوں کو شرکت کے لیئے آمادہ کر رہے ہیں بمبئی کاٹھیاواڑ و غیرہ کے علاقہ میں غلام نظام الدین پیرجی شاہ نے جو گجراتی اخبار کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ حلقہ کی اشاعت کا گجراتی زبان میں ذمہ لیا ہے۔ اسی طرح پونہ سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ وہ مرہٹی زبان میں حلقہ کے اغراض ترجمہ کر کے شائع کرینگے۔ علیگڈھ میں صمدانی صاحب بہت ہمدرد حلقہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے مضامین کے ذریعہ سے بھی حلقہ کی خدمت کی ہے۔

غلطی سے یہ سمجھا گیا ہے کہ صوفیہ مشائخ عموماً قومی احساس سے بیخبر ہیں اور وقت کی ضرورتوں کا انہیں کچھ لحاظ نہیں۔ مگر تجربہ سے اسکی تردید ہوتی ہے قطع نظر اُن مشہور روشن خیال درویشوں کے جنکو اخبارات کے ذریعہ سے لوگ جانتے ہیں ابھی ایسے سیکڑوں بزرگ ہیں جنکو ضروریات زمانہ کی پوری خبر ہے اور جو ہر مفید تحریک کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں۔ حلقہ کا ذکر اخباروں میں پڑھکر جناب پیر لاشی صاحب سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ دولہ صاحب گجرات (پنجاب) نے خود شرکت حلقہ کی درخواست بھیجی۔ اور ایسے درد بھرے الفاظ میں حلقہ کی ضرورت کو تسلیم کیا جس سے انکا سچا اور پکا اخلاص ظاہر ہوتا تھا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ حلقہ نے پنجاب مسلم لیگ کے قائم مقام آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر لاہور کو دنیاوی حقوق کے تحفظ کے لیئے اپنا معتمد علیہ تسلیم کیا ہے لیکن ارکین و خدام حلقہ کے متفقہ ارشاد کے موافق خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں اس کام کے لیئے ایک خاص باضابطہ جلسہ کیا گیا۔ جسکے صدر

جناب پیر جی سید مظفر علی صاحب سجادہ نشین خانقاہ موصوف تھے۔ اس جلسہ میں بالاتفاق طے ہوا کہ حلقہ آل انڈیا مسلم لیگ (تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ملکی انجمن) کو اپنے ملکی حقوق کے لیئے معتمد علیہ بناتا ہے۔ اور لندن کی شاخ پر بھی کامل اعتماد اور بھروسہ کا اعلان کرتا ہے۔ اسی جلسہ میں اجمیر شریف کے عرس کی نسبت مباحثہ شروع ہوا کہ وہاں ریلوی کمپنی کے باعث بعض زائرین کو بڑی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ گورنمنٹ سے درخواست کیجائے کہ وہ ریلوے کمپنی کو فہمایش کر کے ان تکلیف کا انسداد کرائے۔ شاہ کلیمی صاحب او شہزادہ میر الملک صاحب نے اس مباحثہ میں بڑا حصہ لیا۔ اور آخر قرار پایا کہ ریلوے کمپنیوں سے خط و کتابت کیجائے۔ اور گورنمنٹ کو بھی لکھا جائے۔ دوران مباحثہ میں کوئی شخص خبر لایا کہ حضرت دیوان سید غیاث الدین چشتی سجادہ نشین آستانہ اجمیر شریف نے انتقال فرمایا۔ چونکہ اس خبر پر کامل وثوق نہ تھا سرسری طور پر اظہار تاسف کر کے فاتحہ خوانی کر دیگئی۔ مگر دوسرے دن جب اجمیر شریف سے صحیح خبریں اس حادثہ کی موصول ہوئیں تو دہلی میں ایک عظیم الشان جلسہ تعزیت کا انتظام کیا گیا۔ حلقہ کی منزلگاہ میں بڑے بڑے نامور مشائخ جمع ہوئے جس میں نقشبندی چشتی۔ قادری نظامی صابری کل سلسلوں کے بزرگ تھے۔ ایسا شاندار جلسہ آج تک حلقہ کی منزلگاہ میں نہ ہوا تھا۔ اسمیں وہ مشائخ بھی تشریف لائے تھے جو اس سے پہلے بھی کسی جلسہ میں شریک نہیں ہوئے۔ اور جن کو حلقہ سے کچھ دلچسپی نہیں ہے اس جلسہ کے صدر جناب پیر جی میاں عبد الصمد صاحب چشتی نظامی فخری تھے۔ بعد ہ فاتحہ خوانی و اظہار تاسف کے تجویز ہوئی۔ کہ حلقہ کی رائے میں اب سجادہ نشینی کا استحقاق اپنی اہلیت اور قابلیت کے سبب جناب مولوی سید امام الدین صاحب چشتی کو ہے۔ اس تجویز کو تمام اہل حلقہ نے منظور کیا۔ اور خواہش کی کہ اس منظوری کی اطلاع گورنمنٹ کو بھی دے دینی چاہیئے۔ کیونکہ اجمیر شریف کے آستانہ میں انتظامی

حیثیت سے گورنمنٹ کو بھی دخل ہے۔ چنانچہ جلسہ کے حسب منشا اسکی اطلاع گورنمنٹ کو بھیجدی گئی۔ خوشی کی بات ہے کہ حلقہ کی تجویز کے مطابق جناب مولوی سید امام الدین صاحب چشتی سجادہ نشینی کے لیے منتخب ہوے۔ مقامی عمائدین اور گورنمنٹ نے بھی انہیں کو منظور کیا۔ یہ تقرر خدا تعالی کی نعمتوں میں سے ایک ایسی نعمت ہے جسکا ہمکو بڑے فخر سے ذکر کرنا چاہیئے۔ مولوی صاحب موصوف جامع کمالات بزرگ ہیں۔ علاوہ اسکے کہ وہ برسوں ڈپٹی کلکٹری کے عہدے پر ممتاز رہے اور انگریزی میں خاص قابلیت رکھتے ہیں اجمیر کے حکام میں انکی قدر و منزلت بہت ہے۔ یہ خوبی سب پر فائق ہے کہ وہ بڑے عابد زاہد بزرگ ہیں اور اپنے جد امجد سلطان الہند خواجہ غریب نواز کی مسند کے ہر طرح مستحق ہیں۔ دینی لغت کا اندازہ اسی امر سے ہوسکتا ہے کہ آپنے سجادگی پر جلوہ افروز ہوتے ہی حلقۂ نظام المشائخ کی شرکت کی درخواست بھیجدی۔ مجکو اور تمام ارکین و خدام حلقہ کو ایسے برگزیدہ و فہمیدہ بزرگ کی شرکت سے جسقدر مسرت ہوئی ہے اب وہ زمانہ سامنے آرہا ہے کہ مشائخ ہندوستان کی حالت بالکل سنور جائیگی اور وہ سب ایک مرکز پر جمع ہوکر اسلامی خدمات میں معروف ہوں گے۔ دیوان سید امام الدین صاحب خدا کی طرف سے ایک نشانی ہیں اس امر کی کہ اب حلقۂ نظام المشائخ اپنے اغراض و مقاصد پر آسانی سے عملدرآمد کرے گا اور برکات الہی اسکے شامل حال ہوں گی +

اس جلسۂ تعزیت میں حلقہ کے فدائی مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب نامی نے ایک مرثیہ پڑھا تھا جو انہیں اوراق میں ہدیۂ ناظرین کیا گیا ہے۔ نیز مسٹر عبد الرحیم صاحب بی اے علیگڈھ کالج نے صبر پر لکچر دیا تھا اُسکا خلاصہ بھی سلسلۂ مضامین میں درج کر دیا ہے مسٹر عبد الرحیم صاحب کی کیفیت سننے کے قابل ہے۔ یہ ضلع مظفر گڈھ پنجاب کے باشندے ہیں علیگڈھ کالج میں ۱۰ برس رہکے جب بی اے پاس کیا تھا۔ اب اکسٹرا اسسٹنٹ

کمشنری میں نامزد ہو چکے تھے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جذبہ درویشی پیدا ہوا اور
اِس شوق میں کہ فقیری حاصل کرنی چاہیئے۔ گھربار ترک کرکے میرے پاس دہلی میں چلے
آئے۔ چونکہ اُنکے ذمہ گھر کے کچھ فرائض نہیں ہیں اور گھر والے اپنی معاش میں اُن کے
حاجتمند نہیں ہیں۔ اِس لیئے میں نے اُنکو خانقاہ میں ٹھیرا لیا۔ اب یہ ایک حجرہ میں رہتے
ہیں اور اشغال و اذکار میں مصروف ہیں۔ عنقریب اُنکو اجمیر شریف بھیجدیا جائے گا
جہاں یہ اپنے سلوک کو مکمل کرینگے۔

ایک دفعہ میں نے کسی اخبار میں لکھا تھا کہ وقت یہ آیا ہے کہ ہر مسلمان گھر
سے جسمیں چار آدمی ہیں ایک آدمی دینی خدمت کیلیئے کمر باندھ کر نکل آئے اور
اپنے وجود کو اِس طرح قربان کردے جس طرح آریوں اور عیسائیوں میں لوگ بڑی بڑی
تنخواہوں کو چھوڑ کر دین پر فدا ہو جاتے ہیں۔ اِس صدا میں خدا تعالیٰ نے یہ اثر
پیدا کیا کہ کئی گریجوئٹ مسلمانوں نے اپنی زندگی وقف کرنیکا ارادہ کر لیا ہے۔ مگر
آفرین ہے قصبہ نہٹور ضلع بجنور کی ایک سیدزادی پر جسنے اپنا سولہ برس کا
بچہ دین پر نثار کرکے میرے پاس بھیجدیا۔ یہ بچہ انگریزی مڈل پاس ہے۔ اب میں نے
اسکی عربی تعلیم کا انتظام بھی کیا ہے اور انگریزی کا بھی۔ امید ہے کہ یہ خدائی نذر
مقبول ہوگی۔ اور اسکی ذات مسلمانوں کو اور خود اسکے وجود کو مفید ثابت ہوگی۔

قبل اسکے کہ تحریر ختم ہو میں حلقہ کی آمدنی و خرچ کا مجمل ذکر کرنا چاہتا ہوں
تفصیل رجسٹروں میں درج ہے ہر شخص اسکے دیکھنے اور جانچنے کا مجاز ہے۔

فہرست مشائخ۔ اب تک چالیس مشائخ شریک حلقہ ہو چکے ہیں جنہوں نے کامل
غور و خوض کے بعد ممبری قبول فرمائی ہے اور جنمیں بعض تو ایسے ہیں کہ ایک ایک بزرگ
لاکھوں آدمیوں کی جماعت کا پیشوا ہے گو یہ تعداد نہایت قلیل ہے مگر تھوڑے سے
عرصہ اور محدود کوشش میں یہ بھی غنیمت تصور کرنیکے قابل ہے۔

فہرست خدام - خدام کی فہرست خدا کے فضل سے بہت بڑھ رہی ہے تین سو کے قریب باضابطہ ممبر ہو چکے ہیں جنمیں آٹھ ایم اے پاس ہیں۔ اور چالیس بی اے سو کے قریب ایف اے اور اس سے کم درجہ کے انگریزی پڑھنے والے ہیں ٭

آمدنی - چونکہ ممبروں پر کسی قسم کی فیس نہیں رکھی گئی۔ اور نہ آجتک اُنسے اعانت کا مطالبہ کیا گیا۔ اسلیئے آمدنی بہت کم ہوئی جن حضرات سنے خود نذر پیش کی اُنکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :- جناب مولوی محمد انوار اللہ صاحب استاد ولیعہد حضور نظام دکن نے عہ روپیہ ماہوار مقرر کرکے اجازت دیدی تھی کہ ہر ماہ حلقہ کی رپورٹ بذریعہ وی پی بھیجکر یہ رقم منگالی جایا کرے۔ مگر اسوقت تک صرف ایک ہی مہینہ وصول کیا گیا کیونکہ اسکے بعد حلقہ کی کوئی کیفیت نہیں چھپی تھی اسلیئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ خواہ مخواہ انسے طلب کیا جائے ایسے ہی مولانا کے بھائی جناب شاہ محمود صمدانی صاحب کا بھی صرف ایک ماہ کا ایک روپیہ وصول ہوا لیکن اِن حضرات کی اجازت ہو تو اب کل بقایا طلب کر لیجائیگی - الغرض تین روپیہ کی آمدنی یہ ہوئی اور پانچ روپیہ وزیر احمد خانصاحب تھانہ دار ڈگ جھالاوار نے عنایت فرمائے اور ایک روپیہ آٹھ آنہ ادائے سنت حلقہ کے کارکن واحدی صاحب نے دیئے سولہ روپیہ کا لحروف حسن نظامی نے پیش کیے۔ ایک روپیہ بابو نذیر حسین صاحب اور سیر شاہ آباد نے دیا اسطرح کل ۲۸ کی آمدنی ہوئی

خرچ - کل خرچ آجتک ۲۷ کا ہوا جسکی تفصیل یہ ہے۔ خرچ چھپائی فرمان ۵ عہ کرایہ مولوی مقبول احمد صاحب نظامی جو تقسیم فرمان کے لیئے کلیر شریف گئے تھے تین روپیہ سائن بورڈ یعنی تختہ نشان حلقہ کی تیاری میں عہ صرف ہوئے لکھائی مفت جو محمد الدین تشنو رسنے کی ملے خط و کتابت و رجسٹروں میں خرچ ہوئے۔ آجتک ایکسو اٹھارہ ۱۱۹ لفافے لکھے گئے چالیس پوسٹکارڈ۔ بارہ پیکٹ روانہ کیئے گئے۔ اس حساب سے عہ آمدنی سے زیادہ خرچ ہوئے۔

آخر میں حلقہ کی خادمہ فاطمۃ الکبرٰے صاحبہ بنت منشی محمد الدین خوشنویس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے وقتاً فوقتاً حلقہ کی خدمتگزاری کی ... خوشنودی ...

نظام المشائخ

ایڈیٹر حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی ... سلطان المشائخ محبوب الٰہی

نائب مدیر ... سید محمد ارتضےٰ واحدی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام المشائخ

تیری بستی بنی رہے بابا

نقشبندیہ سلسلہ کی مشہور خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین جناب پیرجی سید مظفر علیشاہ صاحب چشتی نقشبندی نے دہلی کے قریب قصبہ فریدآباد میں صبح کے وقت کسی گداگر کو صدا لگاتے سنا تھا۔ اِسکے بعد دہلی میں ایک دوسرے بھکاری کو سنا جو "تیری ڈیوڑھی بنی رہے بابا" پکارتا تھا۔ اِن الفاظ کے تیور سے پیرجی صاحب نے ایک خاص نتیجہ نکالا ہے اور بعد اِسکے اپنے تصوفانہ رنگ کو جس اثردار پیرایہ سے بیان کیا ہے وہ ناظرین خود ملاحظہ فرمالیں گے اور سید صاحب کے کمال کا اعتراف کرینگے ۔

مدنیت اور بدویت یا یوں کہیئے شہری زندگی اور دیہاتی زندگی اِن دونوں میں کچھ تفاوت اور باہمی امتیاز ہے یا نہیں؟ اِس سوال پر اکثر طبائع نے توجہ کی ہوگی۔ بعض لوگ کہتے ہیں گاؤں میں رہنا انسان کو بے تہذیب اور گنوار بنا دیتا ہے۔ شہری تمیزداری جو انسانی ہستی کا مقصود ہے اِس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ اِس کے علاوہ گاؤں کے

باشندے خدا کی بخشی ہوئی اُن تمام نعمتوں اور راحتوں سے محروم رہتے ہیں جو شہر والوں کو میسر ہیں۔ پھر ایسا جینا کیا خاک جینا ہے جس میں کچھ مزا نہ آئے۔ یوں ہی جنگل کی گھاس کی طرح دیہاتی جھونپڑوں میں پیدا ہو کر کچھ دن ہوا کھانا اور مر جانا اس سے کیا فائدہ +

دوسرا فریق کہتا ہے۔ شہروں میں غل شور ہے جو روح کو جسم کو اور تمام اُن اعضاء کو جن کا تعلق تفریح سے ہے مضطرب و بے چین رکھتا ہے۔ دیہات کا سکوت و سکون شہر کے ہزاروں عیش و آرام پر فوقیت رکھتا ہے۔ خدا نے گاؤں والوں کے لئے بھی صاف ہوا۔ صاف پانی۔ صاف زمین عنایت کی ہے۔ شہر والے اس سے محروم ہیں ان مادّی اسباب کے علاوہ روحانی طریق سے دیکھا جائے تو شہر کی نسبت گاؤں میں نیک اعمال آدمی زیادہ ملیں گے۔ نہ شہریوں کی طرح مکر و فریب کی جانبازیوں کے مشتاق ہونگے اور نہ اُن شرمناک جھگڑوں سے آشنا ہوں گے جو اہل شہر کی زندگی کا لازمی جزو بنتے جاتے ہیں +

شہروں میں ہزاروں لاکھوں روپے کے چندہ سے کلب انجمنیں سبھائیں قائم ہوتی ہیں اور باہمی اتحاد و اتفاق قائم کرنیکے دعوے کرتی ہیں۔ مگر نتیجہ بہت کم نکلتا ہے اسکے برخلاف دیہات میں بغیر ان مصنوعی اور تکلفاتی کوششوں کے قدرتی طور پر ہر مذہب اور ہر قوم کے آدمیوں میں خاص محبت اور یگانگت ہوتی ہے۔ اگر کسی گاؤں کے خاکروب کی لڑکی دوسرے گاؤں میں بیاہی جاوے تو پہلے گاؤں کا لکھپتی مہاجن برسبیل تذکرہ کہیگا کہ ہمارے ہاں کی بیٹی وہاں گئی ہے۔ یہ قول ہی نہیں بلکہ اگر اس مہاجن کا لڑکی کے سسرال کے گاؤں میں جانا ہو جائے تو وہ وہاں کا پانی نہیں پئے گا کیونکہ اسکے لیے گاؤں کی لڑکی کے سسرال میں کچھ نے پینے سے عار آئیگی۔ الغرض اس قسم کی صدہا مثالیں بدویت کو مدنیت پر فوقیت دیتی ہیں +

فرید آباد دہلی سے قریب شریف مسلمانوں کی مشہور بستی ہے۔ وہاں میں نے ایک دن صبح کے وقت کسی پیشہ ور فقیر کو یہ صدا لگاتے سنا۔

تیری بستی بنی رہے بابا

اول تو مجھ پر اسکے لفظی لطف نے اثر ڈالا۔ اور دیر تک میں اس سادہ اور پُر فقرہ کا مزا لیتا رہا۔ اسکے بعد کچھ اَور باتیں ذہن میں آئیں جو قبل تحریر آنے کے ناکارہ ہیں۔ لیکن دو تین ہفتے کے بعد ایک دن دوسرے فقیر کی صدا سُنی۔

تیری ڈیوڑھی بنی رہے بابا

ظاہر میں بستی اور ڈیوڑھی کا تغیر تھا۔ مگر حقیقت میں یہ تفاوت بدویت اور مدنیت کے جذبات کا آئینہ تھا دیہاتی فقیر ساری بستی کی آبادی چاہتا تھا اور شہری بھکاری صرف ایک گھر کی خیر مناتا تھا۔ اسی سے شہروں کے اتحاد و اتفاق کے نعروں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اسکے متعلق انشاءاللہ آیندہ وضاحت سے لکھا جائے گا۔ کیونکہ اتحاد میں مخلصانہ سعی کی ضرورت ہے جس میں تکلفات کو مطلق دخل نہو۔ اور یہ باتیں دیہاتی باشندوں میں پائی جاتی ہیں۔ دیہاتی گدا کی صدا میں ایک ایسی سادہ اور مؤثر کیفیت تھی جسکو لفظوں میں ادا کرنا مشکل ہے۔

جو آواز فقیر کے سینہ سے کھنچکر زبان پر آتی اور لفظوں کا لباس پہنکر فضا میں لہراتی در و دیوار سے ٹکراتی ہوئی انسان و حیوان کے کان میں پہنچتی تھی۔ اسکا علم خود اس بولنے والے کو بھی نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی اور اسنے دوسروں پر کیا اثر ڈالا۔ اور وہ بستی جس کی آبادی کی دعا دے رہا ہوں کونسی ہے۔ کیا یہی اونچے نیچے مکانات بستی ہیں یا ان کے رہنے والے۔ اگر وہ اسپر غور کرتا تو سمجھ جاتا اور سمجھ جاتا تو چُپ ہو جاتا۔ کیونکہ عرفان کے بعد سکوت لازمی ہے۔ جس بستی کی آبادی اُسکا وجود واحد میدان کثرت میں علیحدہ علیحدہ چاہتا پھرتا تھا اس کا بسنا اور اُجڑنا فریاد اور صدائے درد انگیز سے ناممکن ہے۔ نتیجہ

ٹوٹنے سے جُڑتا ہے

جبتک کثرت کا شہر برباد نہو۔ وحدت کی بستی آباد نہیں ہوسکتی۔ پھولوں کی ڈالی پھولوں کے ٹوٹ جانیکے بعد بے خوشبو رہجاتی ہے۔ مگر ٹوٹنے کے بعد پھول جس مقام پر رکھے جاتے ہیں اُسکو معطر کر دیتے ہیں۔ گو وہاں سے انکو منتقل کر دیا جائے مہک منتقل نہیں ہوتی۔ ٹہنی سے ٹوٹنے کے بعد یہ تاثیر پیدا ہوئی [illegible] میں بھی مہک باقی رہتی ہے۔

وجود انسان ایسی عظیم الشان بستی ہے جسکا مقابلہ تمام عالم کی بستی بھی نہیں کر سکتی گو انسان کو چھوٹا عالم کہا گیا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ صغیر و کبیر کا امتیاز بیکار ہے انسان ہی عالم اصغر ہے اور یہی عالم اکبر۔ وہی ادنیٰ وہی اعلیٰ۔ اسکی آبادی سے سب آباد وہ برباد ہوجائے تو سب برباد۔

سائل پیٹ بھرنے کیلئے صدا لگاتا تھا اور اپنے پیٹ کی بستی کو آباد کرنا اسکا مقصود تھا۔ اسلئے وہ تیری بستی کی خیر منا کر اپنی بستی بساتا تھا۔ مگر غیر کی [illegible] اپنی بستی کبھی آباد نہیں ہوسکتی۔ فقط اپنی ہی خیر منانی چاہیئے۔ "[illegible]"

— سید [illegible] علی [illegible]

اظہار تفاخر سے کبھی خیر نہیں ہوتی۔ اپنے دوستوں کو تکلیف [illegible] کرکے کچھ دو۔ نہ یہ کہ مجبور کرکے کچھ لو۔ دوستی و دشمنی دونوں میں اعتدال [illegible] کہ دوست دشمن نبجائے اور دشمن دوست ہوجائے اُسوقت یہ اعتدال [illegible] ہر وقت اسپر یقین رکھو کہ موت سے کہیں پناہ نہیں ہے۔ وہ شخص سب سے زیادہ [illegible] جو مصیبت پر صبر نہ کرسکے۔ حیلہ یا فریب عقل کے دشمنوں میں سے ایک [illegible] کی پیروی کرو جسکی پیروی کرنا تمہارے لیے باعث فخر ہو۔

حکیم [illegible] یونانی

خضر حضرت کا نام نہیں ہے بلکہ عرف ہے جو بحدیث صحیحہ صرف اس لیے ہے کہ یا حضرت
جس کسی بنجر زمین یا خشک گھاس پر بیٹھ جاتے تھے وہ ہری بھری ہو جاتی تھی۔ نام و نسب
میں آپ کے بڑا اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ کا نام عامر ہے کوئی کہتا ہے تمر ہے
کوئی آپ کو حضرت آدم کا بیٹا کہتا ہے کوئی قابیل بن آدم کا۔ کسی نے کہا آپ
فرعون کے ہمراہی۔ مگر اکثر کا اتفاق اسپر ہے کہ آپ کا نام بلیا ہے اور اوپر شجرہ
آپ کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے (امام محی السنہ بغوی کی تحقیق میں
بلیا کے بدلے بلیان ہے) +

اسیطرح بہت سے لوگ اس قول کے قائل ہیں ہو امام جلال الدین سیوطی نے
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرکے اپنی کتاب جامع الصغیر میں لکھا ہے
یعنی حضرت خضر کا نام الیاس تھا۔ وہ الیاس نہیں جو اس نام سے مشہور ہیں بلکہ الیاس
معروف بہ خضر +

صاحب حیوٰۃ الحیوان نے سہیلی سے ایک دلچسپ روایت لکھی ہے کہ خضر اصل میں
ایک بادشاہ کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ کو نہ معلوم کس وجہ سے محلات چھوڑنے پڑے
اور آپ ایک غار میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ خدا جانے وہاں رہیں یا بچے کو چھوڑ
چھاڑ کہیں چلی گئیں۔ مگر لکھا اسطرح ہے کہ قریب کے گاؤں میں سے ایک بکری اس غار میں آکر
آپ کو دودھ پلا جایا کرتی تھی۔ ایک دن اس بکری کے مالک کو یہ حال معلوم ہوا اور وہ حضرت
خضر کو اپنے ہاں لے آیا۔ یہاں تک کہ آپ بچہ سے جوان ہوگئے +
کہیں بادشاہ کو حضرات ابراہیم اور شیث علیہم السلام کے صحیفے لکھوانے کی ضرورت پیش آئی

تمام علماء و فضلا کو جمع کرکے اس کام کے لیے جانچا۔ حضرت خضر منتخب ہوئے۔ بادشاہ انکی اہلیت اور لیاقت کو دیکھکر بہت محظوظ ہوا۔ اور اُن سے انکا نسب دریافت کرنے لگا۔ عند التحقیق معلوم ہوا کہ آپ اسی کے فرزند ہیں۔ اُسنے آپ کو اپنا جانشین بنا دیا۔ مگر آپ کچھ دن بعد وہاں سے چل دیئے۔ اور سیر و سیاحت میں مشغول ہوگئے اسی اثناء میں آپ کو آب حیات ملا جسے پیکر آپنے ہمیشہ کی زندگی حاصل کی۔ آخری زمانہ میں دجال آپ کو شہید کریگا مگر پھر بحکم قادر مطلق زندہ ہو جائینگے ۔

ابتلاء الاحیاء میں ایک دوسری حکایت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سکندر ذوالقرنین کے خالہ زاد بھائی اور وزیر تھے ۔

آپ کی نبوت اور رسالت

حضرت خضر علیہ السلام کے حالات کچھ ایسے گو مگو اور ضعیف و صحیح رواتیوں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں کہ انکی کسی بات پر قطعی فیصلہ دیدینا ذرا مشکل ہے نام و نسب کی حالت تو ناظرین نے ملاحظہ کی۔ اب نبوت کے متعلق سنیئے۔ اسمیں بھی طرح طرح کے اختلافات پائے جاتے ہیں کوئی نبوت کا قائل ہے کوئی ولایت کا کوئی فرشتہ ہی کہے دیتا ہے ملا علی قاری۔ ابو اسحٰق ثعلبی۔ اور امام نووی آپ کو نبی مانتے ہیں اور جمہور علما کا اتفاق بھی اسی پر ہے ۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کے قصے میں آپ کی زبانی فرماتا ہے وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي (یعنی میں نے اپنی رائے سے یہ کام نہیں کیا) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ پر وحی آتی تھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے علم کا دعوے کیا تو حق تعالیٰ نے اُنسے فرمایا کہ ہمارا بندہ خضر اسکا مدعی ہوسکتا ہے اس سے آپکے نبی ہونیکا پتہ ملتا ہے۔ کیونکہ ولی کا علم نبی کے علم سے بڑھکر نہیں ہوسکتا ۔

اب علما کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آیا خضر علیہ السلام نبی تھے یا رسول؟ ابن حجر

عسقلانی رح حضرت ابن عباس رض اور وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نبی غیر مرسل تھے۔ اسمٰعیل ابن زیاد اور ابن جوزی وغیرہ مرسل کہتے ہیں۔ مگر زیادہ لوگ آپ کو نبی ہی کہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے بھی شرح مشکوٰۃ میں آپ کو نبی ہی لکھا ہے +

حیات جاوید

سکندر ذوالقرنین کی رفیائیل فرشتے سے دوستی تھی۔ وہ اکثر آپکے پاس آیا کرتا تھا ایک دن آپس میں باتیں ہورہی تھیں کہ ذی القرنین نے اس سے دریافت کیا کہ تم لوگ آسمانوں پر کس طرح عبادت کرتے ہو۔ اس نے کہا ہماری عبادت کے مقابلے میں تمہاری عبادت ہیچ ہے۔ ہم میں سے بعض ایسے فرشتے ہیں جو قیام میں ہیں اور کبھی بیٹھتے ہی نہیں۔ اور بعض سجدے میں ہیں کبھی سر نہیں اٹھاتے۔ بعضے رکوع میں ہیں اور عمر اسی حالت میں گزر گئی اور اسپر انکی زبان سے یہی نکلتا ہے ربنا ما عبدناک حق عبادتک۔ یعنی اے پروردگار تیری عبادت جیسی کہ کرنی چاہیئے تھی ویسی ہم سے نہ ہو سکی حضرت ذی القرنین یہ سنکر روئے اور اس فرشتے سے پوچھنے لگے کہ کوئی ایسی بھی ترکیب ہے کہ میری عمر زیادہ ہوجائے اور میں خدا تعالیٰ کی عبادت کما حقہ بجا لاؤں۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ پیدا کیا ہے جسکا نام عین الحیاۃ ہے اسکے پانی کی یہ خاصیت ہے کہ ایک گھونٹ پینے سے دائمی زندگی ملسکتی ہے۔ ذی القرنین نے اس سے اسکا پتہ دریافت کیا۔ اسنے کہا کہ اسکی مجھے بھی خبر نہیں۔ ہاں ہمارا ذکر ہوا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایک ایسی تاریک جگہ پیدا کی ہے جہاں کبھی کا گزر نہیں شاید وہ چشمہ اسی ظلمت میں ہے۔ سکندر نے تمام علما کو جمع کیا اور پوچھا کہ کوئی عین الحیاۃ سے واقف ہو۔ سب نے انکار کیا۔ پھر ذی القرنین نے سوال کیا۔ تمہارے دیکھنے میں کہیں ظلمات بھی ہے۔ ایک عالم نے کہا کہ میں نے وصیت آدم علیہ السلام میں اسکا

ذکر پڑھا ہے۔ وہ قرن شمس کے نزدیک ہے۔ یہ سنتے ہی ذی القرنین نے سفر کی تیاری کی اور لشکر عظیم کے ساتھ اُدھر کی طرف روانہ ہوئے۔ کئی سال کی مسافت کے بعد اس مقام کے قریب پہنچے۔ تاریکی وہاں کی عجیب تھی۔ ایک دُھواں تھا کہ گھٹا ہوا تھا۔ نہ آتا معلوم ہوتا تھا نہ جاتا۔ ذی القرنین نے سب کو جمع کرکے اندر جانے کی بابت مشورہ لیا۔ سب نے خلاف رائے دی۔ آپ نے چھ ہزار آدمیوں کو اپنی ہمراہی کے لیئے منتخب کیا۔ اور دو ہزار جوانوں پر حضرت خضر ع کو افسر کرکے آگے روانہ کیا۔ اگرچہ سکندر نے اپنے مطلب کو سب سے پوشیدہ رکھا تھا مگر خضر ع جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے علم باطن کے مالک تھے۔ سب سمجھ گئے اور ظلمات میں روانہ ہوئے۔ راہ میں آپ کو ایک صحرا نظر آیا۔ آپ نے خیال کیا کہ یہیں چشمۂ حیوان ہے آپ نے اپنے ساتھیوں کو صحرا کے کنارے ٹھیرا دیا۔ اور آپ آگے روانہ ہوئے اور خاص چشمے پر پہنچ گئے۔ اُسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھا آپ نے لباس اُتار کر اُسمیں غسل اور وضو کیا۔ اور کپڑے پہنکر واپس ہوئے۔ ذو القرنین علیہ السلام کو وہ چشمہ نہ ملا۔ اور اُنہیں ناامید ہونا پڑا۔ اُسوقت سے حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور جسطرح آسمان پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ادریسؑ ہیں اسیطرح زمین پر یہ حضرت الیاس علیہ السلام کے زندگی بسر کرتے ہیں۔ دریاؤں اور سمندروں کے کنارے پر رہتے ہیں۔ اور شام کے وقت ایک روایت کے موافق روزانہ الیاس علیہ السلام سے سد سکندری کے قریب ملتے ہیں۔ اور بقول حضرت خواجہ حسن بصری رض ہر سال +

آپ کے حیات جاوید حاصل کرنیکے متعلق وہ لوگ جو آپ کو حضرت آدم ع یا قابیل کا بیٹا بتاتے ہیں۔ ایک اور روایت بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب حضرت آدم کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ اہل رض پر عذاب بھیجنے والا ہے۔ اسلیئے تم میری نعش اپنے ساتھ رکھو۔ جب طوفان نوح آیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا کی تھی

کہ جو کوئی پیرے جب کو دفن کرے وہ قیامت تک زندہ ہے۔ یہ کام حضرت خضرؑ سے عمل میں آیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دائمی زندگی عنایت فرمائی۔ مگر یہ روایت زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے +

نام و نسب کی بابت جو کچھ معلوم ہو سکا لکھا گیا۔ حیات سے متعلق بھی جو کچھ تھا پیش کر دیا۔ ممات پر بھی کچھ لکھنا چاہیے تھا۔ مگر میں قصداً اس سے نظر انداز کرتا ہوں کیونکہ ایسی بحثوں سے اول تو کچھ حاصل نہیں۔ دوسرے ایک الجھن سی پیدا ہوتی ہے۔ تیسرے ممات کے ماننے والے برائے نام ہیں۔ حیات پر جہان کا اتفاق ہے۔ ہاں اب حضرت

خضرؑ کے دیگر حالات

سنیئے۔ سب سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصہ جس کی طرف شروع میں اشارہ کیا گیا ہے جو دلچسپ ہونیکے علاوہ نہایت نتیجہ خیز اور سبق آموز ہے بیان کیا جائے

موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ بنی اسرائیل کے سامنے خطبہ پڑھ رہے تھے حاضرین میں سے کسی نے آپ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے حضرت موسیٰؑ نے فرمایا "میں" حضرت موسیٰؑ کی اس ہمہ ہمی کے فقرہ پر خدا تعالیٰ نے لئے بذریعہ وحی ارشاد فرمایا کہ تم سے زیادہ علم رکھنے والا میرا ایک اور بندہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے اللہ میں اس سے کیونکر مل سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ اپنی زنبیل میں ایک تلی ہوئی مچھلی رکھکر اسکی تلاش میں روانہ ہو جاؤ۔ جہاں وہ مچھلی غائب ہو جائے وہیں وہ شخص تم سے ملے گا۔ آپ اپنے خادم یوشع بن نون علیہ السلام کو ہمراہ لے کر چلے۔ چلا چل چلا چل ایک پتھر کے قریب پہنچے۔ اور وہاں منزل کی۔ موسیٰ علیہ السلام اس پتھر پر سر رکھکر سو گئے اور وہ مچھلی تڑپ کر نکلی۔ اور سرنگ بناکر دریا میں گھس گئی۔ یوشعؑ نے یہ ساری کیفیت دیکھی مگر انہیں بھی حضرت موسیٰؑ سے کہنا یاد نہ رہا۔ یہانتک کہ سفر کرتے کرتے انہوں نے ایکدن

اور ایک رات کا فاصلہ وہاں سے طے کر لیا۔ اتفاق سے حضرت موسیٰؑ کو بھوک لگی۔ اُسوقت حال کھلا۔ پھر لوٹے۔ اور بڑی دقت سے اُس مقام تک پہنچے۔ دیکھا کہ اُسی پتھر پر حضرت خضرؑ ایک کپڑا اوڑھے بیٹھے ہیں۔ المختصر دونوں کی ملاقات ہوئی۔

حضرت موسیٰؑ۔ "میں اِس غرض سے آپکے پاس آیا ہوں کہ خدا کے دیئے ہوئے علم اور ہدایت میں سے مجھے بھی کچھ دو"۔

حضرت خضرؑ۔ "اے موسیٰؑ! جو علم مجھے عنایت کیا گیا ہے وہ تم نہیں سیکھ سکتے۔ اور جو علم تمکو دیا گیا ہے اُسے میں نہیں سیکھ سکتا"۔

حضرت موسیٰؑ۔ "کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں"۔

حضرت خضرؑ۔ "ہاں۔ مگر میری تمہاری نبھنے کی نہیں۔ تم میرے افعال پر معترض ہوگے"۔

حضرت موسیٰؑ۔ "نہیں۔ میں آپکے کسی فعل پر اعتراض نہیں کروں گا"۔

حضرت خضرؑ۔ "اچھا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو میری جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اُسے اُسوقت تک نہ دریافت کرنا جب تک میں خود تمہیں اُسے نہ بتاؤں"۔

حضرت موسیٰؑ۔ "بہتر ہے"۔

اِس گفتگو کے بعد دونوں ساتھ چلے۔ سامنے سے ایک کشتی آتی معلوم ہوئی جب قریب پہنچی تو حضرت خضرؑ نے اشارہ کیا کہ ہمیں بٹھالو۔ کشتی والوں نے انہیں مفت کشتی میں بٹھالیا۔ تھوڑی دور بیٹھے تھے کہ حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا بھائی خضرؑ یہ تم نے کیا کیا؟ ان لوگوں نے تمہیں بلا اجرت اپنی کشتی پر بٹھالیا تم انکی کشتی کے ڈبونے کا سامان کرتے ہو۔

حضرت خضرؑ نے کہا دیکھو! میں تم سے کہتا تھا کہ صبر تم سے نہ ہو سکے گا۔ اور مجھ پر اعتراض کرنے لگے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ میں بھول گیا میرے اِس قصور کو معاف کرو۔ اور مجھ سے مواخذہ نہ کرو۔ میں آیندہ سے خیال رکھوں گا۔

تیسری بات رفع دفع ہو گئی۔ دریا سے نکلکر دونوں ایک گاؤں میں پہنچے۔ کچھ لڑکے ملکر کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر نے اُنہیں سے ایک لڑکے کو پکڑ کر ذبح کر ڈالا۔ حضرت موسیٰ نے پھر نکتہ چینی کی۔ حضرت علیہ السلام نے کہا کہ بس اب آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ موسیٰ نے پھر معافی مانگی۔ اور کہا کہ اگر اب کے میں نے کوئی غلطی کی تو بیشک آپ مجھے علیحدہ کر دیجئے گا۔

اِسکے بعد دونوں ایک اَور گاؤں میں پہنچے۔ وہاں کسی نے نہ اُنہیں کھانا دیا اور نہ کچھ مدارات کی۔ آخر یہ مجبور ہو کر چلنے لگے۔ رستے میں ایک دیوار تھی جسکے گر جانے کا اندیشہ تھا۔ حضرت خضر نے اُسے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ جس گاؤں کے لوگوں نے ہماری بات نہیں پوچھی وہاں کی تم نے دیوار کیوں بنا دی۔ حضرت خضر نے فرمایا۔ بس اب جائیے۔ "هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ"۔ موسیٰ جب چلنے لگے تو حضرت خضر نے کہا کہ اب تم جاتے ہو تو ان تینوں باتوں کی حقیقت بھی سنتے جاؤ۔ وہ کشتی جسکا میں نے تختہ توڑ ڈالا تھا اصل میں کچھ مسکین اور غریب لوگوں کی ملکیت تھی۔ اور رستہ میں ایک ظالم بادشاہ تھا جس کی عادت تھی کہ ہر ثابوت کشتی کو ضبط اور غصب کر لیتا تھا اِسلیے ان مالکان کشتی کی بہتری اور بچاؤ کے لیئے میں نے اس کشتی کو معیوب کر دیا۔ لڑکے کی بابت یہ تھی کہ اگر وہ زندہ رہتا تو جید کافر ہوتا اور اُسکے ماں باپ نہایت مخلص خدا پرست ہیں۔ اس لیئے میں نے اُسکا قصہ پاک کر دیا۔ دیوار میں نے اس لیئے بنا دی کہ وہ ایک یتیم بچے کی تھی جسکے ماں باپ نے اُسکے نیچے بہت سا خزانہ دفن کیا تھا اگر وہ گر جاتی تو غیر لوگ اُسے ہضم کر جاتے۔ اب جب وہ جوان ہوگا تو خود ان روپیوں کو نکالے گا اور حق حقدار کو پہنچ جائے گا۔

حیوۃ الحیوان میں سہیلی سے روایت ہے کہ جب موسیٰ و خضر علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو حضرت خضر نے اُن سے کہا کہ اگر تم صبر سے کام لیتے تو تم کو ہزار عجائب

ایسے دکھاتا جو ایک سے ایک بڑھکر ہوتا۔ حضرت موسیٰ اس تفریق سے بہت متاثر ہوئے اور آبدیدہ ہوکر کہنے لگے۔ مجھے کچھ وصیت کرو۔ آپنے فرمایا۔

موسیٰ! اپنی ہمت درستی معاد میں صرف کرو + اور جو چیز تمہارے لیئے مفید نہو اس میں وقت ضائع نہ کرو + حالت امن میں خوف کو نہ چھوڑو + اور حالت خوف میں امن سے ناامید ہو اپنے کاموں میں خود غور کرو اور حتی المقدور دوسرے کا احسان نہ اٹھاؤ۔ کسی کی لجاجت ہرگز نہ کرو۔ اور بغیر ضرورت کہیں نہ جاؤ۔ بات بات پر نہ ہنسو۔ نادم کی خطا معاف کرو +

موسیٰ علیہ السلام نے کہکہ کیا اچھی وصیتیں آپنے کی ہیں خدا آپ پر اپنا انعام کرے +

خضر علیہ السلام نے کہا کہ اچھا اب تم ہی مجھے کچھ نصیحتیں کرو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دنیا کے واسطے کسی سے محبت یا عداوت نہ رکھو۔ کیونکہ یہ کام ایمان کا نہیں کفر میں داخل ہے لوگوں کے سامنے بیان کرنیکے لیئے علم نہ سیکھو بلکہ اُسپر عمل کرنیکے لیئے سیکھو +

یہ کہکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی راہ لی +

کتابوں سے حضرت خضر کا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر مسلمانوں کے کل مشائخ اور بزرگوں سے ملنا معلوم ہوتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز خوانی میں مشغول تھے۔ ناگاہ آپنے دیوار کے پیچھے سے آواز سُنی کہ کوئی کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی مَا یُنْجِیْنِیْ مِمَّا خَوَّفْتَنِیْ (خداوندا مدد کر میری اُس شے پر کہ نجات دے مجھکو اُس شے سے جس سے تو نے مجھکو ڈرایا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا کہ اس دعا میں اسکی بہن کو کیوں نہیں ملاتا آواز آئی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَوْقَ الصَّالِحِیْنَ اِلٰی مَا شَوَّقْتَھُمْ اِلَیْہِ (خداوندا رزق کر مجکو شوق صالحین کا اُس شے کی طرف جس کیطرف تو نے انکو آرزومند کیا) یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن مالکؓ کو حکم دیا کہ ان صاحب سے جاکر کہو کہ میرے لیئے استغفار کریں۔ دریافت کرنیسے معلوم ہوا کہ وہ پس دیوار بزرگ خضر تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے روایت کی ہے

کہ جب وقت حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات غسل دیا جارہا تھا۔ حاضرین صحابہؓ نے سنا کہ کوئی کہتا ہے۔ "سلامتی ہو تم پر اے اہل بیت نبوت الخ" حاضرین نے کہا کہ یہ حضرت خضرؑ کی آواز تھی۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن طواف خانہ کعبہ میں مصروف تھا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص غلاف کعبہ کو پکڑے ہوئے یہ دعا کر رہا ہے یَا مَنْ لَا یَشْغَلُہٗ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ یَا مَنْ لَا تُغَلِّطُہُ الْمَسَائِلُ یَا مَنْ لَا یَتَبَرَّمُ بِالْحَاحِ الْمُلِحِّیْنَ اَذِقْنِیْ بَرْدَ عَفْوِکَ وَحَلَاوَۃَ رَحْمَتِکَ میں نے اس شخص سے کہا کہ اس دعا کو پھر پڑھو۔ اس نے کہا کیا آپ نے اس دعا کو سنا۔ میں نے جواب دیا ہاں سنا۔ اس نے کہا کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھا کیجئے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں خضرؑ کی جان ہے کہ اگر آپ کے گناہ آسمان کے ستاروں اور زمین کے سنگریزوں کے برابر بھی ہوں گے تو اللہ تعالی اس دعا کے صدقے میں سب کو بخشدیگا۔

طبرانی نے کتاب الدعا میں ابو عبد اللہ رقاشی سے روایت کی ہے کہ سلیمان ابن عبد الملک نے ایک شخص کے قتل کا حکم دیا۔ وہ فرار ہو گیا۔ ابن عبد الملک نے گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کے پیچھے لوگ دوڑا دیئے۔ وہ مفرور جہاں بھاگ کر جاتا یہی سنتا کہ لوگ یہاں تجھے ڈھونڈنے آئے تھے۔ آخر مجبور ہو کر ایک دن ایک صحرا میں پہنچا جہاں آدم زاد کا دور دور پتہ نہ تھا۔ یکایک اس نے دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ اول تو یہ ڈرا مگر خیال کیا کہ میرے پاس ہے کیا جس سے مجھے خوف ہو۔ اسلئے اس کے پاس ہی جا کر کھڑا ہو گیا۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس طرح گویا ہوا کہ تجھکو سلیمان ابن عبد الملک کا خوف ہے۔ اسنے کہا ہاں۔ اس نماز گزار شخص نے کہا کہ اس دعا کو یاد کر۔

سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الَّذِیْ لَیْسَ غَیْرُہٗ اِلٰہٌ سُبْحَانَ الْقَدِیْمِ الَّذِیْ لَا بَادِیَ لَہٗ سُبْحَانَ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا نَفَادَ لَہٗ سُبْحَانَ الَّذِیْ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ

سُبْحَانَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ مَا تَرٰی وَمَا لَا تَرٰی سُبْحَانَ الَّذِیْ عَلِمَ کُلَّ شَیْءٍ بِغَیْرِ تَعْلِیْمٍ +

اُس شخص کا بیان ہے کہ" اُس دعا کے یاد کرتے ہی میرے دل میں ایسا اطمینان سا پیدا ہو گیا کہ میں اپنے وطن واپس آیا اور خاص سلیمان بن عبدالملک کے مکان پر پہنچا اُس دن اتفاق سے اُس نے اپنے پاس آنے کی اجازت دی تھی۔ میں بھی اندر چلا گیا۔ سلیمان بچھونے پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھکر اُس نے اپنے قریب مجکو بلایا۔ اور مجکو اپنے پاس بٹھا کر کہا کہ میں تیرے خون کا پیاسا تھا۔ مگر اِس وقت خدا جانے کیا بات ہوکہ میں تجھے اپنے پاس بٹھائے بغیر نہیں رہ سکا۔ تو نے مجھپر جادو تو نہیں کر دیا۔ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اور اِسکے بعد میں نے سارا قصہ جو مجھپر گزرا تھا اُسے سُنایا۔ اُس نے کہا کہ بیشک وہ خضر علیہ السلام تھے "

بشر حافی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک حجرہ تھا۔ جب میں کہیں باہر جاتا تو اُسے مقفل کر دیتا اور کنجی اپنے پاس رکھ لیتا۔ ایک دن جو میں نے واپس آکر حجرہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص اُسمیں بیٹھا نماز پڑھ رہا ہے۔ میں ڈر گیا۔ اُس نے کہا کہ بشر حافی خوف زدہ نہو۔ میں تمہارا بھائی ابو العباس خضر ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی دعا تعلیم کیجئے۔ فرمایا یہ پڑھا کرو۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ تُبْتُ مِنْہُ ثُمَّ عُدْتُ اِلَیْہِ وَاَسْاَلُہُ التَّوْبَۃَ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ کُلِّ عَقْدٍ عَقَدْتُہٗ عَلٰی نَفْسِیْ فَنَسَخْتُہٗ وَلَمْ اَفِ بِہٖ +

ناظرین! یوں تو بزرگانِ دین اور حضرت خضرؑ کی ملاقاتوں کی بہتیری روایتیں ہیں۔ مگر اِس مضمون میں صرف اُنہیں درج کیا گیا ہے جو آپکے لیے مفید ہو سکتی ہیں۔ عبد المغیث نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ" تم کو کونسی شئے خضر علیہ السلام کے کلمات پڑھکر اپنے گناہ محو کرنے سے منع کرتی ہے

یعنی تم حضرت خضر علیہ السلام کے کلمات پڑھکر اپنے گناہوں کو محو کرو۔ اسلیے حضرت کی اجازت
اور ان کلمات خضریہ سے فائدہ اٹھائیے۔ اب دو ایک اور واقعات لکھکر اس مضمون کو ختم
کیا جاتا ہے۔ تذکرۃ الاولیا میں حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی حالت میں
لکھا ہے کہ ایک دن آپ دربار عام کر رہے تھے۔ تمام ارکان دولت اپنی اپنی جگہ کھڑے
تھے کہ یکایک ایک ہیبت ناک شکل کا آدمی وہاں داخل ہوا۔ اور سیدھا تختگاہ کیطرف
چلا۔ کسیکو اُس کے روکنے کی مجال نہوئی۔ جب وہ بادشاہ کے قریب پہنچگیا تو بادشاہ
نے اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ جواب دیا کہ اس مسافرخانہ میں ٹھیرنا۔ بادشاہ
نے کہا یہ تو میرا مکان ہے مسافرخانہ نہیں ہے۔ نووارد شخص نے کہا کہ تم سے پہلے
یہ کسکا گھر تھا۔ بادشاہ نے کہا میرے باپ کا۔ پوچھا اس سے پہلے۔ کہا میرے دادا کا
دریافت کیا یہ سب کیا ہوئے۔ جواب دیا مرگئے۔ کہا اسلیئے تو میں نے اسے مسافرخانہ
کہا کہ اسمیں ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ یہ کلام کرکے وہ شخص باہر چلاگیا۔ بادشاہ
ابراہیم بن ادہم بھی اُسکے پیچھے پیچھے ہولیئے۔ اور اُس سے مستفسر ہے کہ اے شخص
تو کون ہے جو میرے سینے میں آتش شوق بھڑکائے جاتا ہے۔ کہا کہ میں خضر ہوں +

احمد حواری قدس سرہ العزیز کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ابن سماک بیمار ہوئے میں
ان کا حال ایک یہودی طبیب کے پاس کہنے جارہا تھا کہ راستے میں ایک جوان نورانی شکل
وپاکیزہ اور معطر کپڑے پہنے ہوئے ملا۔ اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ کہاں جاتے ہو میں نے
بتلادیا۔ اُسنے کہا سبحان اللہ خدا کے دوست کے لیئے خدا کے دشمن سے مدد لینے جاتے
ہو۔ جاؤ۔ واپس چلے جاؤ۔ اور ابن سماک سے کہو کہ جہاں درد ہوتا ہو وہاں ہاتھ رکھکر اسکو
پڑھیں۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ
آخر آیت تک۔ میں ابن سماک کے پاس آیا۔ اور انسے اس معاملہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے
اُس جوان کی تعلیم کے موافق اس آیت کو پڑھا۔ اُسیوقت صحت ہوگئی۔ اسکے بعد ابن سماک

سمجھنے لگے کہ تم سمجھے یہ جوان کون تھا۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا حضرت خضرؑ

الغرض حضرت خضرؑ کا وجود اسلامی دنیا میں سیکڑوں برس سے عجیب و غریب اسرار کا مجموعہ مانا جاتا ہے۔ کیمیا کے دنیاوی شائقین کی طرح دینی امور میں بھی حضرت خضرؑ کی تلاش لاکھوں آدمیوں نے کی جسکے افسانے مسلمانوں کے ہرگھر میں بیان کیے جاتے ہیں۔ کبھی موقع ملا تو ان دلچسپ قصّوں کا مفید اقتباس ان اوراق میں شائع کر دیا جائے گا۔ بالفعل قیامت تک کی طولانی عمر کا قصہ رکھنے والے حضرت خضرؑ کے بیان کو یہیں ختم کیا جاتا ہی +

محمد ارتضےٰ واحدی

مصباح الکلام فی طریق الاسلام

جناب مولانا مولوی عبد الغفور صاحب فاروقی سابق سب جج و رئیس محمد آباد ضلع اعظم گڈھ کی یہ ایک ایسی نادر اور بکار آمد تالیف ہی جسکی اردو زبان کو بھی ضرورت تھی اور اردو خوان نسل کو بھی۔ اسلامی اخلاق اسلامی عقائد اسلامی معاملات کے ہر ضروری جزو کو ذہن نشین خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہی ضمناً غیر مذاہب پر بھی منصفانہ تنقید ہو گئی ہی۔ خاصکر ہندو مذہب کی نسبت مولانے غیر معمولی بے تعصبی برتی ہی۔ ۹۵ نہایت معرکۃ الآرا عنوانوں پر بحث کیگئی ہے۔ چار سو بانوے صفحوں پر کتاب ختم ہوئی ہے۔ تصوف کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے وہ فاضل مؤلف کا صاحب قال و حال ہونا ثابت کرتا ہی۔ ناظرین نظام المشائخ اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی معلومات میں بہت آسانی سے ایک معتدبہ اضافہ کر سکتے ہیں۔ لکھائی۔ چھپائی۔ نہایت خوش نما و اعلےٰ۔ کانپور کے نامی پریس کا نام ہی اسکی خوبی طبع کی کافی شہادت ہی۔ مولوی محمد اکرم صاحب فاروقی رئیس محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڈھ سے کتاب دستیاب ہوگی +

نورِ دل

یعنی تفسیر آیۂ قرآنی

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۞

حسن لیلیٰ گر ندانی از قتیلِ عشق پرس   دردِ مجنوں گر ندانی از زبانِ شیدا شنو

حسن و عشق

نیستی سے ہستی کا اظہار۔ بیرنگی سے نیرنگی کا ظہور۔ عدم سے وجود کا نمود۔ وحدت سے کثرت کے مراتب۔ یہ شور و شر۔ نفع و ضرر۔ امانت خیانت۔ محبت نفرت۔ اسی ایک حسین مہ جبین پردہ دار پردہ نشین کی ناز آفرینیاں۔ سحر سازیاں ہیں۔ اسی نگہ ناز کا جادو اسی شاہد مقصود کی شوخیاں۔ جلوہ نمائیاں ہیں۔ تنزلات ستہ عروج و نزول ہجر و وصال طلب حصول۔ دریائے حقیقت کی مجازی لہریں۔ مقامی سیریں ہیں ؎

غرض ہوتے ہوتے ہوئے آپ ایسے   کہ آخر کو جانِ جہاں ہو گئے

یہی جان آب و گل۔ یہی جان نور دل ہے ؎ جملہ عالم چوں تن و جان است دل ؎

تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست   لیک کس را دید جاں دستور نیست

عرفان حقیقی اپنی جان۔ اپنی پہچان۔ جب تک خودی سے کام ہے۔ آپ اپنا حجاب ہے۔ جب آپ آپ رہے۔ نہ حجاب ہے نہ نقاب ہے۔ اس جدائی اعتباری کا نقاب الٹتا ہو تو صاف صاف صدا ہو ؎

بیا اے عشق آتش زن دلِ افسردۂ ما را   بہ نیرِ خویش روشن کن چراغ مردۂ ما را

خواص اسمائیہ کا باعث کہ وہی نورِ دل دردِ دل سے منقلب ہوا۔ کیا لطف ہے جو نور حسن

جذب عشق ہے کہ کہاں سے کہاں پہنچایا۔ کالبد خاکی میں امانت رکھی گئی۔ ادھر
لَقَدْ كَرَّمْنَا کا نیاز۔ اِدھر ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کا ناز ہوا۔ اب تعینات کے مدارج کو
اس ناز و نیاز کا نام۔ امید و بیم خوف و رجا۔ فنا و بقا۔ ہستی و نیستی اور نہ معلوم کیا کیا کہو
کہیں مارا۔ کہیں جلایا۔ دیوانے لپٹے کہ ہر حال میں لطف اُٹھایا ؎

لے ترا با ہر دمے رازے دگر　　ہر گدا را بر درت نازے دگر
در رباب عشق تارے بیش نیست　　ہست ہر جا نغمہ و سازے دگر

بلس لب پہ دل۔ درد دل کی صورت ہو۔ بیتابی بیقراری کی حالت ہو۔ کچھ یاد ہے
کہاں تھے۔ کہاں آئے ؎

صد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو　　ورنہ طاعت کے لیئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

آہ کہاں ہے وہ گھڑی جب کسی بیداد گر سے آنکھ لڑی۔ خواب تھا یا بیداری غفلت
تھی یا ہشیاری۔ کچھ بھی ہو۔ نیک ساعت اچھا وقت تھا ؎

آنچہ من دیدم عیاں ہست دخواب　　ہیچکس ہرگز نہ بیند ایں بخواب
آنچہ من دیدم نیارم گفت باز　　ایں عجائب ترنہ بیند ہیچ باز
آنچہ نشنیدم چو بشنیدم ہمہ　　من نہ دیدم گرچہ من دیدم ہمہ
چوں نہ میدانم چہ گویم بیش ازیں　　گرچہ لوراد دیدہ ام من پیش ازیں
منکہ اور ادیدہ یا نادیدہ ام　　درمیان این و آں شوریدہ ام

یہ حیرت بھی تصور ذہنی سے نہیں۔ خواب کی سچی تعبیر ہے۔ یہ خواب خیال نہیں صحت
تصدیق جلوہ پذیر ہے۔ بے سروپائی دیوانگی سے کام کیا۔ یہ سراپا سر تاپا سوز و قلق
مجسم شوق و اشتیاق ہو۔ عقل و فرزانگی کا نام کیا۔ دل بے قابو ہو رو مند چشم بہ تر
انتظار نظارے کی مشتاق ہے۔ یہ خلش اسی کماندار کے تیر قہر کا اسکی مبارک دیدکا
یہ کرشمہ اسی نگہہ ناز کا باقی زچشم بچز اب ۔ دل بیقرار ؎

عیش کا نام لے نہ تو ہم سے ہم کو فرصت کہاں ترے غم سے
جب سے عالم ترا نظر آیا اٹھ گیا جی تمام عالم سے

عالم و عالمیاں کا بہانہ واقعی حسن و عشق کا فسانہ ہے۔ بظاہر حسن و عشق کا واؤ مغائرت پیدا کر رہا ہے۔ حقیقۃً ایک الف کے سوا شہ واؤ سے نہ وہاں ہے۔ ماناکہ وہاں نور واؤ سے دوئی کا عکس پڑتا ہے۔ غیریت کا جلوہ نظر آتا ہے مگر یہ شرکت سوز و درمیانی الف یکرنگی کا رنگ رچاتا توحید کا نقشہ جماتا ہے ؎

در دل و در جاں توئی اے جان من در دل من ساختی خود را وطن
من بدوں رستم ورسن انجائے تو نفی گشتم من زہستیہائے تو
نیستم من ہرچہ ہستی بس توئی چوں یکے باشد کجا ماند دوئی

یہ بھی نہ سہی تو ایک منطقی مغائرت ہے۔ کل و جزو کی سی نسبت ہے ؎

درحقیقت نسب عاشق و معشوق یکیست بوالفضولاں صنم و برہمنے ساختہ اند
یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

رسالت کی صورت بھی حسن و عشق کا حجاب ہے۔ شریعت کا ادب بھی پردہ بین نقاب ہے ورنہ کون محدود کسکی غائت ہے۔ بیحد کون کسکی نہایت ہے۔ مظہر اتم جامع انوار حقی و معنوی کا کیا صاف صاف ارشاد ہے۔ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔ شیراز کی بادۂ ناب ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

اسی سرِ وجود و اصل ہر بود کا راز و نیاز۔ فرمایا۔ یا ابابکر لم یعرفنی حقیقۃً غیر ربی لے عرفت ربی بربی یا من دل علی ذاتہ بذاتہ۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب کہ خوش گفتہ است

فتنہ انگیزی و دامن در کشی تیر اندازی کماں پنہاں کنی

ستر ہزار حجابات سے بے پردہ فرمایا۔ حجاب میں بے حجابی کا انداز سکھایا۔ خوب فرمایا نہایت خوب فرمایا۔ ولقد خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتک ومنزلتک

عندی ولولاک ما خلقت الدنیا۔ اب خوں ریزی کی ابتدا فتنہ وفساد کی بنیاد قائم ہوئی۔ ابو البشرؑ اور انکی ذریت سے میثاق کی شیرینی۔ الست بربکم کی دلفریب آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ متعدد صف بندیاں ہوئیں۔ اس دلکش آواز نے بعض کو ایسا مست و بیخود بنایا کہ ارواح سے اسباب برزخ تک ایسی بیخودی سے کام رہا ؎

مپندار اینکہ مہرت از دل عاشق رود ہرگز چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

تعینات کی آئیں ہوئیں۔ مراتب کے دروازے کھلے۔ ہوش مے الوں کو ادب سے کام رہا۔ دیوالوں سے جدا نامۂ پیام۔ اُس نور مطلق نور نوراً علیٰ نور کی اتباع کا ارشاد ہوا۔ اس فرمان سے کوئی بھی نہ بچا۔ کلام عام تہا قبول خاص ہوا۔ خاص امین تابعدار ہوئے مومنین کے خطاب میں آئے۔ عام خائن نافرمان ہوئے۔ منافقین مشرکین کے عتاب میں آئے۔ وہ یتوب اللہ کے مصداق بنے یہ یعذب اللہ کے عذاب میں آئے کیا یہی وہ امانت ہو کہ پہلے نوری محافظت اطاعت۔ پہر قولی فعلی تبعیت محبت کی صورت ہوئی۔ آخر اُس بیرنگی سے نیرنگی کی علت غائی کیا ہے ابو البشرؑ سے فرمایا لولا محمد ما خلقتک ولا ارضاً ولا سماءً آپ ہی کا کلام ہو۔ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیہ۔ اُسی معدن انوار و منبع انوار کا ارشاد پاک من رانی فقد رای الحق اور کیوں نہو شان ہی سراپا نور کان الشمس تجری فی وجہہ۔ اذا تکلم رئی کالنور یخرج من بین ثنایاہ ؎

ترا چنانکہ توئی دیدہ کجا بیند بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک

ابو البشرؑ سے عیسیٰ علیہ السلام تک سب اس تبعیت میں شریک ہیں ظاہری معنوی مدارج ہوں یہ شمار کو عقد انامل ہے۔ زمانی مکانی قرب و بعد ہو منتہیٰ فرد وکامل ہو حضرات یعقوب و یوسف و داؤد و سلیمان موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کون اس نبوی اتباع سے باہر ہے۔ صحف منزلہ کتب آسمانی شاہد کہ حضرات نوح و موسیٰ علیہم السلام میں کیسا جلال

حضرات خلیل و عیسیٰ علیہم السلام میں کس کا جمال ہے۔ مقصود بالذات کیا بالعرض کون کون صاحب کمال ہے۔ ہر فرد میں فرد لا افراد اصل و کل ہے۔ نسبت بو و گل ہے۔ در میکدہ وحدت جز فرد منیگنجد۔ دیکھو لیلۃ المعراج میں صاف صاف روشن نمودار ہے کہ یہی مطلوب مقصود۔ سب کا مطلب اصلی مقصد حقیقی ہے۔ شرائع مختلفہ میں توحید ذاتی کی تعلیم۔ امم ماضیہ میں ایک کی پکار۔ یا یہی ایک کا جلوہ اُسی ایک کا اظہار کہ شان بیرنگی کا دہی رنگ۔ بزم عالم کا وہی سراج منیر ہے۔ کہیں عزیز و نصیر ہے۔ کہیں بشیر و نذیر ہے ؎

نمی گویم درین گلشن گل و باغ و بہار از من بہار انیار و باغ از یار و گل از یار و یار از من

رہا ناسخ و منسوخ۔ وہ فروعات سے شاد و آباد۔ یہاں اصل و فرع ذات و صفات سے مراد جن میں واقعی تعلق حقیقی نسبتیں ہیں۔ نہ عملیات معاملات جو عارضی اضافتیں ہیں مقصود بالذات ذات ہے نہ صفات۔ ذات سے صفت کل سے جزو۔ اصل سے فرع مجازاً تعلق قریبہ نسبت قویہ اتحاد جنس کے پابند حقیقتہً عین آزادی یکرنگی کی اصلی شان ہے اس عینیت غیریت میں نئی ادا نرالی جان پہچان طرفہ آن بان ہے ؎

از حق جز حق وگرچہ روید بابا از حق جز حق وگرچہ گوید بابا

در شدت این ظہور مجبور صفت حق را جز حق وگرچہ جوید بابا

ہاں ابھی تیرہ ستور کا اظہار توحید کا اقرار رہا۔ حالت کے مطابق مجالی کے اعتبار سے رسالت سے کام لیا۔ بے حجابی ہوئی حجاب نہ گیا۔ تصدیق رسل ادب والوں احسانمندوں کا حصہ ہوا۔ بے ادبوں۔ احسان فراموشوں کو خفت ہوئی ذلت ہوئی۔ رسولوں کا ماننا عین واجب الوجود کا ماننا تھا۔ امانت دار فرمانبردار نہ تھے محجوب ہوئے مغضوب ہوئے ماننے والے امانت دار ایماندار ہیرے قربت ہوئی وصلت ہوئی لیعذب اللّٰہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات ویتوب اللّٰہ علی المؤمنین والمؤمنات

مجاہدہ محاسبہ صبر و شکر۔ توکل رضا بقضا بہت سی ایمان کی شاخیں ہیں محبت والوں نے اعلیٰ شاخ اصل درخت عشق سوز درد کو سمجھا۔ خوب سمجھا۔ بہت خوب سمجھا۔ درد ہی ایمان۔ ایمان کی جان ہے۔ یہی جان جانِ جاناں کی امانت ہے یہی جان ہے عطا کی روح گلاب ؎

ساقیا خونِ جگر در جام کن　　گر نداری درد از ما وام کن

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست　　درد را جز آدمی در خورد نیست

بیشک انسان ہی نے اس امانت کو اٹھایا۔ جو ظالم و جاہل کا خطاب پایا۔ انسان انسانِ کامل سے مراد جو عہد کا پابند امانت دار ناکام نامراد ہے۔ یہی ناکامی کام نامرادی مراد ہے پر عتاب نہیں خطاب ہے۔ واللہ عذاب میں ثواب ہے۔ خاطبت عام۔ مرادِ خاص ظلوماً جہولاً کا پر لطف عتاب اس تخصیص کا صاف قرینہ ظاہر دلیل۔ جامی کا جام شراب ؎

ظلم او آنکہ ہستیٔ خود را　　ساخت فانی بقائے سرمد را

جہل او آنکہ ہر چہ جز حق بود　　صورت آن زلوحِ دل بزدود

نیک ظلمیکہ عین معدلت است　　نغز جہلے کہ عین معرفت است

مولانا کی زبان سے تبریزی اسرار ؎

ظالم است او بر خود و بر جانِ خود　　ظلم بین کز عدلہا گو میبرد

جہل او مر علمہا را اوستاد　　ظلم او مر عدلہا را شد رشاد

اب مومنین کی توفیق توبہ۔ منافقین مشرکین کے وعدہ عذاب میں اسی امانت نے مقبولیت مردودیت کا قدم درمیان۔ کہ فرق زمین و آسمان۔ بینہما برزخ لا یبغیان یہ جمع و تفریق اسی ایک کی توفیق کرارادۂ ازلی غالب۔ جو ہونا تھا ہوا۔ کرنا تھا کیا۔ یہ تبعیت عین توحید عین رسالت عین ایمان عین عشق عین درد۔ یہی وہ امانت یہی سوز و داشت ہے۔ اسی وحشیمیں تقلیدی ایمان کا حصہ ملا۔ درد دل سے کام رہا۔ استدلال کی ضرورت نہ رہی

مشاہدہ کی قابلیت نہ ہوئی۔ بے خبری میں عمر گزری۔ خبر نہ ہوئی۔ اپنی ہستی موہوم معشوق کا دہن بلکہ ہوئی کہ بے اور نظر نہ آئے۔ رہے اور خبر نہ پائی۔ یہ رہنا پانا بھی بیخبری کی خبر نہیں۔ شوق کی دلیل ہے۔ آپ کہتے آپ سنتے ہیں۔ نہ قال ہے نہ قیل ہے ؎

ہستی ہماری اپنے فنا پر دلیل ہے ۔۔۔ یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

وجودات عالم وہ ہو جو ہستی ہے کے ظلال ہیں پر تو سہی۔ یہاں عرفان حقیقی میں کسکا خطاب کسکا نقاب۔ جب سایہ غائب آفتاب ہی آفتاب ؎

گر ترا پیدا شود یک فتح باب ۔۔۔ تو درون سایہ بینی آفتاب
سایہ در خورشید گم بینی مدام ۔۔۔ خود ہمہ خورشید بینی والسلام

محمد نذیر الحسن فتح الٰہی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت جنید بغدادی رح حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لیگئے اور ملت کو کیلئے طواف کعبہ کو گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک عورت بھی طواف کر رہی ہو مگر اسکے ساتھ کچھ عاشقانہ اشعار بھی پڑھتی جاتی ہے۔ آپنے اُس سے کہا کہ تجھے ایسے مقدس اور قابل احترام مقام پر اس قسم کی ناپاک آرزو میں ظاہر کرتے شرم نہیں آتی"۔ اُسنے جذبۂ عشق کی عذر خواہی میں چند اور اشعار پڑھ کے سُنا دیئے اور آپسے پوچھنے لگی" تم خدا کا طواف کرتے ہو یا خانہ خدا کا؟" آپ نے جواب دیا۔ "خانہ خدا کا"۔ یہ سُن کے اُسنے ایک عجیب جوش کی فتح سے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا اور کہنے لگی یہ سبحان اللہ! تیری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کیطرح بےحس ہیں۔ اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہیں"! اُسکی زبان سے یہ سنکر حضرت جنید رح پر ایک ایسا وجد کا عالم طاری ہوا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی جب ہوش آیا تو وہ عورت غائب تھی جس نے آپ کو معرفت اور توحید کا بہت ہی مؤثر سبق دیا تھا۔

صوفی

میرا ارادہ تھا کہ میں سلسلہ وار مضامین رسالہ نظام المشائخ کے لیے لکھوں۔ جس میں علم تصوف کی تاریخ ہو کہ اسکی ابتدا کب سے ہوئی اور وہ کس طرح سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پھیل گیا۔ اور ان ملکوں میں کون کون صوفیان کبار ہوئے۔ اور اُن کے عقائد اور مسائل کیا تھے۔ ایران اور ہندوستان میں سب سے زیادہ کیوں اس علم کی ترقی ہوئی۔ آج کل علم تصوف کا حال مختلف ممالک میں کیا ہے۔ مہذب دنیا میں علم تصوف کی کیا قدر و منزلت کیجاتی ہے۔ سب سے اعلیٰ طبقہ جو اہل عقل کا ہے۔ اُسمیں کیوں علم تصوف دماغ کی پریشان خیالی کہا جاتا ہے۔ شیخ علی حزین کے اس لطیفہ کے کیا معنی ہیں کہ "علم تصوف برائے شعر گفتن خوب است"۔ غرض یہ مجموعہ مضامین اُردو کے علم ادب میں ایک نیا باب ہوتا۔ جو اَب تک نہیں لکھا گیا تھا۔ لیکن یہ اتفاق کی بات ہے کہ میں اس عمر ہفتاد و ہشتاد سالگی میں امراض ثلاثہ میں ایسا مبتلا ہو گیا کہ نی الحال اپنے ارادہ کے پورا کرنے کے لیے کمال غور و فکر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ناچار یہ مضمون ہدیہ نظام المشائخ کرتا ہوں +

اگر تجکو صوفی ہونے کا شوق ہے تو خود بینی سے آنکھ بند کر لے گنج عرفاں کسب حاصل بنا۔ فقط خدا کی ذات کو اپنا قبلہ بنا۔ جلوہ وحدت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ۔ لطف و قہر نوش و زہر کو یکساں جان۔ صوفی صافی صفت تو یہی کچھ بیاں رکھتے ہیں۔ جو صوفی اپنا آواز بلند کرتے ہیں اور اسی شغل کو پسند کرتے ہیں وہ مشتی خم کے ہیں کہ جس سے آواز نکلتی ہے وہ صوفی نہیں۔ اُن کو اس دعوے پہ

نہیں۔ خام جو پختگی کا دعویٰ کرے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ زنگی کا اسم کافور رکھو تو اس سے اسکی سیاہی دور نہیں ہوتی۔ قدسی طوطی ہونیکا دعوے او گس کیطرح اڑنوں کے خوان پر پرزنی۔ خرقہ صدپارہ کیا کام آئیگا جب تیرا دین ہی صدپارہ ہوگیا۔ صوفی ہوتا نہیں ہے بلکہ اپنے تئیں بدی میں مشہور کرتا ہے۔ اور درد و بلا کو جمع کرکے ریاسازی کی عبادت کو طاعت بازی بنا رکھا ہے۔ سجادہ کو سجادہ نہ شوخی طرح کھنتوہ۔ قوال کھا ہے اہل بانگ سعدہ دہ ہیں۔ وہ ہنری ایسی جنس کو پھوٹی کوڑی کو بھی نہیں خریدینگے۔ اہل دل کی راہ میں ہمت پست کے سبب سے سوائے عصائے کچھ اور تیرے پاس نہیں ہے اگر لغزش پڑے کنوئیں میں گریگا تو یہ عصا کچھ تیری مدد نہیں کریگا۔ مسواک کو تونے دندان طمع دراز کرنیکے لیئے سوہان بنا رکھا ہے۔ وہ تیرے دانتوں کو آرہ کی طرح کاٹ ڈالیگی۔ تو تسبیح کو انگلیوں پر پیچ دے رہا ہے تیرے اس پیچ میں کوئی نہیں آئیگا چند مہرہ بے سروپا کی بست وکشاد سے نقش مراد نہیں حاصل ہوتا۔ اگر تجکو حساب حسنات مطلوب ہے تو انگلیوں کی پوریں ہی کافی ہیں۔ تو اپنی ڈاڑھی کے بالوں کو کنگھی سے ایسا آراستہ کرتا ہے جیسا کہ عورتیں اپنے بالوں کو بناتی ہیں۔ اگر مرد ہے تو شانہ کو پھینک دے تو اوروں کو ساتھ لیکر دانتوں کی طرح صف باندھکر غیروں کی گردنوں پر جھپٹا تو اس سے کچھ بہرہ ور نہیں ہوگا۔ حرص شر سے دست کوتاہ کر۔ قناعت کی صف میں آ۔ اس دیر مجاز میں دست درازی سے کوتاہ دستی کرنی سب باتوں سے اچھی ہے +

باقی آئندہ

محمد ذکاءاللہ۔ دہلوی

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من | ویں حرف معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوی من و تو | چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

موت

انجام زندگی یعنی موت کو یاد کرنا اچھا خیال کیا گیا ہے۔ موت بسا اوقات یکایک اور آناً فاناً آتی ہے۔ اور بوڑھے جوان فارغ اور مصروف نیک و بد سب پر یکساں غلبہ پا لیتی ہے + کارلائل کہتا ہے "موت انسان کو اُسکی اچھی بھلی حالت میں آجاتی اور اُسکے چہرے کو متغیر کرنیکے علاوہ دوسرے عالم میں بھیجدیتی ہے"۔ ایک اور مصنف لکھتا ہے: "انسانی زندگی کی مثال ایک شعلہ کی سی ہے جو اندھیرے میں روشن ہوتا ہے اور پھر اُسی میں غائب ہوجاتا ہے۔ ہم ایک ایسے ساحل پُرخطر پر کھڑے ہوئے مَد کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں جو اس سے پیشتر بہتوں کو بہا چکا ہے۔ تاکہ ہم کو بھی اُس ملک میں پہنچا دے جہاں سے گئے پیچھے کوئی لوٹ کر واپس نہیں آتا"۔ ایک شخص کہتا ہے: "بحری سفر میں جب کہ جہاز لنگر ڈالتا ہے۔ اُس وقت اگر تم ساحل پر کسی کا پیغام پہنچانے کیلئے یا بطور تفریح جاؤ تو تمہارے لیئے لازمی ہے کہ اپنی نظر جہاز پر رکھو۔ شاید کپتان تمہیں آواز دے۔ اسی طرح زندگی میں ہمیں کپتان کی آواز کا منتظر رہنا چاہیئے اور جونہیں کہ ہم اُسکی آواز سُنیں اپنے تمام کاموں کو بالائے طاق رکھکر فی الفور اُسکی طرف اسی ایک خیال کی دُھن میں دواں دواں جانا چاہیئے۔ مبادا ہم دیر میں پہنچکر نقصان اُٹھائیں"۔

پرنسپل ٹیولاک کہتا ہے کہ "نوجوان اور صحیح الصحۃ شخص کیلئے زندگی کی روِش اور یہاں سے روانگی کا خیال کرنا آسان کام نہیں۔ موت کی ڈراؤنی تصویر کو ہر وقت تخیل کے سامنے رکھنے اور حال کو مستقبل کے رنج دہ خیالات سے پریشان کرنیسے کوئی بات حاصل نہیں ہے خدا نہیں چاہتا کہ ہم ایسے پریشان خیالات میں مصروف رہیں[1]

---

[1] یہ خیال اسلامی تعلیم کے خلاف ہے وہاں موت پریشان کن چیز نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ دنیاوی الجھنوں سے [illegible]

(اور ساتھ ہی جب کبھی ہمیں ایسے رنجیدہ خیالات ستاتے ہیں تو اسوقت ہماری مدد کرنیسے قاصر ہے) تاہم موت کے یقین اور زندگی کی ناپائداری کے خیال سے اپنے خیالات کی اصلاح کرنا نہایت اچھا اور مفید ہے سب سے بڑھکر پسندیدہ اور افضل بات یہ ہو کہ ہمیں موت کے ہولناک سانحہ کو اپنے سامنے نہیں رکھنا چاہئیے۔ بلکہ ہمیں اپنا فرض اور کاروبار پورا کرتے رہنا چاہیئے۔ گویا ہم ابھی رہنے کیلئے سنسار میں ہیں۔ جو کچھ تمہاری طاقت میں ہے اپنی کوشش اور جوش سے ساتھ کرو۔ کیونکہ قبر میں جو تمہاری آخری آرامگاہ ہے تمہیں کوئی کام نہیں کرنا پڑیگا"

اس دنیا میں ہمارے کام ہمیشہ اس خاص انجام کی تیاری میں ہونے چاہئیں ہماری خوشیاں ایسی ہونی چاہئیں کہ اگر ہم موت کے روبرو بھی کھڑے ہوں تو شرم ہماری دامنگیر نہو۔ بوڑھے اور نوجوان اور خصوصاً نوجوان اس مذکورہ صادق قول کے بھول جانیکے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ عالم شباب میں ہم اس لی لگاؤ اور اخلاقی محبت کی حقیقت کے جس سے دنیا کی ہر چیز ہمیں وابستہ کرتی جاننے سے قاصر رہتے ہیں یہی تو ایک ایسا لگاؤ ہے جس سے دنیا کی ہر ایک چیز ہم سے تعلق اور وابستگی رکھتی ہے اور جب ہم اسکی ایک ایک بات پر غور کرتے ہیں تو بہت سی خطرناک باتیں پیش آتی ہیں اور جب کبھی ہم بے پروائی کو کام میں لاکر گناہ کر بیٹھتے ہیں تو ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ ہم اسکے نتائج پر کبھی غور کرتے ہوں لیکن یہ جوش اور جذبے کا طوفان برباد کیئے بغیر ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا اور چلتے وقت ایسا دھبہ لگا جاتا ہے جسے اگر ہم توبہ کے آنسوؤں سے ہزار بار بھی دھوئیں تب بھی اسکا نشان باقی رہتا ہے اور کبھی پورے طور پر نہیں مٹتا۔ لیکن اسکا نتیجہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ہماری قابل رحم حالت میں جب کبھی ہمیں اپنے گزشتہ گناہ کا خیال از سر نو آتا ہے تو وہ ہمیں اپنی وحشتناک صورت دکھاکر خوب ہی رلواتا ہے اور ہم اسکی شرم سے نادم ہوکر

خجالت کے دریا میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ اگر ہم میں کچھ بھی روحانی احساس باقی ہوگا تو توبہ کا خیال بالضرور ہم تک اپنی رسائی کریگا جب ہمارے پاؤں پہاڑ کی تنگ و تاریک گھاٹیوں پر سے لڑکھڑا جاتے ہیں اور ہمارے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے اُسوقت اندرونی روشنی ہماری اخلاقی تاریخ پر نور افشاں ہوتی ہے۔ اُسوقت زندگی کا پورا فوٹو پیش نظر ہوتا ہے جسمیں ہم اُن گناہوں کے نشان جو مختلف اوقات میں ہم سے سرزد ہوئے تھے دیکھتے ہیں۔ اُسوقت گزشتہ زمانے کا خیال کرکے بہت ہی افسوس اور رنج ہوتا ہے اور مفت میں اس نیکی کا جو ہم نے ضائع کی اور اس بدی کا جسکے ہم حصہ دار بن چکے ہیں خیال کرکے تکلیف اُٹھاتے ہیں"۔

اس لیئے ہر نوجوان کو ایک منٹ کیلئے بھی اس خیال کو کہ "جذبہ کی پیروی کرنا کچھ نقصان نہیں پہنچاتا" اپنے دلمیں جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ اور ساتھ ہی اس خیال سے ڈرنا چاہیئے کہ "بالآخر اعلیٰ زندگی ہمیں ملیگی" اپنے ضمیر کو مردہ نہ کردینا چاہیئے۔ اس کے نزدیک ایسے فعل کے کرنیوالے بہت ہوں گے۔ اور شاید وہ اس خیال میں ہو کہ بہت سے مشاہیر جوانی میں ایسی حرکات کے مرتکب ہوچکے ہیں لیکن بعد میں اُنکی آیندہ زندگی پہلی زندگی کے مقابلہ میں نہایت شاندار ثابت ہوئی ہے۔ اس سے بڑھکر اور کسی قسم کا کوئی خیال نوجوان کے دل میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ اس دنیا کا باطنی قانون اخلاقی قانون کا بدلہ اور جزا ہے اس لیئے جو لوگ بدی کا بیج بوئیں گے انکے لیئے لازمی ہے کہ وہ اس بدی کا کڑوا پھل کسی نہ کسی صورت میں کھائیں ؎

کن بدی کہ بدی را جزا بدی باشد ۔۔۔ بجیش اہل مروت بدی ودی باشد

مذکورہ بالا قانون اخلاق کا ایک مستحکم قانون ہے۔ اصلی زندگی جسکا ہر ایک حصہ ماضی کا گہرا نقش لیئے ہوئے ہوتا ہے اخلاقی خواہشوں اور نتیجوں سے پُر ہے۔ اور اُن کا اثر آیندہ زندگی پر بہت کچھ پڑتا ہے اور ہمارے کیر کٹر کا نتیجہ ہے کہ ہمیں موت آتی ہے اور ہم دوسری مٹی میں داخل ہوجاتے

اڈیسن کہتا ہے کہ "موت کا خیال کرتے ہی ایک قسم کا خوف اور ہراس چھا جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے ایک قسم کی خوشی کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ اور وہ خوشی اُسوقت نصیب ہوتی ہے جب انسان اپنے ارادوں میں کامیاب ہوگیا ہو اور اپنی امیدیں حاصل کرچکا ہو۔"

نیک دل اور بہادر آدمی موت کے خیال سے بالکل نہیں گھبراتے۔ کیونکہ ایسے لوگ مرتے دم تک ایک ہی حالت میں پائے گئے ہیں۔ سر رچرڈ گرینول کی حالت نزع کے وقت ویسی ہی شاندار رہی جیسی اُسکی زندگی میں تھی۔ نزع کی حالت میں وہ یہ کہتا ہوا کہ "دیکھو میں خاموشی اور بشاشت سے جان دیتا ہوں کیونکہ میں نے اپنی زندگی ایک سچے خیر خواہ سپاہی کیطرح جو اپنے ملک۔ اپنی ملکہ۔ اپنے مذہب اور اپنی عزت کے لیے لڑا ہو۔ گزاری ہے۔ اسوقت میری روح بدن سے جدا ہورہی ہے اور بعد میں سوائے ایک ایسے سپاہی کے ڈھانچے کے جس نے اپنا فرض نہایت ایمانداری اور بہادری سے پورا کیا ہو اور کچھ نہیں رہیگا"۔ راہی ملک عدم ہوا۔ کہتے ہیں کہ جب اسکے کاری زخم لگا تو اسنے سپاہیوں کو مخاطب کرکے یہ نصیحت کی تھی کہ "اگر میرا پاسا ہارتا ہوا دکھائی دے تو میرے جہاز کو ڈبو دیا جائے بہ نسبت اسکے کہ شکست مان لیجائے"۔ ارل آف سٹرافورڈ کی نسبت مشہور ہے کہ جب اُسے پھانسی دینے کی جگہ پر لیجارہے تھے تو اُسکی چال ڈھال سے ایسا مترشح ہوتا تھا گویا وہ بیشمار فوج کی سرداری میں ملک فتح کرنے جارہا ہے۔ ہنری وین کے چہرے سے اِسی پھانسی کے تختہ گاہ پر بشاشت اور بہادری نمایاں تھی۔ اسکے آخری الفاظ یہ تھے "ایسی دس ہزار موتیں میرے ضمیر کو آلودہ اور ناپاک نہیں کرسکتیں کیونکہ میرے دل میں تمام عالم سے زیادہ عفت اور صفائی قلب کی قدر و منزلت ہے"۔

اڈیسن دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہے کہ "جب ڈون سبسٹین شاہ پرتگال ملک شاہ مراکو کی حدود سلطنت پر حملہ آور ہوا تاکہ اُسے تخت سے اُتار کر اپنے

بھتیجے کو تخت نشین کر دے۔ اسوقت شاہ مراکو ایسے مہلک مرض میں گرفتار تھا جسکے اچھا ہونے کی قطعی امید نہیں تھی۔ اسپر اس بہادر نے اس خوفناک دشمن کے استقبال کی تیاری کی۔ وہ اپنی بیماری سے بالکل مایوس ہو چکا تھا اور اُسے دن بھر زندہ رہنے کی بھی امید نہیں تھی۔ لیکن جسدن آخری فیصلہ کن لڑائی ہونے والی تھی اُس نے اِن تکالیف کا جو لڑائی میں بادشاہ کی عدم موجودگی میں اسکے اہل بچوں کو سہنی پڑتی ہیں خیال کر کے اعلیٰ افسروں کو حکم دیا کہ اگر میرا انتقال لڑائی میں ہو جائے تو میری موت سپاہیوں سے چھپائی جاسکے۔ اور اس پالکی پر جس میں میری لاش ہو تم کو خود اسمیں بیٹھ جانا چاہیئے تاکہ سب کو معلوم ہو کہ تم میرے پاس معمول کے موافق حکم لینے کے لیئے آرہے ہو۔ لڑائی شروع ہونیسے پیشتر اُسے ایک کھلی گاڑی میں تمام فوج کے روبرو پھرایا۔ بادشاہ ہر ایک کو ملک و ملت کی حفاظت کے لیئے بہادری سے لڑنے کی ترغیب دیتا گیا۔ اور اسطرح ان میں ایک قسم کا جوش بھر دیا۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ انجام کار جنگ کا فیصلہ اسکے خلاف ہوگا اپنی پالکی سے کود پڑا۔ اور فوج کو لیکر اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتا ہوا دشمن پر بے تحاشا چڑھ گیا۔ اور ایک ہی حملے میں ایسا پس پا کیا جسکا نتیجہ موروں کے حق میں باعث فتح و نصرت ہوا۔ لیکن بعد میں اپنے آپ کو بہت ہی کمزور پاکر پالکی میں سوار ہو گیا۔ اور اپنی انگلی دانتوں میں لی تاکہ افسروں سے خلوت میں کچھ بات چیت کرے۔ لیکن وہ اسی حالت میں چند لمحوں کے بعد راہی مُلک بقا ہوا۔

سمائلز بیان کرتا ہو کہ "جب سر والٹر ریلے کو تختہ پر بٹھایا گیا تو جلاد نے اُس سے کہا کہ اپنا سر مشرق کی طرف کر دو۔ اُس نے جواب دیا۔ سر کا ادھر اُدھر رکھنا کچھ فرق پیدا نہیں کرتا۔ دل صفائی اور سچائی سے لبریز ہونا چاہیئے۔ اور بس"۔ ایکدفعہ جبکہ ایک سپہ سالار کا انتقال ہونے کو تھا اور اُسکے خویش و اقربا بستر مرگ کے پاس بیٹھے اُسکی فتوحات کا ذکر کر رہے تھے تو اُس بہادر نے کہا کہ "افسوس یہ کام جن کو تم شاندار سمجھے

بیٹھے ہو مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ یہ تمام شاندار کام اُس ایک ٹھنڈے پانی کے پیالے کے مقابلے میں جو محض خدا تعالیٰ کی محبت میں دیا جائے ہیچ ہیں۔" کرونا کے بیان میں جب سر جون مُور زخموں سے نڈھال ہو کر گھوڑے سے گرا ہے تو اُسیوقت ڈاکٹر اسکی مدد کیلیے آیا لیکن سر جون مور نے اُس سے کہا کہ "تمہاری مدد مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ جاؤ اور ان بے یار و مددگار زخمی سپاہیوں کی مدد کرو جن کی مدد کرنا فائدہ مند ثابت ہوگی"+

سر والٹر سکوٹ نے مرتے وقت اپنے سالے سے کہا "میرے پیارے ایک ایماندار اور مذہبی بننے کی کوشش کرو۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز دوسرے عالم میں تمہاری مددگار نہ ہوگی"۔ جرمن کا مشہور فلاسفر کینیٹ نامی نے اسی برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اسکی تمام قوتیں مرتے دم تک قوی رہیں۔ بیماری کے زمانے میں اسنے اکثر اپنی موت کا ذکر کیا۔ اسکے آخری الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں "میں موت سے مطلق نہیں ڈرتا کیونکہ میں مرنا جانتا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہ رات میری زندگی کی آخری رات ہو تو میں اپنے ہاتھ اُٹھا کر یہ کہوں گا کہ اے خدا سب تعریف تیرے ہی واسطے ہے"+

اپنے عزیزوں۔ اپنے پیاروں۔ اپنے محبوبوں کی وفات سے ہم پر چاروں طرف غم کی گھٹا چھا جاتی ہے۔ اِس خیال کو شاعر لوگ کئی طرح بیان کرتے ہیں۔ کسی شاعر کا یہ نہایت سچا خیال ہے کہ "دوست کے پیچھے دوست رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ ایسا کون شخص ہے جس نے اپنا دوست ضائع نہیں کیا"۔ ایک اور شاعر کہتا ہے "میرے کئی ایک رفیق اور دوست تھے جو میرے بچپن اور سکول کے مبارک دنوں میں ایک ساتھ کھیل چکے تھے۔ لیکن افسوس زمانہ نے اُن کی رفاقت نہیں کی۔ اور وہ سب آشنا چہرے رخصت ہوگئے۔ اور اب میں اُنکے دیکھنے سے قاصر ہوں"۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ "اپنے دوستوں کی وفات پر حد سے زیادہ غمگین مت ہو۔ کیونکہ وہ مُردہ نہیں ہیں

بلکہ دراصل وہ سفر زندگی جسکو طے کرنا ہم سے ہر فرد بشر کے لیئے ضروری ہے ختم کر چکے ہیں۔ ہم کو ایک نہ ایک دن اُس جگہ جانا ہے جہاں ہمارے دوست ہمارے انتظار میں استقبال کے لیئے کھڑے ہیں۔ اور اُس عالم میں محبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔" موت بالآخر سب کو اپنے پھندے میں لیگی۔ اگرچہ ہمارا قیام اس دنیا میں بہت ہی تھوڑے دنوں کے لیئے ہوتا ہے۔ اور وہ بھی مقررہ وقت تک۔ لیکن اس تھوڑے سے وقت میں ہر ایک شخص اپنی قوت کے مطابق وہ کام پورا کر لیتا ہے جسکے لیئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے اور یہی اسکی زندگی کا مقصد ہے۔ یاد رہے کہ ہم کو اپنا کام پورا کرنے میں اس ریشم کے کیڑے کیطرح جو تانا بننے کے بعد مرجاتا ہے یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔ محنت کے بعد ہمیشہ آرام ملتا ہے۔ اسلیئے ہمیں چاہیئے کہ دن بھر کام کریں کیونکہ وہ رات آنیوالی ہے۔ جب ہم کسی قسم کا کوئی کام انجام نہ دے سکیں گے"

ترجمہ از انگریزی ضیاء الدین احمد۔ برنی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کچھ کمزور ایمان والے مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی کہ اگر زکوٰۃ کا مسئلہ اُڑا دیا جائے تو ہم اسلام میں رہ سکتے ہیں نہیں تو نہیں۔ آپ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے اسکا ذکر کیا اور مشورہ لیا۔ بعض کی رائے ہوئی کہ ہاں کیا مضائقہ ہے۔ معاف کردیجائے۔ مگر اسپر آپ تلوار سوت کر کھڑے ہوگئے۔ اور بولے یہ حق خدا کا ہے۔ اگر بقدر عقال شتر بھی کسی کے ذمہ ہوگا۔ لیا جائیگا۔ ورنہ اسی تیغ سے اسکا فیصلہ کیا جائے گا۔ جب ان باتوں کی خبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوئی تو آپ بہت محظوظ ہوئے۔ اور فرمانے لگے "انھوں نے بہت اچھا کیا۔ آج تو زکوٰۃ کا معاملہ تھا۔ کل دوسرے خلیفہ سے نماز اُڑا لے کو کہتے۔ یہ دین اسلام یوں ہی معافی میں جاتا رہتا"

اکبر کا صوفیانہ کلام

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

سید اٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتا پھرا پیسا نہ ملا

عنایت تخلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا
غضب میں یہ ادائیں ہم ہیں نہیں کیا کیا کریں ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے باخدا ہونا

صفاتِ حق تعالیٰ فہمِ منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

طریقِ مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محوِ ماسوا ہونا

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

بس اصلِ کارِ دیں تو صرف تسبیح قناعت ہے
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

تو حشر کا منکر ہے جو ہے فتنۂ دوراں
کہتا ہے کہ نیچر[1] میں پتا اس کا کہاں ہے

نیچر ہی سے ابھرا ہے ترا قامتِ رعنا
نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

تمہاری پالیسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالیسی تو صاف ہے ایمان فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

[1] لفظ نیچر کی جگہ فطرت بھی آسکتا ہے ۱۲ اکبر

پہننے کو تو کپڑے ہی تھے کیا بزم میں جائیے
شکستِ رنگِ شب کا اثر دیکھیں نئے مرشد
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہم نے جشنِ تاجپوشی کی
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

اکبر

مشائخ دہلی

حلقۂ نظام المشائخ کے سچے مخلص شیخ غلام محمد صاحب طور نے جو آجکل مشن کالج لاہور میں بی اے کلاس کے طالب علم ہیں مشائخ دہلی اور حلقۂ نظام المشائخ کی نسبت اپنے عقیدتمندانہ خیال کو اس نظم میں جس سوز و گداز سے ظاہر کیا ہے امید ہے کہ وہ تمام ناظرین کو مسرور محظوظ کریگا۔ اور دیگر انگریزی داں نوجوانوں کو ادہر متوجہ ہونیکی رغبت دلائیگا۔

سرزمیں دلی کی مسجودِ دلِ آگاہ ہے
چپہ چپہ جس کا منزل گاہِ اہل اللہ ہے

سرزمیں ارضِ مقدس کی طرح یہ پاک ہے
توتیائے دیدۂ عارف یہاں کی خاک ہے

خوابگاہ یہ شہزادانِ قرانِ باہمت کا ہے
ہند احساں مند جنکی کوشش و محنت کا ہے

میکشانِ جامِ الا اللہ سوتے ہیں یہیں
رعشہ دار بانگِ ہو حق جنسے تھی اعدائے دیں

جن کے نعروں سے بنائے شرک متزلزل ہوئی
گر کے پیوندِ زمیں اصنام کی منزل ہوئی

جنکے ڈر سے گر ہی کفر کا ایواں گرا
کاسۂ ہندوستاں سے بادۂ بطلاں گرا

جنکی آہِ گرم سے خاشاک اور خس جل گیا
یعنی خرمنِ گاہِ اوہام و وساوس جل گیا

جو سبق آموز توحیدِ الٰہی کے ہوئے
مرحلے عرفاں کے طے جنکی ہدایت سے ہوئے

ماسوائے حق کو جن لوگوں نے ستاصل کیا
جان کو جان آفریں کی ذات سے واصل کیا

جن کی برکت سے ہوئی تجدیدِ پیمانِ ازل
نقشِ لوحِ دل ہوا مضمون فرمانِ ازل

راہ و دراں میں جو شمع رہنمائی دھر گئے

نام روشن ملت بیضا کا جگ میں کر گئے

آج گو یہ لوگ زیرِ خاک محوِ خواب ہیں — بہرِ امت گوشۂ تربت میں بھی بیتاب ہیں
دائما در وا ہے اُنکے دیدۂ بیدار کا — دیکھتے ہیں حال سب تو ہم ضعیف و زار کا
غافلوں کو خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں سدا — قُم کے آوازے سے مُردوں کو ہلاتے ہیں سدا

چشمۂ فیضانِ جاری انکا صبح و شام ہے
ایک عالم اُنکے میخانے کا دُرد آشام ہے

حلقۂ اہلِ طریقت یا مشائخ کا نظام — جو اُٹھا ہے بن کے مرزہ ہے با صد احتشام
خفتگانِ خاکِ دلی کا ہے فیضِ معنوی — دستگیری ہو جنہیں وا ماندگاں کی لازمی
بہرِ حفظِ علمِ باطن اسنے باندھی ہے کمر — تا نہ آمادہ شرارت پر ہو کوئی اہلِ شر
معترض ہو جب تصوف پر کوئی ہرزہ درا — دے شریعت اُسکو ہے صوفیوں کا طعنہ
انبیاؑ کے علم کے وارث ہیں مردانِ خدا — ہے ازل سے تا ابد جاری یہ دریا فیض کا
اسکا منبع لامکاں کے کوہ کی چوٹی پہ ہے — سیلِ رحمت منزلیں آتا ہے وہاں سے کر کے طے
ایک ہی دریا کی شاخیں ہیں جو ہیں پھیلی ہوئی — سو بسو اطرافِ عالم میں ہیں جو نکلی ہوئی

دقیانوس ایک ہی ہے جسمیں سب گر جائینگی
تا ابد بس بحرِ بے پایاں میں چکر کھائینگی

صوفیوا مسند نشیں تم ہو شہِ لولاک کے — ہو زمانہ میں امیں نورِ خدائے پاک کے
نورِ مہر و ماہ سے جیسے فلک پُر نور ہے — عکسِ رخ سے آپکے گیتی یونہی معمور ہے
نورِ ذاتِ سرمدی کو ملک پر ظاہر کرو — آپ چمکو اور چمکا دو سپہرِ ہند کو

سرزمینِ ہند بھی پُر نور مثلِ طور ہو
جسقدر ظلمت یہاں چھائی ہے سب کافور ہو

غلام محمد طور

ترانۂ حیات

یہ ہمارے ہونہار نوخیز دوست شیخ فضل الٰہی صاحب متعلم مشن کالج دہلی نے انگریزی کی ایک نہایت مقبول اور مشہور نظم سے لیکر اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ اس قسم کی تصوفانہ نظم و نثر کا ذخیرہ غیر زبانوں سے مہیا کرنا نظام المشائخ کا بڑا مقصد ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح عربی۔ فارسی اور سنسکرت کے عارفانہ مضامین اردو زبان میں منتقل ہو کر ملک کی تسلی و تسکین اور اصلاح باطن کا موجب ہونگے +

انساں کی تم نہ سمجھو خواب و خیال ہستی
بخشی ہوئی ہے حق کی یہ لازوال ہستی

کچھ موت ہی پہ انساں کا خاتمہ نہیں ہے!
یہ زندگی حقیقی کچھ واہمہ نہیں ہے

یہ کالبد ہمارا بے شک نہیں رہیگا
"یہ خاک سے بنا ہے پھر خاک میں ملیگا"

سارا جہاں ہے فانی ہر چیز کو فنا ہے
فانی ہے جسم خاکی پر روح کو بقا ہے

اس تو سن جہاں کے تم ہمرکاب رہنا
لازم نہیں ہے تم کو یاں محو خواب رہنا

تم کام تندہی سے کرتے رہو ہمیشہ
فضل خدا پہ رکھو ہر حال میں بھروسہ

مہلت بہت ہی کم ہے اور سیکھنا ہے سب کچھ
سستی میں گر رہوگے تو کر سکوگے کب کچھ!

عمر عزیز اپنی یوں رائیگاں نہ کھو تو!
ہستی سے بیخبر یوں۔ اے بیخبر! نہ ہو تو

ضائع نہ کر یہاں میں اے نوجواں! جوانی
آئیگا جب بڑھاپا۔ تو پھر کہاں جوانی!

یہ قافلہ عدم کو اک دن ہے جانے والا
سمجھے رہو کہ وہ دن ہے جلد آنے والا!

ہوگا عدم کو جس دن یہ قافلہ روانہ
عبرت سے دیکھنے کو آئیگا اک زمانہ

کچھ اپنی زندگی میں تم نیک کام کر لو
کچھ آخرت کا کچھ اہتمام کر لو

گزرے ہیں اس جہاں میں کتنے ہی شخص ایسے — لوح جہاں پہ جنکے کندہ ہیں کارنامے
مانند مہر تاباں - روشن ہیں نام انکے — اوراق دہر پر ہیں منقوش نام انکے
نقش قدم پہ انکے تم صبح و شام چلنا — پیدا اگر ہو کرنا دنیا میں نام اپنا
ہر کام میں اگر تم انکی ہی پیروی کروگے — لاریب اپنے مقصد میں کامیاب ہوگے

اس کارزار ہستی میں ہوشیار رہنا — اچھا نہیں یہاں پر سست و خام رہنا
یاں محو خواب غفلت تم کب تلک رہوگے — کیا اپنی عمر یوں ہی برباد تم کروگے؟
دنیا فنا کی جا ہے اس میں نہ دل لگاؤ — غفلت سے آنکھ کھولو کچھ کام کر دکھاؤ
فسق و فجور دل سے تم اپنے دور کر دو — اور نور معرفت سے دل رشک طور کر دو
جو کچھ گزر چکا ہے اس پر نہ ہو پشیماں — آگے قدم بڑھاؤ بن جاؤ مرد میداں
مستقبل اور ماضی کا فکر بھی عبث ہے — جو رنج میں بسر ہو وہ زندگی عبث ہے

دل میں نہ آرزوئیں موہوم آنے دیجے
اور اپنے کل فرائض کا انصرام کیجے

فضل آہی

ایک محتاج کی صدا

تصویر خیال جہد و بشر سلطان الہند غریب نواز
یہ سر ہے یہ آپ کا در سلطان الہند غریب نواز
اجمیر سے پھر کر جاؤں کہاں؟ پھر دل کی مرادیں پاؤں کہاں
گلیوں میں پھرونگا خاک بسر سلطان الہند غریب نواز

ہوں دونوں جہان سے بیگانہ۔ جلوہ کا تمہارے دیوانہ
قربان! اودھر بھی ایک نظر۔ سلطان الہند غریب نواز

دیکھی ہے بہار دیر بہت۔ بتخانے میں کی ہے سیر بہت
اب در پہ تمہارے سب بستر۔ سلطان الہند غریب نواز

ہوں دُرد کش ہر پیمانہ۔ مدت سے گدائے میخانہ
للہ پلا دے اک ساغر۔ سلطان الہند غریب نواز

رحمت کی گھٹائیں چھا جائیں۔ برسے تو بہاریں آ جائیں
ہو نخل تمنا بارآور۔ سلطان الہند غریب نواز

یہ جسم نحیف و زار کہاں۔ اور آتش ہجر یار کہاں
اس آگ نے پھونکے قلب و جگر۔ سلطان الہند غریب نواز

پھر تیس میں ہر دم آئیں مزے۔ ہاں زخم جگر ہوں اور ہرے
اب خشک نہ ہو یہ دیدۂ تر۔ سلطان الہند غریب نواز

بخشش کی ذرا امید نہ تھی تاباں کی حمایت آپ نے کی
ہے ناز اُسے اب غربت پر۔ سلطان الہند غریب نواز

تاباں۔ از مرادنگر گوالیار۔ خادم خصوصی حلقہ نظام المشائخ

غزل

وہ اُنس مجھے دلکو ہی حضرت کے وطن سے	جو بلبل شیدا کو تعلق ہے چمن سے
کیا لب کو علاقہ ہی ترے لعل یمن سے	کیا گیسو کو نسبت ہے تری مشک ختن سے
سُن لے شہ والا کی صفت میرے دہن سے	بلبل کو بلالائے کوئی جاکے چمن سے

ہم ہی کبھی ان آنکھوں سے وہ دیکھیں گے روضہ
ہم بھی کبھی جائیں گے مدینہ کو وطن سے

جاروب کشی کرتا ہے جو روضہ کی تیرے
بڑھکر ہے وہ رتبہ میں سلاطینِ زمن سے

کھا لیں گے تو بچے سگ گربہ مرا لاشہ
عاشق کو ہے کیا کام بھلا گور و کفن سے

بہ شوقِ مدینہ ہے یہ ہی شوقِ زیارت
میں چوکڑی بھرتا ہوں یا وہ چو ہرن سے

شیشہ سے گزر جاتی ہیں جس طرح نگاہیں
اس طرح گئے آپ پرے چرخِ کہن سے

سورج کے عوض دیکھیں گے دیدارِ محمد
محشر میں جو منہ کھولیں گے ہم اپنا کفن سے

ہر نقشِ قدم آپ کا ہمیں ہو درخشاں
وصلی کی ہے تو قبر تری چرخِ کہن سے

عاشق ہوں فراق احمدِ مختار کے اوپر
الفت ہے ازل مجھکو حسین اور حسن سے

سید ناصر نذیر فراق دہلوی

خمسہ

محبوبوں کی محبوبی آگے ترے شرمائی
خوبوں نے بھی زیبائی خوبی سے تری پائی
یہ دونوں جہاں تیرے کیونکر نہ ہوں شیدائی
اے زندہ ز حسن تو آئین دل آرائی
جاں بندہ روئے توزاں روکہ تو مولائی

ہر جان نہ کیونکر ہو اے جان تری قرباں
آنکھیں ترے کیونکر دیدار کی ہوں جویاں
ہر ایک نہ ہو کیونکر سو جاں سے ترا خواہاں
دلہا ہمہ سوئے توچوں قبلہ نما گرداں
چونت نہ کنم سجدہ چوں کعبہ جاں تمائی

چرچے سے ترے ہر جا معمور ہے ہر محفل
زخمی ہے تری دنیا عالم ہے ترا بسمل
ہر چشم تری مشتاق ہر جان تری گھائل
اندیشہ عشق تو خالی نہ بود یک دل
اے جانِ جہاں پنہاں چوں جاں تو نہانی

اختر دہلوی

رسالہ کی نسبت

ہمت افزا خطوط تو بہت سے آئے ہیں مگر یہاں صرف تھوڑے سے ممتاز مشائخ اور مشاہیر کے خطوط کے خلاصے درج کیئے جاتے ہیں:-

اِس آخری دور کے عارف کامل درویش حضرت حاجی وارث علیشاہ صاحب قدس سرہٗ کے سجادہ نشین جناب مولنا شاہ سید محمد ابراہیم صاحب وارثی رسالہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

محب الفقراء ملاذ الغرباء فرید عصر وحید دہر بحر مواج سخندانی۔ عالم ربانی عالیجناب حضرت مولنا خواجہ حسن نظامی صاحب متعنا اللہ بفضائلہ وحصل اللہ لنا برکتہ بلقائہ۔ پرچہ نظام المشائخ پہنچا

نہادم برسر و بردیدۂ خونبار جا کردم   گرفتم در بر و آئینۂ جاں را جلا کردم

آپکی محنت و مشقت قابل قدر ہے وارد نظام کار جہاں ز لطف تو + کاریست از لطف الٰہی نظام باد

فقیر محمد ابراہیم از دیوہ شریف

جناب نواب میر صدرالدین حسین صاحب قادری رئیس اعظم ریاست بڑودہ۔ و سجادہ نشین حضرت غلام حسین شاہ صاحب قادری اورنگ آبادی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں

حامی الاسلام والمسلمین خیر خواہ امت سید المرسلین جناب فضیلت مآب صوفی محترم زاد عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف۔ رسالہ نظام المشائخ نمبر اول دیکھکر مجھے نہایت مسرت حاصل ہوئی۔ جن اصلاحوں کا آپنے بیڑا اٹھایا ہے اور جو خدمت قوم آپنے اپنے ذمہ لی ہے۔ وہ قابل صد شکریہ ہے جمیع مسلمانان ہند آپکی ذات ستودہ صفات پر فخر کریں تو بجا ہے۔ ایسے محسن ہر عہد اور ہر زمانہ میں میسر نہیں ہوتے بلکہ کئی صدیوں میں بضرورت خاص باشارت ربانی ایسے حامیان قوم پیدا ہوتے ہیں

آپ کی امداد عین امداد دین محمدی ہے۔ آپکی خدمات اسلامیہ کی جتنی قدر کیجائے وہ تھوڑی ہے۔ اللہ جل شانہٗ آپ کو ہر خدمت اسلامی پر کامیاب کرے اور ان پیش جزائے خیر عنایت فرمائے۔ اور اللہ پاک مخلوق کے دلوں میں بھی اپنے محسنوں کی اطاعت و انقیاد کا جوش بھر دے ۔

مجھ نا چیز سے بھی اگر اونیٰ خدمت سپرد کیجائے تو میں بسر و چشم حاضر ہوں۔ دیگر التماس یہ ہے کہ علم تصوف کی نایاب کتب کا عربی زبان سے اردو میں ترجمہ ہونا چاہئے چنانچہ محی الدین بن عربی اور امام عبدالوہاب شعرانی کی کل تصانیف اردو میں ہوجائیں اسکے لیئے کوئی فنڈ جمع کیجئے ۔

میں قوم کے حق میں دار العلوم ندوۃ العلما اور حلقہ نظام المشائخ کو نیک فال سمجھتا ہوں ؎ خزاں کے دن گئے اب موسم بہار آیا ۔

خادم حلقہ میر صدر الدین حسین

پیرزادہ مولوی شیخ محمد عزیز الدین صاحب چشتی خانقاہ نشین شیخ الاسلام حضرت سلیم چشتی رح فتحپور سیکری۔ آگرہ سے رقمطراز ہیں :۔

مُیرے مکرم جناب مولانا حسن نظامی صاحب زاد لطفہ ۔ سلام علیک ۔ آج رسالہ نظام المشائخ پہنچا چونکہ اسکا اشتیاق از حد تھا فوراً اسکو پڑھنا شروع کیا۔ اسکے اول ہی مضمون نے جو اس پرچہ کے شروع میں "گلیم درویشی کی تنگی" کے عنوان سے متصف ہے عجیب و غریب دل پر اثر ڈالا۔ واقعی جو کچھ آپنے تحریر فرمایا ہے بے کم و کاست ہے اگر ہمارے حضرات صوفیائے کرام ذرا غور فرمادیں تو یہ کشمکش جو پھیل رہی ہے بہت جلد دنوں میں دور ہوجائے اس مضمون کے پڑھنے سے پھر تو ایسا شوق پیدا ہوا کہ خورد و نوش کا بھی ہوش نہ رہا۔ اور جب تک کہ اسکو آخر تک نہ پڑھ لیا تسکین نہ ہوئی ۔ مولانا آپنے وہ کام جاری کیا ہے جسکے پڑھنے سے اور اُس پر عمل کرنے سے سیکڑوں مستفیض ہونگے ۔ اور ہزاروں راہ راست پر آدینگے

حلقہ کی کارگزاری

اور ایک

نہایت ضروری یادداشت

خدا کا شکر ہے اب بیماری کے سلسلہ [illegible] کا زور کم ہوگیا ہے جس سے تھوڑا بہت کام کرنے کی ہمت پیدا ہو گئی ہے۔ پچھلے مہینہ میں بھی باوجود کھانسی بخار کی شدت و [illegible] کمزوری کے کچھ نہ کچھ کام جاری رہا۔ البتہ تحریر کے سلسلے میں کمی ہو گئی۔ [illegible] خطوط پڑے رہے جنکا جواب نہ جا سکا۔ حلقہ کی خدمت بھی کم ہو سکی۔ نظام المشائخ کا دوسرا نمبر بھی واحدی صاحب نے مرتب [illegible] اور یہ میرے ذاتی فرض حلقہ کی کارگزاری کو بھی انہوں نے انجام دیا۔

دوستوں کو میری پے در پے علالت سے بہت فکر ہے۔ وہ متردد ہیں کہ اس بے موقع بیماری سے حلقہ کی رفتار میں فرق آجائیگا۔ مگر یہ سب انکی عنایت و محبت ہے [illegible] کام کسی فرد واحد کے سبب رک نہیں سکتے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حلقہ نظام المشائخ [illegible] کی ایجاد و اختراع ہے اور جو کچھ اسکو فروغ ہوا ہے وہ [illegible] ہے۔ ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ جن اغراض و مقاصد [illegible] حلقہ قائم [illegible] وہ زمانہ کا تقاضا اور وقت کی ضرورت سے خود بخود قدرت [illegible] سے پیدا ہو چکے تھے۔ [illegible] اس کام کی ابتدا کرتا [illegible] ضروری [illegible] حلقہ [illegible] ذمہ داری سمجھتے ہیں ان کو چاہیئے کہ

میری ذات پر بھروسہ کیئے اور سر لگائے نہ بیٹھے رہیں بلکہ حلقہ کے اغراض و مقاصد کو سامنے رکھکر اپنی حیثیت اور بساط کے موافق کام شروع کر دیں۔ ہر فرد اپنے تئیں حسن نظامی کی طرح ذمہ دار سمجھے اور لگاتار سعی کرے۔

لہٰذا آج میں اپنے بعض منصوبوں اور خیالات کو علانیہ ظاہر کیئے دیتا ہوں تاکہ ہر شخص کے سامنے کام کرنے کا ایک اصول قائم ہو جائے اور جو کام میں نہ کر سکوں وہ کوئی دوسرا پورا کر دے۔

میرے خیال میں مشائخ صوفیہ کے لیئے دو کام بہت ضروری ہیں جو تمام فروعات کے اصل اصول ہیں۔ پہلا کام دینی ہے اور دوسرا دنیاوی۔ مگر حقیقت میں وہ دونوں باہم ایسے لازم ملزوم ہیں جیسے اسلام میں دین و دنیا کا تعلق مانا گیا ہے۔ دینی کام تو یہ ہے کہ نئے زمانہ کے سائنس و فلسفہ نے عالم میں مذہبی بے تعلقی اور روحانی کمزوریاں پیدا کر دی ہیں ان کو اسلامی تصوف کے ذریعہ سے روکا جائے۔ اور جس طرح ہندو فقرا یورپ و امریکا میں اپنا تصوف پھیلانے میں کامیاب ہوئے مسلمان درویش بھی ادھر متوجہ ہوں اور اس خطہ کے سامنے اپنے عقائد پیش کریں جو ہندو ویدانت کی باریکیوں اور ناممکن العمل دشواریوں کے مقابلہ میں اسلامی تصوف کی صاف و آسان سیدھی سادی روش کو بہت جلدی قبول کر سکتا ہے۔

اسکی تیاری کیونکر ہو

کہنے اور سمجھنے کو ہر شخص اس ضرورت کو کہتا اور سمجھتا ہے مگر عملدرآمد کے طریقہ پر کوئی غور نہیں کرتا۔ اسواسطے یہ مرحلہ بہت دشوار اور مایوسی بخش نظر آتا ہے۔ یورپ و امریکا میں کام کرنے کے لیئے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ اس ملک کی زبان اور عقائد سے آگاہ ہو۔ دوسرے اپنے مذہب سے اتنی خبرداری ہو کہ غیر کو آسانی سے سمجھا سکیں۔ تیسری بات ان دونوں سے زیادہ اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ دل میں کام کرنے کا سچا اور پکا جوش اور خلوص ہو۔

انصاف سے دیکھا جائے تو مسلمانوں میں اسکی بہت کمی ہے۔ جو انگریزی جانتے ہیں اُن کو اپنے مذہب سے واقفیت نہیں۔ جو اپنے مذہب سے آگاہ ہیں وہ انگریزی نہیں جانتے جو خوش قسمتی سے یہ دونوں وصف رکھتے ہیں اُنکو اسطرف توجہ نہیں۔ اصل میں کسی قسم کا احساس نہیں رکھتے۔ اِن حالات کو مشاہدہ کرکے ہمتیں پست ہوئی جاتی ہیں۔ مگر جب ہندوؤں کے کارناموں پر غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اِنکے اہل جستجو، مذہبی کام کرنے والے اور یورپ میں جاکر دھرم کا ڈنکا بجانے والے ہوتے ہیں وہ سب جدید تعلیم یافتہ تھے۔ اِن میں سے بہت کم ایسے تھے جنھوں نے سنسکرت زبان کو ضرورت کے موافق حاصل کیا ہو بلکہ محض انگریزی ترجموں سے مدد لیکر اُصول ویدانت سے باخبر ہوئے۔ اور پھر قدیمی سادھوؤں کا لباس پہنکر یورپ پر حملہ کردیا چونکہ یورپ کو روحانیت کی تشنگی آج کل بہت ہے اِنکے لکچروں کو گرویدگی سے سُنا گیا۔ اور ہزاروں آدمی ہندو بن گئے۔

مسلمانوں کے لیئے آسان طریقہ

پس اب مسلمانوں کو بھی اِس سہل اور آسان طریق سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اگر انگریزی تعلیم کی مصروفیت کے سبب انکو عربی فارسی کے مذہبی خزائن حاصل کرنیکا موقع نہ ملا تو اُنکو چاہیے کہ ہندوؤں کیطرح ترجموں سے فائدہ اُٹھائیں۔ اسمیں دو خوبیاں اور ایک خرابی ہے۔ خوبیاں یہ ہیں کہ اوّل تو انگریزی داں نوجوانوں کو انگریزی کے ذریعہ سے فہم مطالب میں آسانی ہوگی۔ دوم جن لوگوں میں انکو مذہب کی اشاعت کرنی ہے انہی کے ترجمے پڑھنے سے اِنکے اندرونی جذبات اور میلان کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور یہی ایک ایسی چیز ہے جس سے ایک انسان دوسرے پر قابو پا سکتا ہے۔

خرابی یہ ہے کہ انگریزی ترجموں میں عموماً ذاتی رائے کو بھی شامل کیا گیا ہے جس سے اصل مضمون میں گڑبڑ ہوگئی ہے۔ اسکی اصلاح یوں ہوسکتی ہے کہ ایک جماعت مسلمانوں کی

مقرر ہو جو تمام ترجموں کا صحیح انتخاب کرکے نوجوانوں کو دے۔ لیکن

پھر وہی مشکل

پیش آتی ہے کہ یہ جماعت کہاں سے آئے جو مضامین کو انتخاب کرے۔ میں کہتا ہوں کچھ مشکل نہیں ہے تلاش چاہیئے ایسے آدمی مسلمانوں میں سیکڑوں ملیں گے جو یہ کام انجام کو پہنچا دیں تلاش اور فراہمی میں حلقہ کے خدام کو توجہ کرنی چاہیئے۔

دینی ضرورت کی ایک شاخ تو یہ تھی کہ یورپ میں اسلامی تصوف پھیلایا جائے اور دوسری شاخ یہ ہے کہ خود ہندوستان میں اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری ہو۔ اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔ اول تو کچے نومسلموں کو پختہ بنانا۔ دوم نیچ ذات کے ہندوؤں کو دین میں شامل کرنا۔ اِسپر عملدرآمد کرنیکے لیئے جو قواعد میں نے سوچے ہیں انکو علانیہ لکھنے کا موقع نہیں ہے۔ جو شخص دل میں کام کرنے کا جوش رکھتا ہوگا۔ اُسکو وہ سب بتادیئے جائینگے۔ مگر اسقدر ظاہر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پانچ کروڑ انسان اِس ملک میں نیچ ذات ہونیکے سبب اُدھر میں پڑے ہوئے ہیں۔ قبل اسکے کہ آریہ سماج اپنی پولیٹیکل پالیسی سے ان مظلوم لوگوں کو اپنے میں ملائے مسلمان ہمت کرکے آگے بڑھیں۔ اور ان بے یار و مددگار قوموں کو اسلام میں شریک کریں۔ غریب اور بے زبان نیچ ذات کے ہندوؤں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اسلام جیسے صاف سیدھے اور مساوات قائم کرنے والے مذہب میں شامل ہوں ورنہ اور کسی مذہب میں انکو ایسی آزادانہ جسری میسر نہ آئے گی۔

نیچ ذات کے ہندوؤں میں لاکھوں بلکہ کروڑوں حضرت امام حسینؓ حضرت مولیٰ علیؓ اور مسلمان فقرا و شہدا کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ اور انکے دل میں اولیاء اللہ کی محبت ایسی راسخ ہوچکی ہے کہ ادنیٰ سی کوشش کی فوج در فوج دائرہ اسلام میں جائینگے

ضرورت صرف یہ ہے کہ اخلاقِ اسلامی کو حکمت او موعظہ حسنہ سے استعمال کیا جائے۔

ایک اَور ضروری بات

ان بیرونی امور پر عملدرآمد ہونے سے پہلے میں مشائخ زادوں کی اولاد میں تعلیم کی اشاعت ضروری تصور کرتا ہوں۔ حضرات فقراء اور مشائخ عظام کا اپنے فرائض سے بیخبر ہونا پائی بے علمی کے سبب ہے۔ اجمیر شریف میں مدرسہ تصوف قائم ہوگیا ہے جسکے مفصل حالات عنقریب شائع کیے جائینگے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ تمام ہندوستان کے مشائخ میں ایک ایسی تحریک پیدا کی جائے کہ وہ اپنی اولاد کو اس مدرسہ میں تعلیم کیلئے بھیجیں۔ اور اس درسگاہ کو اپنی متفقانہ سعی سے اس قابل بنادیں کہ علیگڈھ کالج کی طرح دینی روح کی اشاعت کا مرکز قرار پاجائے۔ نیز میرا یہ ایک دیرینہ خیال ہے کہ

تصوف کا اُردو کورس

تیار کیا جائے۔ جس طرح انجمن حمایت اسلام لاہور وغیرہ نے اسلام کی پہلی دوسری کتاب کے نام سے تعلیم دین کا نہایت آسان اور مفید سلسلہ نکالا ہے اور ملک میں عام طور پر پسند کیا گیا ہے اسی طرح تصوف کا نصاب اردو زبان میں لکھا جائے جسمیں دینی تعلیم تصوفانہ انداز سے دیجائے۔ جس اسلوب کا اسکی صورت میرے ذہن میں ہے افسوس کہ مختصر الفاظ میں اسکا ادا کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے بعض حضرات اس تجویز پر خندہ زنی کرینگے۔ مگر خدا کو منظور ہے تو پہلے تصوف کا قاعدہ بچوں کے پڑھنے کے لیے لکھکر شائع کیا جائیگا۔ اس نمونہ سے ناظرین کو میرا منشا سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

قصہ مختصر دینی خدمت کے اصول ظاہر کرنے میں قطع نظر ان باتوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جہانتک ظاہری کوشش کو باطنی مدارج حاصل کرنیسے تعلق ہے

ایسی سعی کرنی چاہیئے کہ لوگوں میں ایک مؤثر کیفیت اور روحانیت پیدا ہو جائے۔
دوسری بات جسکا تعلق دنیا سے ہے۔ زمانۂ قدیم کے خیالات سے بالکل جداگانہ ہے
جو شخص اس رائے کو سُنیگا متعجب ہوگا مگر آخر کار اُسکو ماننا پڑے گا کہ بیشک اس زمانے
میں بغیر اسکے چارہ کار نہیں۔ یہ وقت خاموش اور خانہ نشین قوموں کے لیئے

نشانِ فنا

ہے۔ کیونکہ شخصی حکومت کا دور دنیا سے اُٹھتا جاتا ہے۔ افراد میں تاجداری کے جواہر
اس شان سے تقسیم ہو رہے ہیں کہ ہر شخص اپنے وجود کو ملک کا سلطان تصور کرتا ہے
ایسے انقلابی ایام میں جو افراد اس قدرتی تقسیم کے حصہ کو اپنے طریق کے خلاف سمجھکر
حاصل نہیں کرینگے وہ دوسرے افراد کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائینگے۔ اِسکی مثال
آجکل موجود ہے یورپ میں عیسوی مذہب کے خلاف ایک ولولہ پیدا ہو گیا ہے۔ دینی
پیشواؤں کا قدم حکومت کے ایوان سے جبرًا نکالا جا رہا ہے۔ فرانس کے ملک میں
پادریوں کے ساتھ ایسی ناروا زیادتیاں کی گئیں جنکو کوئی مذہبی آدمی برداشت نہیں کرسکتا
مجکو اسی زمانہ میں اندیشہ ہوا تھا کہ یورپ کا یہ الحادی فتنہ عیسائی مذہب تک محدود
نہیں رہیگا۔ اسکا اثر ترکی حکومت کے نوجوانوں پر بھی پڑے گا۔ اور وہ اسلامی پیشواؤں
سے اسی قسم کا سلوک کرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سلطان کو معزول کرکے نوجوان ترکوں
نے تمام مذہبی مقتداؤں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اور حضرت مولانا سید ابو الہدیٰ رفاعی جیسے
قطبِ زمانہ بزرگ کو جیل کی تاریک کوٹھڑی میں ڈال دیا جہاں وہ پیر مرد سسک سسک کر
راہیٔ ملکِ بقا ہوئے ؛

زمانہ کے ان آثار کو مشاہدہ کرکے میں چاہتا ہوں کہ دینی مقتدا ابھی اپنے بازوؤں کو
مضبوط کرلیں اور اپنے لقب صوفی کو صف بندی سے تعبیر کرکے اخلاقی کارزار میں صف آرا ہوں

برآمد ہوں۔ اگر مشائخ صوفیہ میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا تو نوجوان ترکوں کی مجال تھی کہ خرقہ پوش درویشوں پر ایسے ظلم کر سکتے۔ اب بھی موقع ہے کہ صوفی یکجہتی سے اپنی جماعتی اندرونی طاقت پیدا کریں کہ زمانہ کی سختیاں انکا کچھ نہ کر سکیں ⁎

ہندوستان میں بھی آزادی کی ہوا چلنی شروع ہو گئی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہاں بھی افراد حکومت کرینگے۔ اسوقت ہندوں اور مسلمانوں کے دینی رہبروں کو آزاد خیال نوجوان ملک بدر کرنیکی کوشش کرینگے۔ اسکا اثر موجودہ پولیٹکل تحریک میں بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ ہندو کانگریس میں بھی مذہب کا نام نہیں آتا۔ اور مسلم لیگ میں بھی افراد مذہب سے بے توجہی برتی جاتی ہے۔ اصلاحی اسکیم میں ہر شخص منشا ہو کر لیگا کہ حقوق تاجروں وکیلوں۔ زمینداروں کو ملیں گے۔ وہ مذہبی پیشوا جو ملک کے اصلی لیڈر ہیں ان حقوق سے محروم رہیں گے۔ ان کا کہیں ذکر نہ ہوگا۔ اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جنکا جو کام ہے وہ انہیں کو دیا جائے گا دنیاوی کاروبار سے دینی رہبروں کو کیا سروکار۔ مگر یہ بڑی غلط فہمی ہے اسی دنیاوی کام پر دینی امورات کا انحصار ہے۔ اگر مشائخ وعلما کے ہاتھ میں دنیاوی حکومت نہ آئی تو ایک دن انکی دینی حکومت بھی چھن جائے گی ⁎

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسپر تمام مشائخ وعلماء کو خصوصاً اور ہندوستان کے دیگر مذاہب کے پیشواؤں کو عموماً حفظ ماتقدم کا فکر کرنا چاہیے ورنہ سخت خسارت کا سامنا کرنا پڑے گا جسکا دفعیہ ناممکن ہوگا ⁎

اسلام میں تو دین دنیا باہم لازم ملزوم ہیں۔ اس اعتبار سے مشائخ وعلما کا دنیاوی حکومت کا طلبگار ہونا نا روا فعل نہیں ہے۔ لہذا چاہیئے کہ انگریزی گورنمنٹ کے سامنے مشائخ صوفیہ بھی اپنا وجود قائم کر کے دکھائیں ⁎

مجکو مسلم لیگ کے کارکنوں سے بھی امید ہے کہ وہ مذہبی مقتداؤں کا اقتدار اسی طرح قائم رکھنے کی کوشش کرینگے جسطرح اسلامی حکومت کے عہد میں قائم تھا اور انگریزی

حکومت بھی صوفیوں کی زبردست جماعت کا ساکن و جود قلیل جماعتوں کے متحرک اجسام میں جذب نہ ہونے دیگی۔ مگر یہ سب جب ہی ہوگا کہ صوفی بھی قدم آگے بڑھائیں +

الغرض اس مختصر یادداشت کے بعد جس پر عمل درآمد کرنا یا ہونا میرا مقصود ہے اب حلقہ کی ماہانہ کارگزاری پیش کیجاتی ہے +

خدا کے فضل سے اس ماہ میں حلقہ کا اثر اکابرین ملت میں خاصا ترقی پذیر رہا۔ بعض نامور مشائخ سے اغراض حلقہ کی نسبت نامہ و پیام کامیاب ثابت ہوا۔ پنجاب کے ایک مشہور بزرگ سے عزیزم واحدی صاحب کی حلقہ کے متعلق نہایت دلچسپ خط و کتابت ہوئی ہے۔ جسکا شائع کرنا سردست مناسب نہیں ہے۔ لیکن اسقدر لکھدینے میں کچھ حرج نہیں کہ بعض مشائخ صوفیہ اپنے اصلی مرکز سے ناآشنا ہو گئے ہیں۔ حلقہ کی تحریک کو خلاف طریقت کہتے ہیں۔ اور کار دنیا بتاتے ہیں لیکن غنیمت ہے کہ سب ایسے نہیں ہیں۔ اراکین حلقہ نے اسوقت سب سے مقدم کام یہ تصور کیا ہے کہ مشائخ ہند کو اغراض حلقہ سے آگاہی ہو جائے۔ میں بھی اس رائے کا شریک ہوں۔ لہذا بلا استثنا تمام چھوٹے بڑے مشائخ سے خط و کتابت کیجارہی ہے۔ اور انکو حلقہ کی ضرورت سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فیصدی اسی مشائخ اس تحریک کو ضروری تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہی ہماری

نمایاں کامیابی

کی علامت ہو۔ اور اسی سے آیندہ ترقی کی امید ہیں قائم ہوتی ہیں۔ اس ماہ میں دو جلسے بہت معقولیت اور رونق کیساتھ ہوئے پہلے جلسہ میں دہلی کے نامور رئیس شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب بھی شریک تھے جنہوں نے نئی روشنی اور پرانی روشنی کے فرق پر نہایت فاضلانہ تقریر فرمائی۔ اور تصوف کی حقیقت کو موثر پیرایہ سے بیان کیا۔ اسکے بعد اغراض حلقہ کی نہایت پرزور الفاظ میں تائید کرتے ہوئے شرکت حلقہ

خواہش ظاہر کی۔ اور وعدہ فرمایا کہ حاضر و غائب حلقہ کی خدمت گزاری کرتا رہونگا۔ اور اپنے خاندان کو بھی شرکت و تائید حلقہ پر آمادہ کروں گا۔ پھر مبلغ پچیس روپیہ نقد حلقہ کے نذر کیے۔ اور فرمایا کہ سر دست ایک روپیہ ماہوار اخراجات حلقہ کے لیے مقرر کرتا ہوں مگر اس نذر کو محدود نہ سمجھا جائے آیندہ حسب موقع اسکی افزونی ہوتی رہے گی۔

حکیم صاحب حضرت شیخ الاسلام بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد میں ہیں اور دہلی کے ممتاز عمائدین میں تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ابھی حال میں انگریزی سرکار سے شفاءالملک کا خطاب پایا ہے۔ ایسے ذی حیثیت حضرت کا حلقہ کی خدمت کے لیے تیار ہوجانا بتاتا ہے کہ حلقہ کیا چیز ہے؟ جس کی ضرورت کو ہر طبقہ میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس ماہ میں تجویز کیا گیا کہ ہفتہ وار جلسہ کی بجائے ماہانہ جلسہ ہونا چاہیے۔ منزلگاہ میں لوگوں کا جمع ہونا اور مضامین تصوف پر کلام کرنا برابر جاری رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ جلسوں کے بعد اور کوئی جلسہ نہیں کیا گیا۔ البتہ روزمرہ کی صحبت ہنوز باقی ہے۔ اب رمضان المبارک کی اکیسویں کو

ایک بڑا جلسہ

قرار پایا ہے۔ جو علاوہ سیدنا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے یوم عرس ہونیکے حلقہ کی پہلی سالگرہ کا دن ہے۔ امید ہے کہ یہ جلسہ خاص اہتمام سے ہوگا اور بیرونجات کے شائقین بھی اسمیں شریک ہونگے۔

حلقہ کے کئی خدام انگریزی اور عربی کتب کے تراجم میں مصروف ہیں۔ عنقریب یہ ترجمے چھپ کر شائع ہوجائینگے۔ ریواں کی ریاست میں حلقہ کا اثر بڑھتا جاتا ہے حلقہ کے نائب مولوی عمر دراز صاحب نظامی نے ایک طولانی فہرست نئے خدام کی بھیجی ہے اسیطرح منشی کریم الدین صاحب نظامی ساکن قصور نے چند حضرات کو حلقہ کی خادمی میں شریک کرایا ہے۔ براہ راست بھی ایک خاص تعداد شریک حلقہ ہوئی ہے۔ مطبوعہ عہدنامے

تے ہیں۔ ہر خادمِ حلقہ پر فرض ہی کہ یہ عہدنامے منگا کر لوگوں کو شرکت حلقہ پر آمادہ کرے
یہ کاغذات مفت بھیجے جاتے ہیں ✤

مولوی محمد اکرم صاحب فاروقی رئیس محمد آباد ضلع اعظم گڈھ نے ایک کتاب مصباح الاسلام
جسکی تشریح کسی دوسری جگہ درج ہے حلقہ کی نذر کی ہے۔ اسیطرح مولوی ہدایت احمد صاحب
مجتبوی نے لاہر پور سے جناب مولانا حاجی شاہ محمد اسمٰعیل صاحب لاہر پوری کے
تالیف کردہ رسالوں یعنی کشف الرموز۔ مصقلۃ الاولیاء۔ صحیح البیان مکتوبات حضرت
شاہ محب اللہ قلندر رح کی ایک ایک کاپی ارسال کی ہے ✤

ریاست بڑودہ کے مشہور صوفی منش رئیس جناب نواب میر صدرالدین حسین خانصاحب
نے پچیس کاپیاں رسالہ علاج ظلم کی حلقہ کو پیش کی ہیں۔ نوابصاحب گجرات کے علاقہ میں
اس قسم کے بیسیوں مفید رسالہ چھاپ کر مفت تقسیم کیا کرتے ہیں۔ رسالہ علاج ظلم بھی انہی
افادات میں سے ہے۔ حلقہ نے ۲ فی کاپی اسکا ہدیہ مقرر کیا ہے۔ ۲۴ کاپیاں فروخت
کردی جائیں گی۔ اور ایک کاپی حلقہ کے کتبخانہ میں رہیگی ✤

اس ماہ میں بیسیوں خطوط حلقہ کی تائید میں موصول ہوئے۔ مگر جس تحریر نے اہل
حلقہ کو خاص طریق سے متاثر کیا۔ وہ تیموری نسل کی یادگار جناب شہزادہ میرزا احمد اشرف
صاحب بی۔ اے ڈپٹی کلکٹر منچن آباد کا نامہ ہے۔ آپ باوجود مشاغل دنیاوی حکومت کے
صاحب دل آدمی ہیں اگرچہ اُنکا منشا اسکے خلاف ہی مگر اُنکے خط کا اقتباس یہاں درج
کرنا فائدے سے خالی نہیں۔ چنانچہ آپ حلقہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں ؛

"یہ کام دینی خدمات میں سب سے زیادہ اہم سب سے زیادہ ضروری سب سے زیادہ"
"مقدس اور سب سے زیادہ پیارا ہی۔ خدا کا کام ہے۔ اُسی کو بسلئے پورا کر سکی قاج ہی"
"مجکو یقین کامل ہے اور اس یقین پر میں سر میں سفید بال آنے سے پہلے سے"
"قائم ہوں کہ اگر مسلمانوں کی قومی۔ تمدنی۔ مالی۔ دینی اصلاح ہوگی تو تصوف"

یت ہوگی۔ ورنہ دوسری طرح کی تمام کوششوں کا نتیجہ صرف جزوی اور
قلیل الوسعت کامیابی ہوگا۔
مجکو آپکی ہمت اور ارباب حلقہ کی استقامت سے بہت سی امیدیں
ہیں۔ اور جسطرح مجکو یہ امیدیں ہیں اسیطرح ہر ایک شخص کو جو حلقہ سے
ہمدردی رکھتا ہے علی قدر احساس اسی قسم کی امیدیں ہیں۔ ان امیدوں
سے ارباب حلقہ پر بڑی ذمہ داری کا بوجھ آگیا جسکا ان حضرات کو پورا احساس
ہوگا۔ اور انکو اب اپنی زندہ مثال سے یہ دکھانا لازم آیا ہے کہ تصوف سے
دنیادی اور دینی زندگی یعنے طلب معاش اور سعی معاد۔ پر کیا اثر پڑا کرتا ہے۔
دعوت زبانی اور دعوت قلمی کا اثر دیرپا نہیں جس سانچے میں زندگی اور
اوقات ڈھلتے ہیں وہ صحیح معیار ہے۔ اور پبلک اُسی معیار پر قبول کی
بنیاد رکھتی ہے۔ ارباب حلقہ کو اپنے اوقات پختگی کے ساتھ اس طرح
گزارنے پڑینگے کہ مسلمانوں کو اُن میں سوائے مرغوبیت اور محبوبیت کے
اور کچھ نظر نہ آئے اور اُنکو دیکھنے سے اسلاف اتقیا کی یاد تازی ہو جائے۔
برادران حلقہ! اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔ آپ کو ہمت دے کہ
ایک نمونہ صحابہ کرام کی للہیت۔ اگر اصلی نہ ہو سکے تو ایکٹ کر کے ہی دکھادیں
جنید و شبلی و عطار رحمہم اللہ تعالیٰ اسے انگریزی خوانوں کو متعارف کرائیں
محی الدین بن عربی کو ہل اور سپنسر کے ساتھ الماریوں میں لگادینے آئے
کو پھر مولانا کے دربار سے پہنچا دیں۔ بیٹھے ہوئے گلہ کرنے کا بان ہمت کا
احاطہ کا نمونہ دکھادیں۔ خداوند کریم آپکے ہاتھ سے قلم سے زبان سے زندہ
مثال سے اہل اسلام میں زندہ دلی کی روح پھونکے اور مُردہ جذبات کو زندہ
کرے۔ اگر ہاتھ طلب معاش میں مصروف ہوں۔ تو سعی حلقہ سے اُنکے

قلب مریض محبت سے مؤوف ہوں خون میں محبت رسول موجزن ہے"
تو دل و دماغ میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہے"۔

"اے کریم و رحیم۔ اپنے عاجز۔ بے کار۔ کمزور بندوں سے اپنے دین کی"
خدمت کا سر انجام کرادے۔ خدایا ان کے ہاتھوں بچھڑوں کو ملادے"
ان کے ہاتھوں میں یہ طاقت دے کہ پردے دلوں پر سے اٹھا سکیں"۔
یہ جو دیکھنا چاہیے دکھا سکیں۔ قیامت میں تیرے حبیب کے دربار میں یہ
تیرے حبیب کے خادم سرخرو ہو کر جائیں۔ اور جن آوارگان دشت مجوبی کو یہ
ہاتھ پکڑ کر لائے ہیں انکو پیش کر سکیں۔ اور اپنی خدمتگزاری کا صلہ پائیں"

تمنائیں دل کی برآئینگی ساری ۔۔۔ تبسم سے میری طرف دیکھ لینا

"صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیک یا شفیع المذنبین ویا رحمۃ للعٰلمین"
والسلام علیٰ من تبعہ واتباعہ" دعاگو و طالب دعا محمد اشرف از پنجن آباد

اس مہینہ کی آمد و خرچ کا حساب حسب ذیل ہے

بقایا سابقہ موجودہ	۱۱۳۱/ ۳/
جناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب رئیس دہلی یکمشت برائے مصارف حلقہ	۵/
(الف) بابت ماہ رجب و شعبان ۱۳۳۲ھ برائے مصارف حلقہ ۔۔۔	۲/
جناب لوی میرزا محمد اشرف صاحب گورگانی بی اے۔ ڈپٹی کمشنر پنجن آباد ۔۔۔	۲/ ۸/
جناب منشی امین الدین صاحب جے پور برائے مصارف حلقہ ۔۔۔	۱/
میزان آمد ۔۔۔	۱۱۹۵/ ۱۰/
بابت خرید رجسٹر برائے دفتر حلقہ و چھپائی نوٹ پیپر وغیرہ ۔۔۔	۵/
بابت خرید کتب برائے کتب خانہ حلقہ ۔۔۔	۳/
میزان خرچ ۔۔۔	۸/
	۱۱۸۷/ ۱۰/

برکت کا موسم

رمضان المبارک مسلمانوں کے لیے ایک عجیب بابرکت موسم ہے۔ ہر ایک بد مسلمان پر ان ایام میں کچھ نہ کچھ رحمت کا اثر پڑتا ہے۔ جو لوگ سال بھر نماز کے پاس نہیں جاتے اس موسم کی تاثیر سے خود بخود نمازی بن جاتے ہیں۔ باوجود انقلاب عظیم مسلمانوں سے روزوں کی الفت سلب نہیں ہوئی۔ اس گئے گذرے وقت میں بھی فیصدی اسّی مسلمان روزے رکھتے ہیں۔ مگر بہت کم ایسے ہیں جو روزے کے باطنی درجوں سے آگاہ ہوں۔ مشائخ صوفیہ نے روزے کے تین درجے مقرر کیے ہیں +

ایک عام ۔ دوسرا خاص ۔ تیسرا خاص الخاص ۔ عام روزہ تو ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ کھانے پینے اور حوائج نفسانی سے باز رہنے کا نام روزہ ہے ۔ خاص روزہ یہ ہے کہ کان ۔ ناک ۔ آنکھ زبان ہاتھ پاؤں اور سب اعضائے جسم گناہوں سے محفوظ رہیں ۔ اور خاص الخاص روزہ کی شرط یہ ہے کہ دل تمام افکار غیر اللہ سے بچا رہے یعنی سوائے ذاتِ واحد کی محویت کے اور کسی کا لگاؤ دل میں نہو +

اس موسم میں ایک خاص رات آتی ہے جو خود قدر والی ہے اور اپنے قدر کرنے والوں کو تجلیات قادر کا جلوہ دکھاتی ہے ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اس نورانی رات کے اسرار حاصل کرو تو رمضان المبارک کے آخیر عشرہ میں رات کا سونا بالکل ترک کردو ۔ ذکر و فکر میں اس رات کے گھنٹوں کو صرف کرو +

اس موسم میں باعتبار طب مسلمانوں کی صحت تمام قوموں سے عمدہ ہو جاتی ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی باطنی صحت بھی قوی بنائیں ۔ اور وہ قرآن خوانی اور شب بیداری سے حاصل ہوتی ہے ۔ اس موسم میں ہر نیکی کا بدلہ اور موسموں کی نسبت زیادہ

دیا جاتا ہے۔ لہذا جہاں تک ممکن ہو۔ زبان سے۔ ہاتھ سے۔ روپیہ پیسے سے نیک کام کرنے کی کوشش کرو۔ حلقۂ نظام المشائخ ایک خاص نیک نیتی کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اس کی تائید اس موسم میں کی گئی ثواب کا موجب ہوگی۔ صاحب مروت لوگوں کو چاہیئے کہ حلقہ کے دینی اخراجات کے لیئے مالی مدد دیں۔ اسیطرح دیگر حضرات زبان وقلم سے اِسکی اعانت میں حصہ لیں۔ نیز صاحب حال اور مقبولان بارگاہ الٰہی حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اُن اوقات خاص میں جو اس ماہ مبارک میں عطا ہوتے ہیں مسلمانوں کو فراموش نہ کریں اور انکی دین ودنیا کی بہتری کے لیئے دعائیں مانگیں۔ خدا تعالےٰ ہم سب پر اپنے فضل وکرم کی تجلیاں نازل فرمائے۔ آمین

دعاگو حسن نظامی

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

افسوس ہے کہ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کے اہلخانہ کا ٹن دن کی علالت کے بعد تیسری رمضان کو صبح کے وقت انتقال ہوگیا مرحومہ کے انتقال سے ۲ روز پیشتر پسر تولد ہوا تھا اُسکے ۵ دن بعد حالت بگڑ گئی۔ بہتیرا علاج کیا گیا مگر موت سے کون بچ سکتا ہے۔ آخر اتنی مختصر سی علالت کے بعد ایک تین برس کی دختر اور ایک پسر نوزائیدہ کو چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدائے پاک انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین (واحدی)

معذرت

حضرات ناظرین! اس دفعہ ہمارا مصمم ارادہ تھا کہ اپنے وعدہ کے موافق رسالہ کو پورے ۴۸ صفحے پر شائع کریں۔ حضرت خواجہ صاحب کا رگزاری حلقہ لکھنے کے بعد "موسمی بشارت" کے عنوان سے رمضان المبارک کے متعلق دس صفحہ کا ایک نہایت دلچسپ ضروری اور مفید مضمون لکھنے والے تھے۔ مگر حضرت خواجہ صاحب کو ان کے اہلخانہ کی علالت اور منصبہ بالا افسوسناک سانحہ نے اس بسیط مضمون کے لکھنے کا موقع نہ دیا۔ انشاءاللہ اگلے رسالہ کا حجم آپ ۴۸ صفحے دیکھیں گے۔

(واحدی عفی عنہ)

رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ — اکتوبر ۱۹۰۹ء

جلد ۱ — نمبر ۴

قیمت سالانہ عہ

چونکہ ۔۔۔ کے لئے ۔۔۔

نظام المشائخ

ماہواری رسالہ جو تمام سلسلوں کے صوفیوں کا ترجمان ہے

اعلیٰ مدیر: حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی

نائب مدیر: خادم الفقراء سید محمد ارتضےٰ واحدی دہلوی

فہرست مضامین

(دنیا کی آبادی میں تین چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے)

قیمت سالانہ مع محصولڈاک درجہ خاص ۸ درجہ اول ۵ درجہ دوم ۲ درجہ سوم ۱ مقرر ہے۔

(نوٹ) درجہ خاص اور درجہ اول کی آمدنی مصارف حلقہ نظام المشائخ میں خرچ کی جائیگی۔

میرزا عبد الغفار کے افضل المطابع دہلی میں چھپوا کر سید محمد ارتضیٰ واحدی نائب مدیر نے دفتر حلقہ نظام المشائخ دہلی سے شائع کیا

قیمت فی پرچہ ۴ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام المشائخ

سید الطائفہ جنید بغدادیؒ

حضرت جنید رح کی ولادت اور نشوونما کا مقام تو یہی شہر بغداد تھا جو آپکے مبارک نام کے ساتھ ملکر اسکا ایک ضروری جزو بن گیا ہے۔ لیکن آپ کا سنہ پیدائش سوانح نویسوں نے ایسا چھپا کر رکھا ہے کہ اسکا ٹھیک بتانا دشوار بلکہ محال ہے۔ مگر کھوج لگانے سے جو کچھ پتہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اسکا فخر بھی تیسری صدی ہجری کے اُسی زمانہ وسطی کو حاصل ہے جو اسلامی عروج اور علمی خیر و برکت کیلئے مشہور و معروف چلا آتا ہے اور جس میں خدا کی رحمت اور خلیفہ مامون الرشید کی کوششوں سے دینی اور دنیوی فنون کے وہ باکمال جمع ہوگئے تھے کہ ان جیسے بمشکل سے نظر آئے۔

آپکے والد بزرگوار جناب محمد ایک معمولی شخص تھے جو کبھی شیشے اور کبھی چمڑا بیچکر گزر اوقات کرتے تھے۔ اور ددھیال میں بھی کوئی ایسا شخص لائق نہ تھا جو قابل ذکر ہو۔ ہاں ننھیال میں پیشوائے کرخیاں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے لاجواب بزرگ تھے جو اسوقت کے اہل طریقت کے امام اور حقیقت و معرفت کے آفتاب بنے ہوئے تھے آپ

حضرت جنیدؒ کے ماموں تھے اور آپ ہی کی توجہ اور تعلیم سے حضرت جنیدؒ کو یہ رتبہ اور درجہ ملا کہ سید الطائفہ بن گئے +

آپ کا بچپن

حضرت سری سقطیؒ بھانجے کی اہلیت اور مذاق کو اُس کے ہوش سنبھالتے ہی تاڑ گئے تھے۔ اور اسی لیے بہت تھوڑی عمر سے روحانی اور اخلاقی باتیں چٹکلوں میں اِس ننھے صوفی کو بتایا کرتے تھے جو سادہ لوح دل پر کالنقش فی الحجر ہوجاتی تھیں +

ابھی جنیدؒ ساتویں ہی سال میں تھے کہ سری سقطیؒ انہیں اپنے ساتھ حج کو لے گئے یہ سفر ان کے لیے بہت مفید ہوا۔ حضرت سری سقطی کے ہمرکاب سیکڑوں اہلِ باطن درویش تھے جو راستے بھر مسائلِ تصوف پر گفتگوئیں کرتے چلتے تھے۔ چھوٹے سے جنیدؒ ان کی باتوں کو بڑے غور و فکر کیساتھ سُنتے۔ اور دل ہی دل میں ولایت اور خدارسی کے لیے تیار ہوتے۔ جنیدؒ میں مادہ اور مادۂ ولایت تھا۔ مکہ معظمہ پہنچ جانیکے بعد ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت سری سقطی حلقہ کیے ہوئے بیٹھے مسئلہ شکر پر بات چیت کر رہے تھے۔ ہر بزرگ نے اپنی اپنی سمجھ کے موافق اس پر اظہار خیالات کیا۔ جب سب کہہ چکے تو حضرت سری سقطی بھانجے سے مخاطب ہوئے۔ اور بولے "کہو بیٹا تم شکر کو کیا سمجھتے ہو؟" ننھا بچے نے کہا یہ کہ "اللہ پاک کی نعمتوں کو پاکر اُسکی نافرمانی نہ کرنا۔ بس یہی شکر ہے"

ایک سات برس کے بچے کی زبان سے یہ عارفانہ جواب ایک ایسی بات تھی جسے سُنکر سب ششدر رہ گئے۔ مگر سری سقطیؒ نے صرف اتنا کہا۔ "یقین ہے کہ تمہیں خدائے تعالیٰ سے جو فیض حاصل ہوگا وہ تمہاری زبان کے ساتھ مخصوص ہوگا۔" وہی ہوا حضرت جنیدؒ کی صوفیانہ معجز بیانی نے دنیا کو اپنا معتقد بنالیا۔ مگر حضرت جنیدؒ کو اسکا بڑا افسوس تھا اور وہ اکثر اس واقعہ کو یاد کرکے رویا کرتے تھے کہ مرشد کامل ماموں نے بجائے زبان کے

دل کو موردِ فیض ربانی کیوں نہ کہدیا۔ ایک دفعہ پھر اپنی دو عمری کے زمانہ میں حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لیگئے۔ حج کیوجہ سے وہاں اکثر مشائخ آئے ہوئے تھے جب اُنکی مجلس جمع ہوتا۔ آپ بھی ضرور شریک ہوتے۔ ایک دن اُن لوگوں میں اللہ کی محبت اور عشق پر بحث چھڑی۔ آپ کو سب جانتے تھے درخواست کی کہ اے شیخ عراقی اس مسئلہ پر تم بھی کچھ بیان کرو۔ آپنے بزرگوں کی فرمایش سُنتے ہی سر جھکالیا۔ آنکھوں میں آنسو بھرلائے اور کہنا شروع کیا۔ "جو بندہ کہ فنائیت کے مراحل طے کر چکا ہے۔ اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہے۔ اُسکے حقوق مستعدی سے ادا کرتا ہے چشم دل سے اُسکا جلوہ دیکھتا ہے دلکو تجلیاتِ الٰہی سے جلا چکا ہے۔ اُسکی محبت کے جام پیتا ہے۔ اُسپر خدا اپنے غیب کے پردے اُٹھا کر ظاہر ہوا۔ بس پھر بندے کی کیا حالت ہوگئی کہ ذکر کرتا ہے تو اللہ کا زبان سے نکالتا ہے تو لفظ اللہ کا۔ حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے۔ ٹھیرتا ہے تو اللہ کے حکم سے۔ غرض یہ کہ اب اللہ سے ہے۔ اللہ کیلئے ہے۔ اور اللہ کے ساتھ ہے"۔ یہاں تک کہنے پائے تھے کہ حاضرین سے ضبط نہو سکا اور سب بیتاب ہوکر رونے لگے۔ اور یک زبان ہوکر بولے "اس سے بڑھکر محبت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اے تاج العارفین خدا تجھے ان کمالات میں ترقی بخشے"!

اِسی طرح حضرت کے بچپن کی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جنکو سُن سنکر خود سری سقطی رہ کو بھی استعجاب ہوا کرتا تھا۔ اور بھانجے کی محبت روز بروز اُنکے دل میں بڑھتی جاتی تھی۔ ایک دفعہ کچھ دنوں کے بعد اِسی مسئلہ شکر کو پھر اُنسے پوچھا۔ کہا "خدا کی نعمتوں سے اِسطرح نفع اُٹھانا کہ کسی معصیت کے کام میں اُنسے مدد نہ لیجائے۔ یہ شکر ہے"۔ حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا "یہ باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں"۔ جواب دیا "آپ کی صحبت سے"!

تعلیم و تربیت

حضرت سری سقطیؒ خوب جانتے تھے کہ بھانجا ایک روز عارف کامل ہوگا اسلئے اُسکو بچپن سے

بنے گا۔ اور اسیواسطے اُنھوں نے اِسے بچپن ہی سے اپنے رنگ پر لگانا شروع کردیا تھا۔ مگر جب تک جنید نے علوم ظاہری کی پوری پوری تکمیل نہ کرلی باقاعدہ بیعت کا شرف اُنہیں نہیں بخشا۔ وہ جہاں آپ کو ایک کامل ولی دیکھنے کے آرزومند تھے۔ وہاں اُنکی یہ بھی خواہش تھی کہ جنید ایک زبردست عالم بنے۔ یہ اُنہیں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ حضرت جنید اپنے وقت کے مستند عالم تھے۔ اور فقہ دانی میں تو آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ اور یہ سب آپنے بیس سال کی عمر میں حاصل کرلیا تھا چنانچہ بیسویں سال میں آپ علامہ ابو ثور ابراہیم رحہ کے حلقہ میں بیٹھکر خوب فتوے لکھا کرتے تھے۔ آجکل کیطرح نہیں کہ صوفیوں پر جہالت کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ اور خاص خاص لوگوں کے سوا عام طور پر سب کی حالتیں ایسی ہیں جنسے اُن کے اجداد کی روحوں کو یقیناً بیحد رنج اور قلق ہوتا ہوگا۔ اسوقت اور اس سے مدتوں بعد تک سالک باطن علوم ظاہری کا سیکھنا اپنے لیئے لازمی اور نہایت ضروری جانتا تھا۔ بابا فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ ”بے علم فقیر شیطان کا بھائی ہوتا ہے“ اشیخ کا مشہور مقولہ ہے۔ ”کہ بے علم نتواں خدارا شناخت“ مگر افسوس۔ اب یہ سب باتیں صرف کہنے کے لیئے رہ گئی ہیں۔ عمل کوئی نہیں کرتا۔

المختصر اگرچہ حضرت جنید رحہ کی روحانی اور باطنی تعلیم ماموں کی صحبت اور خدمت میں حاضر رہنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ برابر جاری تھی۔ مگر اب علوم ظاہری سے فراغت پانیکے بعد انھوں نے پورے شوق و اطمینان کے ساتھ مدرسہ حقیقت میں قدم رکھا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا طریقہ نہایت دانشمندانہ اور مؤثر تھا۔ وہ سوچا کرتے تھے کہ یہ شخص آگے کہونکر بڑھ سکتا ہے۔ جنید کے واسطے انھوں نے یہ مناسب سمجھا کہ شروع شروع کی ریاضتیں اور مجاہدے کسی غیر درویش کے پاس رہکر پورے کریں چنانچہ آپ کو ماموں سے علیحدہ ہوکر ابو عبداللہ حارث بن محاسبی کی خدمت میں جانا پڑا۔ ابو عبداللہ

بڑے صاحب کمال بزرگ تھے اور اپنے علم و فضل و زہد و تقوے کے سبب مرجع خلق بنے ہوئے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ سچی ولایت کی پہچان اتباع سنتِ رسول ہے۔ جنید نے اپنی ہونہاری دکھا دکھا کر ان بزرگ کو بھی اپنا والہ و شیدا بنا لیا۔ مگر افسوس کہ ابھی انھیں حاضری دیتے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا کہ حارث محاسبی رح کا وقت آخر قریب آگیا۔ اور جنید کو پھر اپنے ماموں کی خلوتگاہ فیض میں داخل ہونے کا موقع ملا۔

ریاضت

اب حضرت سری سقطی رح نے آپ کو مرید کیا اور اپنے ذوق و شوق کا محرم راز بنا کر ان سے ریاضتیں شروع کرا دیں۔ جنید نے تیس سال تک ایک زینے کے نیچے بیٹھکر اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس کی۔ مدت تک عبادت کا یہ حال تھا کہ انکے ایک خاص عقیدتمند کا بیان ہے کہ حجرے کے آگے پردہ ڈالکر چار سو رکعتیں پڑھنا روز کا معمول تھا۔ اس زمانہ میں بھی آپ دنیاوی کاروبار میں مصروف رہتے تھے۔ آپکے پاس ایک دوکان تھی جو آپ کو آبائی ورثے میں پہنچی تھی۔ اسپر بجائے شیشہ آلات کے آپنے ریشمی کپڑوں کے تھان رکھ لیئے تھے۔ مگر آپ کو اُس دنیا سے جسکی بابت مولانا نے کہا ہے "چیست دنیا؟ از خدا غافل بودن" آپ کو لمحہ بھر بھی تعلق نہوتا تھا۔ "دل بہ یار دست بکار" کی سی کیفیت رکھتے تھے۔ لیکن آخر میں آپ بالکل عزلت گزیں ہوگئے اور دوکان چھوڑ چھاڑ ماموں کے مکان کی ڈیوڑھی کی ایک کوٹھری میں آبیٹھے۔ اور مدتوں تک وہاں بیٹھے اللہ اللہ میں مشغول رہے۔ تیس سال تک یہ حال رہا کہ عشا کے بعد سے جو کھڑے ہوئے تو صبح کر دی۔ اسی عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے۔ ان محنتوں اور ریاضتوں کو کرتے کرتے جب چالیس سال گذر گئے تو خود جنید کا بیان ہے کہ میرے دلمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں کامیاب ہوگیا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ ہاتف نے آواز دی "جنید؟ ابھی تو وہ وقت آیا ہے کہ تیرے زنار کا سرا تجھے دکھا جائے"۔ آپنے کہا "مجھسے کیا خطا ہوئی"۔ جواب ملا "کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی گناہ ہوسکتا

کر تو موجود ہے"۔ یہ سنتے ہی آپ نے ایک سرد آہ کھینچی اور گردن جھکا کر کہا۔ "من لم یکن
للوصال اہلا فکل حسناتہ ذنوب"۔ اللہ اکبر

مراقبہ اتنا عروج پر تھا کہ خلوت گاہ میں جب سب سے علیحدہ ہو کر مشغول ہوتے تو ذوق
شوق کا وہ جوش و خروش ہوتا کہ مصلے تک نیچے سے نکال کر پھینک دیتے۔ اور ذات باری تعالیٰ
میں اتنے محو ہوتے کہ وہی وہ رہ جاتا اور سارے ما فی الکون کے ساتھ خود بھی فنا کے دامن
میں چھپ کر غائب ہو جاتے۔ مگر ان سب باتوں کے ساتھ شرع ظاہری کی بھی پابندی اتنی تھی
کہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارا یہ مذہب اصول کتاب و سنت کا مقید ہے جو قرآن و حدیث سے
واقف نہیں ہے اسکی ہرگز پیروی نہ کرنی چاہیے"۔ روزے کثرت سے رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک
دفعہ فرمانے لگے کہ "ہم نے تصوف کو بھوکے رہنے سے پایا ہے"

معرفت

مجاہدے اور ریاضتیں کرتے کرتے اب آپ کی روحانیت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ بعض
اوقات خود حضرت سری سقطی رح کو ان سے مقامات سلوک میں رائے لینی پڑتی تھی۔ ایک
دفعہ خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت کچھ پریشان ہیں۔ ادب سے دریافت کیا۔ "خیر ہے"
فرمایا "بھائی آج ایک نوجوان آیا تھا اور توبہ کو پوچھتا تھا کہ کیا چیز ہے۔ میں نے کہا کہ "اپنے
گناہوں کو نہ بھولنا توبہ ہے"۔ مگر اس نے کہا "نہیں یہ غلط ہے"۔ توبہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے
گناہوں کو بالکل محو کر دے"۔ جنید نے کہا تو پھر آپ کا خیال کس بات کا ہے۔ آپ نے فرمایا "ابھی
یہ مسئلہ کہ کونسی بات کو درست سمجھوں"۔ آپ نے عرض کیا کہ میری رائے ناقص ہیں اس نوجوان
نے ٹھیک کہا کیونکہ صفائی کے وقت جفا کا خیال کرنا بھی غلط ہے"۔ یہ سنتے ہی حضرت
سری سقطی رح کو اطمینان سا ہو گیا۔ اور دوسرے کہا کہ "ٹھیک ہے"۔ ماشاءاللہ تعالیٰ۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے خود انکے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ ایک دن
پل تذکرہ آپ سے کسی نے پوچھا کیوں حضرت کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کا رتبہ

پیر کے رتبے سے بڑھ جاتے"۔ فرمایا "ہاں ہاں۔ کیوں نہیں جنید ہی موجود ہے جس کا
رتبہ میرے رتبے سے بڑھا ہوا ہے"

ایسے ارفع و اعلیٰ شان تک پہنچ جانے کے بعد بھی آپ کے شوق کی
یہ کیفیت تھی کہ جب ۲۵۳ھ میں پیر و مرشد حضرت سری سقطی رح کا وصال ہو گیا تو آپ
اپنے تئیں کامل سمجھ کر بیٹھے نہیں۔ بلکہ آپ نے ابھی اپنے اعلیٰ ظرف میں بہت جگہ پائی۔
اُسے پر کرنے کے لیے ضروری سمجھا کہ اور مقبولان خدا سے بھی فیضیاب ہوں۔ یوں تو آپ کے
اساتذہ اور شیوخ کی تعداد دو سو تک بتائی جاتی ہے مگر جن سے آپ کا تعلق زیادہ کامل رہا
چار تھے۔ سری سقطی رح تو پہلے ہی رہبر اور پیر و مرشد تھے۔ حارث محاسبی کا ذکر ہو ہی
چکا ہے۔ اخیر میں جن بزرگوں سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا وہ تین تھے۔ ابو حفص حداد
محمد بن علی القصاب۔ اور محمد بن مسروق طوسی۔ ابو حفص حداد گرد آباد میں رہتے تھے جنید کا
کا ارادہ تھا کہ وہاں آپ سے ملنے جائیں مگر خوش قسمتی سے اسی اثنا میں ان کا خود بغداد میں آنا
ہو گیا۔ اب تو جنید بڑے شوق سے آپ سے ملنے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ابو حفص کے مرید
اور خدام اُن کے سامنے نہایت ادب سے صف بستہ کھڑے ہیں۔ یہ طور دیکھ کر آپ کو حیرت
ہوئی اور بولے کہ "آپ اپنے خدام کو شاہی درباروں کے ادب آداب سکھاتے ہیں؟"
ابو حفص نے فرمایا "نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں شاہی رعب و داب نہیں چاہتا بلکہ انہیں
ظاہری حسن ادب سکھا کر باطنی حسن ادب کی طرف چلانا مقصود ہے"۔ یہ جواب سنکر حضرت
جنید قائل ہو گئے۔ اور جب تک ابو حفص رح بغداد میں رہے اُن سے برابر ملتے رہتے۔

شروع میں ذکر آ چکا ہے کہ حضرت کے پیر سے مجاز بیان ہونے کی دعا پائی تھی مگر عرصہ
دراز تک اس کا کچھ ظہور نہ ہوا۔ بلکہ آپ محفل میں بولتے ہوئے گھبراتے تھے پیر بہتیرا وعظ
کہنے کو فرماتے مگر ہمت نہ بندھتی اور جی نہ اٹھتا آخر ایک دن خواب میں رسول مقبول
(روحی فداہ) کو ارشاد فرماتے دیکھا کہ "جنید! وعظ کہا کر"۔ خواب کا دیکھنا تھا کہ ساری جھجک جاتی رہی

صبح ہوتے ہی ایسا وعظ کہا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ اب تو یہ کیفیت ہوگئی کہ بات بات میں موتی جھڑنے لگے۔ دور دور سے لوگ آپکی باتیں سننے آتے اور مزے لیتے چلے جاتے کسی نے کیا اچھا کہا کہ جنید وہ شخص ہے جسکے پاس نثار الفاظ اور اُنکی بندش دیکھنے فلسفی اُنکی نکتہ رسی اور نازک خیالی سُننے شعرا فصاحت وخوش بیانی کا اندازہ لگانے حاضر ہوتے ہیں*

کرامات

الغرض ان ان خوبیوں کے ساتھ جب یہ لدنی علم کا آفتاب آسمان ولایت پر پہنچا تو دنیا پر تصوف کی شعاعیں ڈالنے لگا۔ لیکن ظاہر بیں لوگ اُسکی ظاہری گرمی کی تاب لا سکے اور ناقدر دانی سے یہ سمجھنے لگے کہ وہ صحت ایمانی کے لیئے کوئی مضر چیز ہے اور اسکے دفعیہ کیلیئے انتہائی شان سے کمر بستہ ہوگئے۔ عوام کو بھڑکایا۔ خلیفہ کو برانگیختہ کیا مگر کوئی بات ایسی دملتی تھی جس سے باز پرس کا ذریعہ نکلتا۔ آخر آپ کا زہد وتقوی توڑنیکے لیئے ایک نازنین حور وش عورت کو لگایا گیا۔ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ مجھے اپنی صحبت میں رکھ لیجئے اور مجھے اللہ اللہ کرنا سکھائیے۔ آپ اُسکی منافقانہ گفتگو سر جھکائے سنتے رہے۔ جب وہ کہکر چُپ ہوگئی تو آپنے سر اُٹھایا اور مضطربانہ شان سے آہ آہ کر کے اُسپر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بے ہوش ہو کر راہی ملک عدم ہوگئی*

خلیفہ یہ سلوم کرکے بڑا پریشان ہوا اور فوڑا حاضر خدمت ہو کر بولا کہ آپنے تو غضب کردیا کہ ایسی محبوبہ پری تمثال کو مار ڈالا۔ آپ کو اُسپر ترس نہی آیا۔ حضرت جنید نے جواب میں فرمایا۔ "امیر المومنین! مومنوں کے حال پر ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیئے۔ آپنے تو میری چہل سالہ ریاضت ہی کو برباد کرنا چاہا تھا۔ مگر عورت کی موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں تھی اس میں میرا کچھ دخل نہیں*

لیکن جہاں کیفیت تھی وہاں یہ بھی تھا کہ مسلمان تو مسلمان جیسیوں غیر مذاہب کے لوگ

اس وسیلہ معرفت سے اپنے دلوں میں تازگی پیدا کرتے اور آن کی آن میں اپنے مطلوب کو پا لیتے۔

ایک دفعہ آپ کی آنکھیں دُکھنے آئیں۔ ایک نصرانی طبیب کا علاج شروع کیا۔ اس نے کہا "آنکھوں پر پانی نہ لگنے پائے"۔ آپ نے فرمایا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ میں تو وضو کرتا ہوں"۔ طبیب نے کہا "اختیار ہے مگر آنکھیں کھو بیٹھو گے"۔ آپ نے کچھ پروا نہ کی اور وضو کر کے نماز پڑھی اور اس کے بعد تکیے پر سر رکھ کر سو گئے۔ اُٹھے تو آنکھیں بالکل بھری تھیں۔ طبیب حیران رہ گیا اور بولا "یہ خالق کا علاج ہے مخلوق کا نہیں"۔ اور مسلمان ہو گیا۔

عامہ خلائق کا آپ کی طرف رُجحان تھا۔ درویشوں کی تو دنیا بھر کے یہ کیفیت تھی کہ سب اپنا ملجا و ماویٰ سمجھتے تھے۔ ناممکن تھا کہ بغداد کے قریب سے گزرتے اور آپ کی قدم بوسی کئے بغیر چلے جاتے۔ اگر کسی سے اپنے غرّے میں ایسی حرکت ہو بھی جاتی تو نادم ہوتا اور پھر آکر جبہ سائی کرتا۔

ابو عبداللہ خفیف خود کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حج کو جاتا تھا۔ بغداد راستے میں پڑا مجھے اپنی صوفیت پر بڑا ناز تھا۔ میں عرصہ تک وہاں رہا مگر جنید کی خدمت میں حاضری نہ دی۔ اپنی ریاضت کرتا رہا۔ ان دنوں میرا معمول تھا کہ پینے کے لئے پانی شہر کے باہر سے لاتا تھا۔ ایک دن جو میں پانی لینے باہر گیا تو میں نے دیکھا کہ کنوئیں پر ایک ہرن کھڑا پانی پی رہا ہے۔ میرے ہاتھ میں ڈول تھا۔ میں کنوئیں کی طرف چلا۔ ہرن مجھے دیکھ کر بھاگ گیا۔ پانی جو دیکھا تو بے حد نیچا ہے۔ میں مایوس ہو کر چلنے لگا۔ اُسوقت میری زبان سے نکلا "الٰہی! کیا میں ہرن جتنا بھی نہیں ہوں"۔ ہاتف نے آواز دی "ہم نے تیرا امتحان لیا تو پورا نہ اترا۔ جا پانی لے لے"۔ اب جو دیکھا تو پانی چھلک رہا ہے۔ میں نے ڈول بھر لیا اور پیاس بجھانے لگا۔ غیب سے آواز آئی "ہرن بے ڈول کے آیا اور تو ڈول لیکر"۔ خیر بات رفع دفع ہو گئی۔ میں حج کو چلا گیا۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو پھر بغداد آیا۔ تو جامع مسجد میں گیا

دیکھتا کیا ہوں کہ جنید بیٹھے ہیں۔ آپ نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگے "اگر تم صبر کرتے تو تمہارے پیروں کے نیچے سے چشمہ نکل آتا۔ کاش ایک گھڑی صبر کیا ہوتا"۔

اکثر حاجتمند آپکے پاس اپنی اپنی حاجتیں لیکے آتے تھے۔ آپ اُن سے نہایت اخلاق سے پیش آتے اور اُنکے دامنوں کو گوہر مراد سے بھر دیتے۔ ایک دن ایک عورت آپکے پاس آئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ "یا حضرت! میرا بیٹا کھویا گیا ہے۔ دعا فرمایئے کہ مل جائے"۔ آپنے فرمایا "جا صبر کر"۔ وہ چلی گئی۔ مگر تھوڑی دیر بعد پھر آئی۔ اور بولی کہ "یا حضرت دعا فرمایئے کہ مل جائے"۔ آپنے پھر وہی جواب دیدیا کہ "جا صبر کر"۔ اسطرح وہ کئی دفعہ آئی۔ اور "جا صبر کر" جواب سُن سُنکر چلی گئی مگر آخر جب وہ مجبور ہوگئی تو کہنے لگی کہ اب مجھ میں صبر کی طاقت نہیں ہے۔ دعا کیجیئے کہ مل جائے"۔ آپنے فرمایا "اگر یہی بات ہے تو جا تیرا بیٹا آگیا"۔ وہ چلی گئی بعد تھوڑی دیر کے پھر آئی۔ اور حضرت کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ یہ دیکھکر لوگ متعجب ہوئے اور پوچھنے لگے کہ "آپ کو لڑکے کے آنے کی کیونکر خبر لگ گئی"۔ آپنے فرمایا کیا تم نے قرآن پاک میں یہ نہیں پڑھا "اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ"۔ جب اس عورت میں ضبط کی طاقت نہ رہی تو کیا وجہ تھی کہ خدا اسکی نہ سُنتا اور دعا قبول نہ کرتا"۔

ایسی کرامتیں آپ کی بے انتہا ہیں مگر اس مختصر سے مضمون میں کہاں تک لکھی جا سکتی ہیں۔ اب آپکے

کچھ اور حالات و اقوال

لکھکر اس مبارک اور مقدس تذکرے کو ختم کیا جاتا ہے۔ آپ اپنے عارف باللہ مرید حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھایا کرتے تھے کہ "فقیر کو مناسب نہیں ہے کہ توحید خالص کی کتابیں سوائے اہل طریقت کے اور کسی کے سامنے پڑھتا پھرے"۔ اِن کا قول تھا کہ "دوستی رازداری کا نام ہے"۔

آپنے اپنے ہمعصر دوست ابوبکر کسائی رح کو ایک ہزار مسائل تصوف لکھوا کر بھیجے تھے جب

ابوبکر کسائی کا انتقال ہوا تو آپ کو بہت تشویش ہوئی کہ کہیں وہ مسائل کسی نااہل کے ہاتھ نہ پڑ جائیں۔ مگر جب معلوم ہوا کہ ابوبکر کسائی نے خود انہیں مرنے سے پہلے دُھلوا دیا تھا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ ذی فہم لوگوں کے ساتھ اظہار حقائق ودقائق سے بخل بھی نہ کرتے تھے۔ اُنکے واسطے فیض کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے سوال کیا عارف کون ہے؟" فرمایا "جو تیرا راز بتائے اور تو خاموش بیٹھا رہے"۔ اسیطرح کسی شخص نے پوچھا "عارف کی کیا شان ہے؟" آپنے فرمایا "یہ کہ اسی وقت میں نظر آتا ہے جو وقت کہ اُسکے خلاف کی ہوتی ہے"

ایک جگہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "مخلوق کو چاہیے کہ اپنے خالق کو پہچانے۔ پیر رسالت کے آگے سر جھکائے اور عبادت رب کو فرض سمجھے۔"

توبہ کی نسبت ایک دفعہ فرمایا کہ "توبہ میں تین باتیں ہونی چاہیئیں۔ اوّل ندامت۔ دوسرے اِس بات کا مصمم ارادہ کہ آئندہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرینگے۔ تیسرے ماضی کے گناہوں کے کفارے کا خیال"۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپکا ایسے لوگوں کی نسبت کیا خیال ہے جو گانا سُن کر بیخود ہو جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا "گانا سُنتے وقت "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کی شیرینی یاد آتی ہے اُسکے دلپر چوٹیں سی لگنے لگتی ہیں"۔ فرمایا "عقل ایمان کے لیے اسطرح ضروری ہے جسطرح مومن کیلئے ایمان" فرمایا "فقر وغنا لازم وملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہو سکتی"۔

صوفی کی بابت فرماتے ہیں کہ "یہ مثل زمین کے ہوتا ہے۔ جسپر اچھے بُرے سب چلتے ہیں۔ یا مثل گھٹا کے ہوتا ہے جسکے سایہ سے ہر شئے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ یا مثل بارش کے ہوتا ہے۔ جس سے سب سیراب ہوتے ہیں"۔

فرماتے ہیں کہ "جب تم صوفی کو دیکھو کہ ظاہرداری کا بہت خیال کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اسکا باطن برباد ہے"۔

فرمایا "محبت جو کسی غرض سے پیدا ہوتی ہے۔ غرض پوری ہونیکے بعد جاتی رہتی ہے"۔

فرمایا۔ "اصل محبت یہ ہے کہ محب کی صفات محبوب کی صفات میں اسطرح جذب ہوں کہ محبوب کی صفات کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے۔"

الغرض ایسے ایسے عارفانہ اقوال اور حکیمانہ افعال سے ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کو مستفید و مستفیض کر کے یہ سید الطائفہ حضرت ابو القاسم جنید بغدادی رح ۲۹۸ ہجری کے ایک جمعہ کو تیسرے پہر قرآن شریف کی تلاوۃ کرتے کرتے اس عالمِ فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی میں چلے گئے۔ اگرچہ وفات کے بعد بہی مدت تک آپکا فیض بند نہیں ہوا۔ آپکے مریدین اور تابعین آپ کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ مگر اب تو مسلمانی ہی در کتاب رہ گئی ہے۔ جنید اور اُنکے فیض یافتہ جیسے لوگ تو کہاں ملتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ پھر جنید جیسا بزرگ ہم میں پیدا کر کے ہمارا بیڑا پار کر دے آمین +

محمد ارتضیٰ واحدی

اپنی ہستی جو حجابِ رخِ جاناں نہ رہے — واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارماں نہ رہے

صورتِ یار جو آنکھوں میں پنہاں نہ رہے — بحث پھر تم میں یہ ہوگی کہ مسلماں نہ رہے

سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ — ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے

مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل — یہ بھی ممکن ہے رہو تم شبِ ہجراں نہ رہے

آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق — آپ ہی کہتے ہیں اب آپ میں انساں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاءاللہ — مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

میں تو عشقِ بتِ ظالم سے نہ باز آؤں گا — عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے

آئینہ کو ہی یہ حیرت کہ سکندر ہوئے خاک — ہوئیں پریوں کی اُٹھی ہیں کہ سلیماں نہ رہے

چشمِ نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے — دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے

منہ نہ موڑو ستم و جورِ بتاں سے اکبر — بندگی کیسی اگر تابعِ فرماں نہ رہے

اکبر الہ آبادی

کیا بیڑ میکدے کے ہر در پہ لگی ہوئی
پیاسو سبیل ہے سر کوثر لگی ہوئی

خمخانۂ وحدت جو مکہ مدینہ میں کھولا گیا تھا اُسکی برانچ اور شاخیں روم روس شام
اُندلس ہندوستان ایران چین ماچین بلکہ سارے جہان میں پھیل گئیں اور جام توحید
کے اشتیاق میں یہود نصاریٰ۔ گبر ترسا۔ ہندو بُدھ سب کے ہات بڑھے۔ ہر کارخانے کے
دروازے پر خریداروں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے۔ گاہک پر گاہک ٹوٹتا تھا۔ دام درم
روپیہ پیسہ ہنڈوی نوٹ ساون گنی برس رہی تھی بکس کے بکس پیپہ کے پیپے
قرابے کے قرابے خم کے خم بکی چلی جاتی تھی۔ زمانہ کی رفتار اور ضرورت کے اعتبار سے
کسی کارخانہ نے ٹریڈ مارک پر چشتی کسی پر قادری کسی پر نقشبندی کسی پر سُہروردی وغیرہ
وغیرہ لکھوا لیا تھا۔ جسکو عوام الناس دیکھکر جھجکتے اور اُنہیں یہ دھوکا ہوتا کہ یہ وہ بادہ
ناب نہیں ہے جو مدینہ کی اچھوتی بھٹی میں کھنچی جاتی ہے مگر جب ساقی صیادل بوتل کا
کاک کھولکر اور آئیس پروف گلاس میں نکالکر دیتا اور شائق غٹ غٹ کرکے حلق سے
اُتار جاتا تو اُسوقت معلوم ہوتا کہ فقط بوتل اور لیبل کا فیشن جداگانہ ہے ورنہ سب میں
وہی لال پری جلوہ گر ہے جس مینا جس صراحی سے چلو بھر کر چکھو وہی آب حیات ہے
وہی ایک رنگ وہی ایک مزہ وہی ایک سرور وہی ایک اثر ہے۔ اِس گرم بازاری اور ذوق
شوق میں ہزار برس گزر گئے۔ جب اب اِس طرح پر مادہ کے دریا سات سمندر پار
بہنے لگے جو یکایک حضرت شیخ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرہندی نے مجددیت کا
ایک نیا کارخانہ کھولا اور اِس آب و تاب اور اِس لطافت و نزاکت کے ساتھ کھولا کہ

یورپ کی برانڈی اور شمپین ہندوستان کی دہریہ اور سم رنگی کیا مات ہوگی۔ فردوس بریں کی مے کوثر بھی پھیکی ہوگئی اور سرہند کی بادۂ گلرنگ کے متوالے جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھنے لگے ؎

زاہد نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

آپ درحقیقت امام ربانی اور مجدد الف ثانی ہیں۔ آپنے مرے ہوئے دلوں کو زندہ کردیا۔ آپنے سوتے ہوئے دلوں کو جگادیا۔ آپنے دلوں میں دھیان گیان کی لگن لگادی آپنے سینوں میں معرفت کی آگ بھڑکادی۔ آپکے پیر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز آپ کی نسبت فرماتے ہیں کہ مجدد ایک آفتاب عالمتاب ہے جسکی روشنی میں ہم جیسے ستارے گم ہوے ہیں آپ کی زبان سے جو کلمات نکلتے تھے وہ معرفت کے آب حیات میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے۔ جن کے دقائق اور غوامض آسمان زمین کے دفتروں میں بھی نہیں آسکتے۔ مگر تیمناً و تبرکاً یہاں حضرت کے چند ارشاد حوالہ قلم کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ہم جیسے مبتدی انکو پڑھکر اپنے پلہ باندھیں اور مراد کو پہنچیں۔

آپ فرماتے ہیں مرید کو لازم ہے کہ ساری دنیا سے منہ موڑکر شیخ کیطرف متوجہ ہوجائے۔ شیخ کے سامنے سوائے فرض اور واجب اور سنت کے کوئی نماز نہ پڑھے۔ شیخ کے بغیر حکم نفل اور ذکر میں بھی مشغول نہو۔ جب شیخ کی محفل میں باریابی ہو سوائے شیخ کے کسی اور طرف ملتفت نہو کیونکہ آقا جب غلام کو اسکی میں ڈوبا ہوا پاتا ہے تو اُسپر یہ امر سخت شاق ہوتا ہے۔ چنانچہ جہانگیر کا یہ قصہ مشہور ہے کہ ایکدن اُسکے دربار میں ایک وزیر نے اپنے جامہ کے بند کو بھولے سے ہاتھ لگادیا تو جہانگیر فوراً بگڑگیا۔ اور وزیر سے کہنے لگا مجھے یہ ہرگز گوارا نہوگا کہ میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تو دوسری طرف دھیان کرے۔ پس جب دنیا کے بادشاہوں کو غیر کیطرف ملتفت ہونا پسند نہو تو جو اقلیم معرفت کے شہریار اور ممالک حقیقت کے تاجدار ہیں مرید کو غیر کی

جانب مخاطب دیکھکر کیوں نہ بیزار ہونگے۔ مرید شیخ کے سامنے اسطرح کھڑا نہو کہ اپنا سایہ شیخ کے سایہ پر یا شیخ کے کپڑے پر پڑے۔ شیخ کے مصلے پر پاؤں رکھے جہاں شیخ وضو کرے وہاں بیٹھکر مرید وضو نہ کرے۔ شیخ کا آفتابہ یا شیخ کے خاصہ کے ظروف آپ نہ برتے۔ شیخ کے سامنے پانی نہ پئے۔ شیخ کے سامنے کھانا نہ کھائے شیخ کے روبرو کسی سے ہمکلام نہو۔ جس مکان میں شیخ تشریف فرما ہو اُسطرف پاؤں پھیلائے شیخ کے سامنے جیخ کر بات نہ کرے۔ شیخ کے اقوال و افعال کو ٹھیک اور بہتر جانے۔ کھانے پینے سونے جاگنے عبادت ریاضت میں کلیتاً وجزئیتاً شیخ کی پیروی کرے۔ شیخ کی اقتدار کیلئے ہمیشہ یہ شعر مرکوز خاطر رکھے ؎

آنرا کہ در سرائے نگاریست فارغ است   از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

شیخ کی کسی بات پر رائی کے دانہ کی برابر بھی اعتراض نہ کرے کیونکہ اعتراض سے سوائے ناکامی و حرمان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ شیخ سے اعجاز و کرامت کا طالب نہو کیونکہ معجزہ کے طالب دراصل کفار اور اہل انکار تھے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

معجزات از بہر قہر دشمن است   بوئے جنسیت پئے دل بردن است
موجب ایماں نباشد معجزات   بوئے جنسیت کند جذب صفات

دلمیں جو شبہہ پیدا ہو بے تامل شیخ کی جناب میں عرض کرے اگر شیخ کے جواب سے تسکین ہو جائے تو خیر ورنہ اپنے فہم کا قصور سمجھے جو معاملہ پیش آئے بے کم و کاست شیخ کی خدمت میں بیان کرے جو خواب دیکھے شیخ کے حضور میں گزارش کرے اور شیخ سے ہی تعبیر لے جب تعبیر پوری ہو تو شیخ کو اطلاع کرے۔ بہرطور بہرحال شیخ کے آداب ملحوظ رکھے کیونکہ الطریق کلہ ادب۔ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھنے والے ابولہب اور ابوجہل بھی تھے مگر چونکہ ادب سے بے بہرہ تھے اسلئے دیدار انہیں مفید نہوا اور دنیا سے ناشاد و نامراد گئے کما قال شعر ؎ ہر کہ را معنے بہ بہبود نداشت + دیدن روئے نبی سود نداشت +

اللہ ھوؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نونو دس دس برس گزرتے ہیں کہ ایک شخص صاحب کمال اللہ ھو نام دہلی کے بازاروں میں عجیب عجیب حالتوں میں عجیب عجیب بھیس میں دیکھے جاتے تھے اُن کی جلدی جلدی بدلنے والی حالت اُنکی نئے نئے رنگ اختیار کرنے والی طبیعت دیکھنے والوں کے دلوں ..... پر ایک عالم طاری کردیتی تھی۔ جب اُنکی زندگی کے طرز عمل پر غور کی نظر ڈالی گئی تو اس آئینہ میں مصلحتوں کے عجیب غریب رنگ جھلکتے ہوئے نظر آئے۔ اُنکی زندگی ہمارے اُن بزرگوں کی زندگی کا چھوٹا سا نمونہ تھی۔ جنہوں نے اپنی جان مال گھربار سب اسلام پر سے قربان کردیے۔ اپنی گرانبہا عمر اپنا بیش بہا وقت سب اسلام کی نذر کیا۔ اسلام کی خاطر اور صرف اسلام کی خاطر اُنھوں نے کیسی کیسی تکلیفیں کیا کیا زحمتیں اُٹھائیں۔ اپنے عیش و آرام کو فنا کیا اپنی خوشی و نشاط کے جذبات کو مٹایا اور اُنکے بدلے میں صدہا صدمہ ہزارہا قسم کے رنج و محن سہنے گوارا کیئے۔ مگر اپنے مقصد اشاعت اسلام کو ہاتھ سے نہ دیا۔

یہ اللہ ھو جن کا مجھکو تذکرہ لکھنا ہے۔ اس آخری زمانہ میں بھی ایک جھلک ایسی دکھلا گئے جسنے ہمارے خیالات کی باگ صدہا سال پہلے زمانہ کیطرف موڑدی۔ افسوس آپکے پورے پورے حالات جیسا چاہیئے تھا باوجود بڑی تلاش و کوشش کے بھی نہ معلوم ہوئے۔ جو کچھ تھوڑا بہت معلوم ہوا ہے یا جو کچھ میری مشتاق آنکھوں نے وقتاً فوقتاً مشاہدہ کیا ہے۔ تبرکاً ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

آپ کا اسم شریف محمد نور خاں تھا مگر اللہ ھو کرکے مشہور تھے قوم کے افغان تھے

پیدائش کا شرف خاک پاک کابل کو حاصل تھا۔ ظاہری علوم سے بھی بے بہرہ نہ تھے بلکہ بعض اشخاص کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کی تعلیم تکمیل کو پہنچی ہوئی تھی واللہ اعلم سلسلہ ارادت کی نسبت کوئی بات پورے طور سے تحقیق نہ ہوئی ۔ اکثر ذکر کا خیال کر کیوں ہی مستانہ وار اللہ اللہ کیا کرتے تھے ۔ کسی خاندان میں منسلک نہ تھے لیکن زیادہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ نہیں ۔ قادریہ خاندان میں کوئی فقیر گزر مار گزرے ہیں اُنکے سلسلہ میں تھے ۔ سالکانہ اور مجذوبانہ دونوں حالتوں میں وقتاً فوقتاً رہتے تھے

دہلی میں تشریف لانے سے پیشتر کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ اتنا معلوم ہوا کہ بہت کچھ سیر و سیاحت اور ریاضات و مجاہدات کرنیکے بعد کوئی بیس سال کا عرصہ ہوا کہ دہلی میں وارد ہوئے اور پرانی عیدگاہ کے آس پاس کہیں رہائش اختیار کی اور اللہ اللہ کرتے رہے ۔ تھوڑے دن بعد دفعتاً اپنی حالت بدلی اور چند بچوں کو اپنے ساتھ لیکر ایک بڑا سا ڈھول گلے میں ڈالکر گلی گلی کوچوں کوچوں سڑکوں ڈونڈی پیٹنی شروع کی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس ڈنکہ کی چوٹ سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ " اے غافلو جسطرح سے کہ میں اپنا رنگ دکھلاتا ہوا ادھر سے اُدھر گزر رہا ہوں ۔ اسیطرح زمانہ ہے کہ اپنی نیرنگیاں اور طلسماتی جھلکیاں دکھلاتا ہوا نکلا جا رہا ہے ۔ وقت کو غنیمت جانو اور جو کچھ کرنا ہے کر لو کہ ہستی کی عمر بہت تھوڑی ہے "

کچھ دنوں اسیطرح بسر کی ۔ اِسکے بعد پھر ایک نئی حالت اختیار کی لاہوری دروازے کے باہر املی کے ایک درخت پر ایک چارپائی باندھ کر ایک آدھ صندوق لٹکا کر رہنا اختیار کیا اور اسطرح وہ بلبل نیرنگ اونچان پر بیٹھا ہوا عالم بالا کی سیر کرتا ۔ اِسکے بعد اپنا ڈھونگ دھمبر وہاں سے اُٹھا کر کھاری باؤلی میں ایک پیڑ پر منتقل کیا چند دن میں وہاں سے بھی جی گھبرایا اور قاضی جی کے حوض پر اپنا رنگ جا جمایا اور وہاں ایک بڑے درخت پر بڑی ساز و سامان کے ساتھ آشیانہ سجایا۔

غرض اسیطرح وہ طائر حقیقت مختلف درختوں پر عرصہ تک بسیرا لیتا رہا اور
پرندوں کیطرح آزاد زندگی کا لطف اٹھاتا رہا۔ یکایک اس حالت سے بھی طبیعت
اُکتائی اور ایک نیا چلا اختیار کیا یعنی بچوں کو اکٹھا کر کے چند اذکار چند اوراد کی
تعلیم دی اور پھر اُن کو ہمراہ لیکر تمام شہر کے بازاروں میں گشت لگانا شروع کیا اور
ذکر خفی جسکا اب تک کیا تھا چھوڑ کر ذکر جہر کیطرف طبیعت کو رجوع کیا۔ یہ حالت
عجیب حالت تھی۔ اور اسدفعہ ایسا گہرا رنگ چڑھا تھا کہ جیتے جی اُترنا تھا نہ اُترا
ہزاروں مرتبہ میری مشتاق آنکھوں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص لمبا تڑنگا قد گورا
چٹا رنگ انار کے دانہ کی طرح سُرخ۔ سر پر ایک کلاہ آدھ گز لمبی ٹانگوں میں کابلیوں
کا سا ڈھیلا ڈھالا پاجامہ گلے میں ایک نیچا نیچا کرتا اُس پر کمر کے اوپر ایک رومال سا
لپٹا ہوا ہاتھ میں ایک لمبی سی چھڑ جسکے سرے پر کچھ دھجیاں کچھ چیتھڑے بندھے
ہوئے مولا سے لو لگائے ہمہ تن عالم بیخبری میں غرق جھومتا جھامتا چلا آتا ہے
پیچھے پیچھے کوئی سو چوہڑے چماروں کوری جولاہوں چڑی ماروں کے چھوٹے چھوٹے
بچوں کا غول سب کے سب ہاتھوں میں بالشت بالشت بھر کے رنگین ڈنڈے لیئے
ہوئے ننگ دھڑنگ اُچھلتے کودتے چلے آتے ہیں۔ ایک لڑکے کے ہاتھ میں جھانجھ
ہے وہ جھانجھ بجا رہا ہے اور سب کی زبانوں پر لا الٰہ الا اللہ کے نعرے آہوئے تتار
کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہیں۔ اُن کے چھوٹے چھوٹے سینے ہیں کہ مافی قلبی غیر اللہ
کی آوازوں سے بڑے گونج رہے ہیں۔ گویا یا ہو کبوتروں کا جھلڑ ہے کہ ایک ساتھ دم بھر رہا ہے
الغرض جب وہ اللہ کے شیر عالم روحانیت کے شہنشاہ اپنا سلطانی جھنڈا
بلند کیئے اپنے مسلح جرار لشکر کو ہمراہ لیئے اس شان و شوکت کے ساتھ بازاروں
میں سے گزرتے تو ہر طرف سے حیرت کی نظریں اُنکی طرف اُٹھ جاتیں۔
یوں تو روزانہ صبح سے لیکر شام تک یہ جماعت اپنا کام کیے جاتی تھی مگر جمعہ کے روز

خاص اہتمام کے ساتھ جامع مسجد کے نیچے نماز جمعہ کے بعد یہ حلقہ قائم ہوتا تھا جسکی شان دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ ہزارہا نمازی سیلانیوں کا ہجوم ہوتا جو مسجد میں سے نمازیں پڑھ پڑھکر نکلتے تھے چاروں طرف سے پیسوں کی بھرمار ہوتی تھی جب یہ پیسے انکو دئیے جاتے تو وہ اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاکر کچھ پڑھتے اور پیسوں پر پھونک کر حلقہ کے بیچوں بیچ زمین پر ڈال دیتے۔ اُن کے کارندے یعنی وہ ننھی ننھی جانیں اپنا کام کیئے جاتی تھیں۔ اور اپنے شغل میں ذرا بھی سستی اور کوتاہی نہ کرتی تھیں اور جو ذرا اُن کا جوش ٹھنڈا یا دھیما پڑتا نظر آتا تھا تو وہ سکعد کمانڈر اپنے بانس کے ذریعہ سے انکو چونکا دیتا اور وہ لشکر پھر چمک اُٹھتا +

اُنھوں نے چند نصیحت خیز اور عبرتناک مضامین جنکو وہ بیت کہا کرتے تھے سادہ اور موزوں الفاظ میں باندھ رکھے تھے۔ نہیں نہیں عبرت و حکمت کے دریا کو الفاظ کے کوزے میں بند کیا تھا۔ وہ بیت بچوں کو یاد کروا رکھے تھے۔ اثنائے شغل میں وہ ایک ھُو کی آواز لگاتے اور تمام بچے چُپ ہو جاتے۔ پھر وہ ایک لڑکے کو ان عبرتناک بیتوں میں سے ایک کا اشارہ کرتے۔ وہ لڑکا اُس بیت کو بیان کرتا اور باقی ماندہ تمام لڑکے اُسکا ساتھ دیتے۔ اُسکو ایک بار ادا کرنیکے بعد پھر وہ شغل منافی قلبی غیراللہ میں مشغول ہو جاتے۔

سلہ میں نے بہت کوشش و سعی کی کہ یہ بیت کسی طرح سے دستیاب ہو جائیں مگر وہ حضرت جو اپنے تئیں اُن کا جانشین بتلاتے ہیں لعنظہر اللہ [illegible] کا تمام باتقصا [illegible] کرتے ہیں اُسیطرح بچوں کو لیئے پھرتے ہیں اور اللہ ہو کی آن کو نبھاتے ہیں۔ انھوں نے باوجود میری متواتر عاجزانہ التجا و درخواست کے مجھکو اپنے فیض سے محروم رکھا اور نہ صرف مجکو محروم رکھا بلکہ ایک عالم کو اس پاک تبرک سے مایوس کیا مجکو بہت بڑا افسوس الکمیں [illegible] میں ایسی جیش بہا اور عجیب نعمت کے ہدیہ ناظرین کرنے میں ناکامیاب رہا۔ مگر کیا کروں دل نہیں مانتا۔ اگر میری یادداشت بیوفائی نہ کی تو میں اُن بیتوں کے چند متفرق اور نا تمام ٹکڑے جو وقتاً فوقتاً میں سنتا رہا ہوں لکھکر ناظرین کے

جب یہ مستعد جماعت اپنی پوری طاقت کے ساتھ کام کرتی ہوتی تھی تو اُس وقت عجیب نظارہ ہوتا تھا۔ گرمی کا موسم دوپہر کا گرم وقت چلچلاتی دھوپ پڑ رہی ہے کئی سو بچوں کی مستعد جماعت پسینہ میں شور بور برابر دائرہ باندھے کھڑی ہے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے ہیں جو بڑی تیزی کے ساتھ بج رہے ہیں۔ اور ما فی قلبی غیر اللہ کے نعرے گویا چمکتی تلواریں ہیں جو ان چھوٹی چھوٹی کلیوں میں سے ڈھلکر صاحب دلوں کے سینے نکل رہی ہیں۔ اُن کی سریلی صدائیں پتلی پتلی جھنجھری آوازیں کانوں کے راستہ برچھی کیطرح کلیجہ کو چیرتی ہوئی قلب کے اندر اُترتی جاتی ہیں اور سُننے والوں کے دلوں پر ایک محویت کا عالم طاری کر رہی ہیں۔ دائرہ کے بیچ میں ایک طرف وہ حیرت کی صورت ہمہ تن عالم از خود رفتگی میں غرق کھڑی ہے۔ یہ کئی سو بچے جو اس ذکر میں پورے طور سے مصروف ہیں کون جان سکتا ہے کہ ان کے دلوں پر اسوقت کیسے کیسے خیالات نے ہجوم کر رکھا ہے۔ اس حلقہ کے گرداگرد سیلانیوں کے غول کے غول جمع ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے تمام خیالات تمام تفکرات کو چھوڑ کر انکی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ انکی ہزارہا چھتریوں نے اس لشکر کے گرد قلعہ بندی کر رکھی ہے۔ اسوقت یہ اسلامی عظمت کو دوبالا کرنے والی جماعت چھوٹے بڑے ہندو مسلمان سب پر اپنا اثر برابر ڈال رہی ہے۔ اسوقت کا سماں اسوقت کی کیفیت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ لوگو! کوئی ہے جو اس حلقہ۔ اس مجمع کے دلوں کے خیالات کا اندازہ لگائے۔

الغرض اسیطرح گھنٹہ دو گھنٹہ تک یہ شغل جاری رہتا اور جب تک کہ سیلانیوں کا انبوہ نہ ٹوٹتا یہ جلسہ یوں ہی جاری رہتا۔ اسکے بعد یہاں سے فارغ ہو کر یہ شاہی لشکر سلطان سرمد شہید رح کے آستانہ شریف پر حاضر ہوتا۔ اور وہاں سے سلامی اُتار کر اُسی اپنے کروفر کے ساتھ بازاروں میں سے دیکھنے والوں کے سلسلے تیار کرکے

درہم برہم کر دیا اور تسوڑی دیر کے بعد جملہ معترضہ کی طرح اپنا رنگ جماتا ہوا گزر گیا اور اپنے ٹھکانے پر جا پہنچتا ۔

جو کچھ روپیہ پیسہ اس طرح ہاتھ لگتا وہ ان بچوں میں تقسیم کیا جاتا ۔ اور یہی تھی جو ان بچوں کے تمام کاروبار چھڑا کر انکو اللہ ہو کی طرف کھینچ لاتی تھی ۔ ان کو اپنے لشکر کی خوشنودی کا بہت بڑا خیال تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ

مزد در خوشدل کند کار بیش ۔

جہاں کہیں میلہ تہوار سنتے ۔ اپنے لشکر کو لے کر پہنچتے ۔ میوے اور ریوڑیوں کی بوریاں کی بوریاں بھروا کر لے جاتے ۔ بچوں کو اکٹھا کر کے خوب لٹاتے ۔ ان کا دل خوش کرتے اور آپ خوش ہوتے تھے ۔ آخری زمانہ میں پچاسوں روپیہ کی تعداد ان کے پاس جمع ہو جاتی تھی مگر وہ ملکِ غنا کے بادشاہ سب کا سب بچوں میں خرچ کر دیتے تھے ۔ اور خود فاقہ کشی کرتے تھے ۔ ان کا گاڑی بھر ڈیل فاقوں کے مارے گھل گیا تھا ۔ اللہ اللہ کی دھن میں بھوک پیاس کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی ۔ اگر بھوک پیاس کی شدت نے بہت زیادہ ستایا تو کسی ٹکڑے ٹیرے سے جھلکا لگا لیا ورنہ انکی غذا تو اصل میں ذکر الٰہی تھا جسکی تقویت کے سہارے وہ رات دن زندہ رہتے اور اپنا کام کئے جاتے تھے ۔

اول اول جب وہ دہلی میں تشریف لاتے ہی لائے تھے اور بچوں کو جمع کر کے میوہ مٹھائیاں اور نقدی بانٹا کرتے تھے تو لوگوں کو یہ دیکھکر بہت تعجب ہوتا تھا کہ اسقدر روپیہ ان کے پاس کہاں سے آجاتا ہے کہ بیسیوں روپے روزانہ لٹا دیتے ہیں اور واقعی ایسے وقت میں جبکہ کوئی ان کو جانتا پہچانتا نہ تھا کوئی ان کو لیتا دیتا نہ تھا اسقدر روپیہ کا خرچ چلانا کرامت نہیں تو اور کیا ہے ۔

دہلی میں جامع مسجد کے شمال مغربی گوشہ کے پیچھے ایک مزار واقع ہے جس کی نسبت

ایک حکایت مشہور ہے کہ جب مسجد جہاں نما (جامع مسجد) بنکر تیار ہوگئی تو داروغہ نے دربار شاہجہانی میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ جہاں پناہ مسجد تیار ہے ملاحظہ فرمالیجئے۔ شاہجہاں نے چاہا کہ اپنے تمام درباریوں اور اعیان و امرا کو لیکر مسجد کا معائنہ کرے غرض ایک دن معائنہ کا قرار پایا اور شاہنشاہ اپنے تمام امیر و مشیر اور شہر کے زعیم عمائدین کو ہمراہ لیکر مسجد میں داخل ہوئے۔ جب معائنہ کرنے لگے تو دیکھا کہ مسجد میں تھوڑا سا کج رہ گیا اور قبلہ سے ذرا رخ پھرا ہوا ہے۔ یہ دیکھکر شاہنشاہ بہت ملول و رنجیدہ خاطر ہوئے اور اس فکر میں پڑے کہ یہ کج کسی طرح سے دور ہو مگر یہ وہ کام تھا کہ نہ مشیروں کے بس کا تھا نہ وزیروں کے بس کا نہ لشکر کے قابو کا تھا نہ قیصر کے قابو کا۔ ہزار ہا تدبیریں کر ڈالیں مگر کوئی پیش نہ چلی۔ آخر بادشاہ کی عنان توجہ ان لوگوں کی طرف پھری جو دنیا کی طرف سے دامن تعلق سمیٹ کر ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تمام عالم کی سیر کیا کرتے ہیں۔ اور اس نے سمجھ لیا کہ یہ کام سوائے ان کے اور کسی سے بننے والا نہیں۔ چنانچہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درویشوں کو کاملوں کو نکالا اور اظہار مدعا کیا۔ آخر کام بننے والا تھا ایک درویش نے کہا کہ اے بادشاہ! اگر ہمارا خدا ہم سے سیدھا ہے تو ہم تیری مسجد کو سیدھا کر دینگے۔ ایک کچا تاگا اتنا لمبا کہ اس مسجد کے چاروں طرف لپٹ جائے منگا . اسیوقت بادشاہ نے حکم دیا۔ حکم دینے کی دیر تھی فی الفور تاگا حاضر کیا گیا۔ ان درویش نے اس تاگے کو مسجد کے چاروں طرف لپیٹ کر اپنے سینہ سے باندھ لیا اور مسجد کے شمال مغربی گوشہ کی طرف کھڑے ہوکر اپنے سینہ کا زور لگا کر مسجد کو سیدھا کر دیا۔ مسجد تو سیدھی ہوگئی مگر درویش وہیں سما گئے اسی مقام پر مزار بنا دیا گیا۔ اور اکثر بڑے بوڑھوں سے یہ بھی سنا کہ اس جگہ سرمد شہید رحمۃ اللہ کا سر مدفون ہے۔ مجکو اس سے کوئی بحث نہیں کہ یہ مذکورہ بالا حکایت صحیح ہے یا سرمد شہید کا سر یہاں مدفون ہے یا نہیں۔ کچھ بھی ہو۔ آخری زمانہ میں

اللہ علیہ نے اسی مزار پر آکر اپنی ریاضت حسیبار کی ایک کاٹھ کی کوٹھڑی سی بنا کر رات دن وہیں یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگے۔ بس یہ آخری مقام تھا جہاں وہ مولا کے فدائی ایسے بیٹھے کہ پھر مرہی کے اُٹھے۔

اب لوگوں کی توجہ انکی طرف بڑی تیزی سے بڑھنے لگی۔ عورت مرد ہندو مسلمان سب کا اعتقاد اُنپر پورے طور سے جم گیا اور ان کا فیض بھی بچوں سے بڑھکر اور حصول کی حد سے نکلکر اب عام ہوتا چلا۔ رات دن اسی مقام پر بیٹھے ہوئے اپنے ذکر و شغل میں مصروف رہتے۔ سامنے ایک بڑی سی مٹی کی کوری رکابی رکھی ہوئی تھی جو کوڑیوں اور نون سے لبالب بھری ہوتی تھی۔ سارے دن پڑھتے جاتے تھے اور اُسپر دم کرتے جاتے تھے۔ لوگ صد ہا قسم کی مشکلات و حاجات لیکر حاضر ہوتے سو ہی نون کی کنکری کھانے کو اور کوڑی بازو پر باندھنے کو دیدیتے۔ اور اسی سے اللہ اپنی قدرت کاملہ سے سب کو شفا دیتا۔ سب کی مرادیں برلاتا اگرچہ میں اُس زمانہ میں چھوٹا سا تھا مگر میرے چشم دید چند واقعات اُن کے فیض کے ایسے ہیں جنکو میں یہاں بیان کیئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اسیطرح جن جن لوگوں کو فیض پہنچا ہے اگر سب کی تفصیل لکھی جائے تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیک زمانہ میں خاص میرے بڑے بھائی مرحوم کو چوتھیہ بخار نے ایسا گھیرا تھا کہ آٹھ دس برس ہو گئے تھے جانے کا نام ہی نہ لیتا تھا سب کے علاج معالجے کرڈالے تھے مگر بخار مسکتا تک نہ تھا۔ بالآخر اللہ ھو کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر عرض کیا۔ اُنہوں نے وہی نمک کی کنکری کھانے کیلیے اور کوڑی بازو پر باندھنے کو دیدی۔ بس نمک کی کنکری کھاتے ہی اور کوڑی بازو پر باندھتے ہی بخار کا پتہ نہ رہا۔ اور مدت کا۔ برسوں کا ستا ہوا بخار چشم زدن میں گیا گزرا ہوا اسیطرح میرے پڑوس میں ایک صاحب رہتے تھے۔ اُن کے ہاں صرف ایک لڑکا پیدا ہو کر رہ گیا تھا اور پھر بارہ برس گزر گئے تھے۔ کوئی دوسری اولاد ہی نہ ہوتی تھی

ہزاروں جتن کر ڈالے مگر کچھ نہ ہوا آخر اللہ ہو صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی انہوں نے ایک کوڑی عنایت کر دی۔ کوڑی کا گلے میں باندھنا تھا کہ برس کے اندر ہی لڑکا پیدا ہو گیا۔ غرض ایک فیض کا دریا تھا کہ صبح سے شام تک جاری رہتا۔ ایک عظیم الشان لنگر خانہ تھا۔ جہاں سے مرادوں کا لنگر بٹتا تھا۔ آج کسکا حوصلہ ہے کہ ان تمام حالات کو قلمبند کرے ؎

بیرونجات سے لوگ انکا نام سنکر اپنی شکایات اپنی حاجات لیکر آتے اور اپنے مطلب میں کامیاب ہو کر واپس جاتے تھے۔ ان باتوں کے تجربہ کرنیوالے اور اُن کے چشمۂ فیض سے فیضیاب ہونیوالے دہلی میں کیا دور دور ہزاروں کی تعداد میں اب تک موجود ہیں۔ باوجود اس فیض کے وہ کسی کو مجبور نہ کرتے تھے اگر کوئی خوشی سے دینا چاہتا تو ڈھائی ٹکوں سے زیادہ نہ لیتے۔ باحیثیت اصحاب اگر کچھ زیادہ نذر کرتے تو اسکو بھی رد نہ فرماتے تھے اور یہ سب کچھ جو ملتا نقدی کے طور پر تقسیم ہوتا یا کچھ کھانے کی چیز منگا کر بانٹی جاتی۔ غرض اسیطرح ان پر ایک مدت گزر گئی اور اب وہ وقت آن پہنچا کہ یہ منظر نظروں سے روپوش ہو جائے اور موت کا ڈراپ سین گر کر ترسنے والی آنکھوں کو ہمیشہ کے لیئے بیوس کردے ؎

اب ان کی حالت دن بدن غیر ہوتی جاتی تھی۔ اکثر اشخاص کی زبانی معلوم ہوا کہ چند امراض بھی لاحق ہو گئے تھے۔ اور مرض سل نے تو بہت ہی دق کر رکھا تھا اور اصل یہ ہے کہ وقت آگیا تھا۔ چنانچہ ایک شب ذرات کے وقت آٹھ نو بجے کے عمل میں ذکر اللہ کرتے کرتے غش کھا کر پٹری پر گرے اور گرتے ہی دم دیدیا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؎ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور تجہیز و تکفین کر کے ہاتھوں ہاتھ لیگئے۔ اور نبی کریم میں حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ کی درگاہ اور حضرت شاہ صاحب کی درگاہ کے بیچ میں ایک مقام پر اس مولا کے فدائی کو سپرد خاک کیا ... بہشتی

عزیز الدین صاحب عزیز شاگرد رشید نواب مرزا صاحب داغ مرحوم نے تاریخ لکھی ؎

اس جہاں سے جب محمد نور مرد کابلی نشۂ عرفاں سے عشق لقا کر چوہتری جیے
غیب سے آئی ندا کہ سال ہجری اے عزیز امد انسہ اللہ ھُو داخل بجنت اب ہے

انہوں نے کبھی کسی کو اپنا مرید نہ کیا۔ اور نہ اپنے پیر و مرشد کا کسی کو پتہ دیا۔ ہمیشہ اس بات کی احتیاط رکھی کہ کوئی ان کے حالات کے بھیدوں سے واقف نہ ہونے پائے اور یہ تعجب کی بات ہے کہ ایسا شخص جسکا تعلق جسکا دخل ہر شخص کے سلسلۂ خیالات میں بہت زیادہ ضرور تھا۔ اس نے جیتے جی کسی سے کچھ مطلب نہ رکھا۔ اگرچہ دہلی کے بچے بچے کی زبان پر اللہ ھو کا نام جاری تھا مگر کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ اللہ ھو کا نام کیا ہے ؛

انہوں نے کرامات و خرق عادات دکھانے کی بھی کوشش نہ کی۔ اگرچہ لوگ ان کے بہت ہی سر ہے کہ کوئی بات دیکھیں مگر انہوں نے بہت احتیاط کے ساتھ آخر دم تک بزرگوں کی رسم آن کو نبھایا۔ متعدد باتیں عوام میں ایسی مشہور ہیں جو انکی کرامات کا اشارہ کرتی ہیں۔ مگر بہت ہی شاذ و نادر ایسی باتیں اُن سے ظہور میں آتی تھیں ؛

ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ کسی وقت اُن کی زبان ذکر سے خالی نہ رہتی تھی گو ظاہر اوقات ظاہر وہ لوگوں کی طرف متوجہ نظر آتے تھے مگر دل اندر ہمیشہ شاغل و ذاکر رہتا تھا۔ گویا ایک ٹائم پیس تھا کہ ہر وقت اپنے کھٹکے سے کام رکھتا تھا جب کبھی ماتی قلبی غیر اللہ کا ذکر اپنے خاص طرز اور خاص انداز میں جو خود اللہ ھو ہی کا ایجاد کردہ تھا کر رہے ہوتے تھے تو وہ آنکھیں بند کیے ایک ایک نشیب و فراز کو اچھی طرح سنتے۔ اور ایک ایک سُر کو پرکھتے تھے اور ساتھ ہی چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا جو اُن کے قلب کی حالت کی خبر دیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل ہی دل میں چھپ چھپ کے مزے لے رہے ہیں ؛

اُنپر کبھی تو استغراق کیحالت طاری ہوجاتی اور بالکل تصویر حیرت بن جاتے اور کبھی جذب غالب ہوتا تو زور زور سے جھوما کرتے اور بعض اوقات تو اس زور سے گردن جھماتے کہ یہ معلوم ہوتا کہ اب گردن ٹوٹ کر آگے آن پڑے گی۔ اور یہ حالت آخری زمانہ میں بہت کثرت پکڑ گئی تھی۔ رات دن میں بہت کم ہوش میں آتے مگر باوجود ان حالتوں کے نماز روزہ اور تمام فرائض شرعیہ کو بڑی پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ اکثر سہپر کے وقت اُنکی حالت جذب کا بہت زیادہ رنگ لیئے ہوتی تھی۔ آخری زمانہ میں جب کہ وہ جامع مسجد کی پٹڑی پر گوشہ نشین ہو گئے تھے تو شام کو ایک جلسہ قائم ہوتا تھا جو اپنی نوعیت اور شان و شوکت کے باعث سلطانی دربار سے کم نہ تھا پٹڑی کے تحت پر اللہ ھو بیٹھے ہیں گرد اُن کی فوج دست بستہ کھڑی ہے اور ما فی قلبی غیر اللہ کے ذکر میں باادب مشغول ہے۔ اللہ ھو پر ایک عجیب حالت طاری ہے۔ آنکھیں سُرخ انگارہ چہرہ تمتمایا ہوا جسپر جلال کے آثار نمایاں اُسوقت کسی کی اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ بات تو کرلے۔ اصل یہ ہے کہ ظاہر و گو وہ پٹڑی پر نظر آتے تھے مگر باطن میں خدا جانے کس کس عالم کی سیر کرتے رہتے تھے۔

وہ ہمیشہ خاموش رہا کرتے۔ اور اگر بات چیت کرتے بھی تو بہت کم اُنکی آواز میں ایک خاص جلالی قوت تھی جس سے سُننے والوں کے دلوں پر ہیبت و رعب چھا جاتا تھا۔ اگرچہ اسلام کی بڑی خدمت کر رہے تھے مگر ظاہر ہندو مسلمان اور دیگر تمام اقوام کو ایک آنکھ دیکھتے اور سب کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھتے تھے۔ غیر مسلموں کے ساتھ کسیوقت میں کسی قسم کی اجنبیت کسی قسم کی غیریت کا اظہار نہ فرماتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اُنکے معتقدوں اُنکے دلدادوں میں ہندو اصحاب مسلمانوں سے کچھ کم نہ تھے۔

اللہ ھو کی نسبت انکی زندگی ہی میں مختلف رائیں تھیں اور یہ زمانہ کا قاعدہ ہے کہ ہر نئی چیز سے چونکتے اور ہر ایسی شے کی نسبت جس کی ماہیت جسکی حقیقت کا انکشاف اُنپر پورا پورا نہیں ہوتا۔ اپنی اپنی عقل اپنی اپنی سمجھ کے مطابق رائیں لگاتے ہیں۔ بعض تو اُن کو نرا ڈھکوسلے باز سمجھتے تھے۔ اور بہت سی بیجا اور ناروا باتیں بھی اُنکی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور یہ کچھ تعجب کا مقام نہیں ہے ؎

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

مگر ایک کثیر آبادی اُن کو ایک کامل اور بے مثل شخص سمجھتی تھی۔ میں نے جہاں تک انکی باتوں کا مشاہدہ کیا۔ اور انکی باتوں پر غور کیا ہے میں اگر بہت زیادہ سختی اور بہت زیادہ بے اعتقادی سے کام لوں تو بھی کہنے سے ہرگز باز نہیں رہ سکتا کہ ان زرد باندھنے والے کے پیٹ میں دو چار نول ضرور تھے وہ واقع میں اس قابل تھے کہ انکی قیمت کیجائے۔ انکو آنکھوں پر بٹھایا جائے۔ اُنکے خلوص اور ہمت سے سبق لیا جائے اُن کے حالاتِ زندگی سونے کے حرفوں سے لکھکر رکھنے کے قابل ہیں نہیں نہیں اس قابل ہیں کہ اعتقاد کے حرفوں سے لوحِ یادداشت میں محفوظ رکھے جائیں انکا فعل مصلحت پر مبنی تھا انکی ہر بات میں کوئی نہ کوئی بات چھپی ہوتی تھی وہ کسی کے بُرا بھلا کہنے سے بددل نہ ہوتے تھے اور صرف اس اُمید پر ؎

ہماری سینہ فگاری کوئی تو دیکھے گا نہ دیکھے اب تو نہ دیکھے کبھی تو دیکھے گا

اپنا کام کیے جاتے تھے۔ انکی مہتم بالشان زندگی پر غور کی نظر ڈالنے سے اور انکی باتوں پر عمیق نگاہ کرنے سے اُنکے بلند ارادوں کا پتہ چلتا ہے۔

اُنھوں نے دہلی کے چار پانچ ہزار غیر مسلم بچوں کے دلوں پر اسلامی عظمت کا سکہ بٹھادیا تھا۔ اور اسلامی صداقت کوٹ کوٹ کر اُنکے دلوں میں بھر دی تھی اسلامی ... سے اُن کے رگ و پے میں دوڑا دیے تھے۔ میں ان بچوں سے خود ملا ہوں

اور انکو اچھی طرح جانچا ہے۔ اُنکے خیالات نہایت پاکیزہ انکی باتیں نہایت سیدھی ہوتی ہیں۔ وہ برائی کو بہت بُرا اور بھلائی کو بہت بھلا سمجھتے ہیں۔ وہ ان فعلوں کو جن کے صبح سے شام تک اُن کے بھائی مرتکب ہوتے ہیں بہت نفرت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جب اُن کے سامنے اللہ ہُو کا تذکرہ آتا ہی تو وہ اسطرح ٹھنڈے سانس بھر بھر کر محبت اور اعتقاد کے ساتھ اُن کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے پیر مرشد کی باتیں بیان کرتا ہو۔ اُنکے چہرہ سے تاسف اور افسوس کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں وہ تھوڑی دیر کے لیئے غوط میں چلے جاتے ہیں۔ اور اُس زمانہ اُس عالم کو یاد کر کے بہت ہی افسانہ کرنے لگتے ہیں۔ گویا وہ نقشے اب تک اُنکی آنکھوں کے نیچے پھر رہے ہیں وہ سمے ابتک اُن کے دلوں سے محو نہیں ہوئے۔

اللہ ہُو نے نہ صرف انکو چند وظائف بتلا کر اپنے رنگ کا متوالا کر دیا تھا بلکہ وہ وقتاً فوقتاً اُن کو نصیحت و وعظ کرتے اور اُنکو گالی گفتار تمام لغو اور بیہودگی باتوں سے روکتے اور نیک باتوں کی طرف رغبت دلاتے تھے وہ اُنکو جھوٹ بولنے۔ کسی کی بدی غیبت کرنیسے منع کرتے۔ اور ہر جاندار کو دُکھ دینے اور رنج پہنچانے سے روکتے ہمیشہ سچ بولنے والے۔ شیریں زبان۔ خوش اخلاق بچوں کو عزیز رکھتے اور انعام دیا کرتے۔ لڑکے ایک دوسرے کے جھوٹے بولنے کی شکایت اللہ ہو سے کرتے۔ اور جو پیر کامل وہ حکیم حاذق۔ کبھی نرمی سے کبھی گرمی سے کبھی پیار سے کبھی ڈانٹ کر اپنی تعلیم اپنی تلقین کا پیالہ اُنکو پلاتا۔ تاکہ امراض روحانی کا تدارک بچپن ہی سے ہو۔

مگر افسوس اُنکی عمر نے وفا نہ کی۔ کاش وہ اتنے عرصہ تک تو اور جیتے کہ یہ جماعت بڑھکر جوان ہو جاتی تو وہ ضرور اُنپر اپنا رنگ چڑھاتے چڑھاتے اُنکو مشرف باسلام کر لیتے۔ اور اس طریقہ سے اُنکے مریدوں کی ایک بڑی جماعت تیار ہو جاتی۔ اور کیا تعجب ہے کہ اسطرح چماروں اور نیچ ذاتوں میں اسلام کی تعلیم شروع ہو جاتی۔ جو تو ہیں اپنے تئیں

ترقی یافتہ اور بیدار مغز سمجھتی ہیں ان کے لیڈروں نے انکے رہبروں نے آج اس بات
کی ضرورت کو محسوس کیا ہے کہ اس پانچ چھ کروڑ کی آبادی کو جو بالکل پستی میں پڑی ہوئی
اور ذلت میں پھنسی ہوئی ہے اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہے اپنی طرف رجوع کرنا چاہئیے
اور اپنے جتھہ میں ملانا چاہئیے حالانکہ آج سے پانصدی پیشتر ہمارے ایک بزرگ نے
جنکی سب خیالات کی یہی روشنی تھی جو ابھی نہ لگی تھی موجودہ بیداری موجود نہ تھی جنکی
کی آواز تھی جن کے کانوں میں نہ پڑی تھی اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ یہ ایک بڑی
تعداد ہے کہ اگر یہ بھی ہو سا بہت جلد دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتی ہے۔ وہ واقعی
انہوں نے ایسا ڈھنگ ڈالدیا تھا کہ اگر وہ تین بیس برس اور زندہ رہتے تو ایک بڑا
انقلاب پیدا کر دیتے۔ یہ طریقہ ہے جس طریقے سے اسلام پھیلا اور یہ تدبیر ہے جس تدبیر سے
اسلام عروج کی انتہا کو پہنچا۔ اگرچہ ان باتوں کو مدت ہوئی اور وہ بچے بڑے
ہو کر سب اپنے گھر بار کے ہو چکے ہیں۔ مگر اس عہد اور انکے خیالات کی عظمت جو انکی
آنکھوں میں باقی ہے اور وہ ان خیالات میں ایسے غرق اور ان باتوں سے متاثر ہو کر
ایسے مسحور ہو گئے ہیں گویا کسی استاد نے انکو تہذیب و اخلاق کے شکنجے میں کھینچ
کر سیدھا کر دیا ہے۔ وہ اپنے دیگر بھائیوں میں الگ پہچانے جاتے ہیں اور عجب کیا
کہ ان میں سے بہتیرے کسی وقت میں مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ ان کے دلوں کا بہت سا
زنگ کٹ جا چکا ہے۔ اسلام کی عظمت ان کے دلوں میں گھر کر چکی ہے اور اللہ ہو
نے اس خودرو جنگلی گھاس کو اپنی تعلیم کی دھوپ میں سکھا کر ایسا کھڑ نک کر دیا ہے
لا الہ الا اللہ کی ایک دیا سلائی لگانے کی دیر ہے اور پھر نہ معلوم یہ پھونس شعلہ
بنکر کس کس کو جلائے۔ اور کس کس کے دل میں آگ ڈالے ۔

ہندو بنگی اپنی تو یہ حقیقت تھی کہ بحر عرفاں میں غوطہ زن ہوئے اور صحرائے لاہوتی
کے آہوئے مجنوں کر چوکڑیاں بھرتے ہوئے اللہ سے جا ملے اور پھر اللہ ہو

بن کر نکل آئے۔ مگر اپنے بچوں کے لئے بھی جو وظیفہ تجویز فرمایا تھا وہ ایک ایسا وظیفہ ہے جو تمام وظائف تمام اذکار کا لُبِ لباب ہے۔ ایک اسی اذکار ملکوتی وجبروتی کی مرکب معجون ہے جو تمام امراض روحانی کا قلع قمع کر دیتی ہے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کے لیے تیر بہدف ہے۔ میں اُنکے وظیفہ کے کلمہ کو بعینہٖ اُسی ترتیب اور اُسی طرز و انداز کے ساتھ یہاں نقل کرتا ہوں جس ترتیب سے یہ بچے اسے ادا کرتے تھے ۔

الا اللہ الا اللہ الا اللہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ ما فی قلبی غیر اللہ

اس کلمہ کے حصۂ اول یعنی الا اللہ سے اپنی آواز کو بتدریج اُٹھانا اور بلند کرنا شروع کرتے اور حصہ کے اختتام یعنی چہارم الا اللہ تک پہنچتے پہنچتے اُنکی آواز پورے طور سے بلند ہو جاتی اور پھر کلمۂ ثانی یعنی لا الٰہ سے آواز کو پست کرنا شروع کرتے یہاں تک کہ غیر اللہ تک پہنچتے پہنچتے آواز کو بالکل ڈال دیتے تھے۔ اور غیر اللہ کے آخری جزو لا کو چڑھا کر نصف دیکر اس طرح چھوڑتے کہ لا کی جگہ لاڈ (بروزن جاؤ) اُن کی زبان سے نکلتا تھا۔ اسطرح جب یہ بچے اللہ ہو کے حلقہ میں اس کلمہ کے شغل میں منہمک ہوتے تھے۔ تو اُن کے استغراق کی انتہا حد سے بڑھ جاتی تھی وہ بالکل بیخود اور مست نظر آتے تھے اُنکو مطلق خبر نہ ہوتی تھی کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ یہ اس کلمہ ہی کی باطنی تاثیر تھی جو ان بچوں کو متوالا کر دیتی تھی اور نہ صرف اُنہیں پر اپنا اثر کرتی تھی بلکہ سُننے والوں کو بھی تصویر حیرت بنا دیتی تھی۔ اسی کلمہ کی باطنی قوت و کشش تھی کہ یہ بچے اپنے عزیز ماں باپوں سے جدائی گوارا کرتے اور رات دن اللہ ہو کے آغوش عاطفت میں رہتے۔ جو حضرات صاحب باطن اور صاحب ریاضت ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ کلمہ شریف کس درجہ کی باطنی قوت رکھتا ہے۔ یہ ایک کوزہ ہے جسمیں دریا نہیں تاثیر کے سمندر سمائے ہوئے ہیں یہی وہ دیا سلائی ہے جسکے ذریعہ ہمارے بزرگوں نے قلب کی بھٹی میں محبت کی آگ بھڑکائی۔ یہی وہ زینہ ہے جسکے ذریعہ ہمارے پیشواؤں نے عرفان کے اعلیٰ بام تک رسائی پائی ۔

اے رب العالمین کی خوشنودی کے متلاشیو! اے خلاقِ دو جہاں کی رضامندی کے جویاں لوگو! آؤ اور تھوڑی دیر کے لیے تمام دیگر خیالات سے اپنے ذہن اپنے دماغ کو خالی کرو تنہائی میں بیٹھو۔ اور آنکھیں بند کرکے اِس کلمہ کے معانی پر غور کرو اور پھر دیکھو کہ لا الٰہ الا اللہ کے جھروکوں میں سے ما فی قلبی غیر اللہ کی طرفی میں سے کیا کچھ دکھلائی دیتا ہے ۔

بس یہ ہے تذکرہ اُس شخص کا جس نے ایک دُھن کے پیچھے اپنی جان تک دے دی۔ یہ ہیں حالات اُس جواں مرد کے جس کی سالہا سال کی لگاتار کوشش کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ سوائے ان چند اوراق کے جو افسانہ کی صورت میں باقی ہیں نہیں نہیں **نامی** ! کیا کہتے ہو۔ یہ گراں بہا اوراق اُس شخص کی بیش قیمت کوششوں کی تصویریں ہیں جو زبانِ قال سے پکار پکار کر مسلمانوں کو سبق دیتی ہیں کہ مسلمانو! یہ وقت ہی ہر مشاہدے سے سبق حاصل کرنے کا۔ یہ موقع ہے ہر واقعہ سے نتیجہ و نصیحت اخذ کرنے کا۔ اُٹھو۔ آج ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو اپنے گھر بار چھوڑیں۔ اپنی زیب و زینت کو پھینکیں۔ فقر کی جھولی گلے میں ڈالکر ایمان کا خرقہ پہنکر وطن چھوڑیں غیر ممالک میں جائیں نہ اس لیئے کہ نام پائیں گے عزت حاصل کرینگے بلکہ اس لیئے کہ وہ تبلیغ کرنا چاہتے تمام دولتیں۔ تمام خواریاں گوارا کرینگے۔ اور اسلام کی عزت رکھیں گے۔ کسی کے اچھا کہنے کی طرف توجہ نہ کریں گے کسی کے بُرا کہنے کی پروا نہ کریں گے بغیر اس کے کہ اُن کی کوشش کا کوئی نتیجہ نکلے۔ سعی و جہد اور سعی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے مگر نہیں۔ مژدہ ہو کہ اُنکی کوشش کا نتیجہ نکلے گا اور ضرور نکلیگا۔ اگر اور کچھ نہیں تو دوسروں کے لیئے راستہ ہی کھل جائے گا۔ یہی نتیجہ کیا کم ہے ۔

محمد یعقوب بیگ نامی

صوفی

گذشتہ سے پیوستہ

اگر تو اس راہ میں چلنا چاہتا ہے تو اس راہ میں خدا کی راہ کا توشہ لے اور اپنے تمام
کو ایک کونہ میں رکھدے۔ اسبابِ دنیا کی طلب کو اس راہ میں لیکر نہ چل۔ ہزاروں راہ زن
اسمیں موجود ہیں اگر اس بار کو سر سے نہ اتاریگا تو تیرا اعمال دُنبے کا سا ہوگا جسکے پیچھے
بھیڑیا دوڑے۔ تو اُسکی دُم کی چکتی کا بوجھ اُسکے پاؤں کے لیئے سنگ راہ ہوجائے جب
تک تو اپنے تئیں خاک اور گھاس کیطرح پاکوب نہیں بنائیگا۔ درگاہ کبریائی میں قدم
نہیں رکھنے پائیگا۔ جب تک سو جگہ سے دلکو خستہ نہیں کریگا۔ تو ہرگز حقائق تجھ کو
نہیں حاصل ہوگا۔ بہت سی خلائق پشمینہ پوش ہیں جنکے گوش میں قرآن کی آواز نہیں
جاتی۔ بہت سے زاہد خشک ایسے ہیں کہ اپنی ظاہری طہارت کیواسطے بدن کو بار بار دھوتے ہیں کہ
جس سے آبرو لوگوں میں حاصل ہو۔ ایسی آبرو روغن دوزخ ہے۔ جو آلودگی میں اپنے تئیں پاک دکھاتا ہے
وہ اہل نظر کی نظر میں تابناک نہیں ہوگا جو حقیقت میں پاک ہیں جیسے کہ آفتاب۔ گو اُسکی
تابش کی نگاہ کو تاب نہیں۔ مگر اُسکو آب میں دیکھ لیتے ہیں۔ غرض کسی ذریعہ سے پاک لوگوں کو
لوگ جان جاتے ہیں۔ بہت سے زاہد زر دوست ہیں کہ وہ زر کی خوب مضبوط گرہیں باندھتے ہیں مگر
فقیر نہ رہے اور وہ کسیکو تہ شے تو وہ جنس ہیں۔ صوفی کیو دولت سے پرہیز چاہیئے۔ یہ کیا کہ
پر بالوں کا بوجھ نہ اٹھائیں اُسکو منڈوائیں مگر یہ بارِ درم سر پہ لیں۔ اگر فقر سے غرض زر طلبی
ہو تو فقر اور تجارت میں کیا فرق ہے۔ جو ایسی جو پاک بازار سب ہے وہ
اس عابد سے اچھا ہے جسکی عبادت کا سبب حرص و آز ہو۔ صوفی کو یہ کہنا چاہیئے جیسا کہ
برہمنوں کیواسطے بت تئیں بدی ایسے ہی میرے لیئے اس زر کا بت بنانا بُرا ہے۔ سچ یہ ہے کہ
آدمی دین و دنیا دونوں کے ساتھ موافقت نہیں کرسکتا۔ زہر و تریاق ایکجگہ نہیں جمع ہوتے

ایک سے میں شیر کی موچھیں اور گوزن کی پلکیں نہیں سکیں گی۔ صوفی میں صفائی اور کدر نہیں اکٹھے ہوسکتے فقط محمد ذکا اللہ

عارف کامل مولوی نذیر الحسن صاحب چشتی فتح اللّٰہی کے اسم گرامی سے ناظرین نظام المشائخ اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ کے دو بے مثل اور پر اثر مضامین "حُب وطن" اور "نور دل" کو خاص دلچسپی سے پڑھا گیا ہے۔ آپ علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ اور اہل دل درویش ہیں۔ ایک زمانہ میں آپ کے علمی کارناموں کی علماء و مشائخ کے حلقہ میں خوب شہرت تھی مگر اب تھوڑے عرصہ سے مولانا پر ایسی استغراقی کیفیت طاری ہے کہ دیگر تعلقات دنیا کے ساتھ تحریر کا شغل بھی ترک ہو گیا۔

رسالہ نظام المشائخ خوش قسمت ہے کہ اسکے خادم نے مولانا کو پھر اس کوچہ میں کھینچ لیا چنانچہ فی الحال تین مضمون اسکے لیے تحریر فرمائے گئے ہیں۔ ایک نثر اور ایک نظم اسی پرچہ میں درج ہیں۔ تیسرا مضمون "ہدیہ مرغوب" آیندہ ماہ میں نکلے گا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ گذشتہ ماہ میں ہمارے ایک دوست کا "موت" کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انگریزی خیالات تھے۔ اس مضمون کو پڑھکر بعض اشخاص نے تقدس مآب حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب سے خواہش ظاہر کی کہ موت کے مضمون کو اسلامی طریق سے بھی لکھنا چاہیئے۔ اسی اثناء میں حضرت موصوف کی خاتون محترم نے رحلت فرمائی اور مضمون مذکورہ یعنی موت پر لکھنے کی ایک اور قدرتی تحریک پیدا ہوگئی۔ چنانچہ حضرت نے مضمون لکھنا شروع کر دیا تھا کہ مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب کا یہ فاضلانہ مضمون اسی "موت" کے متعلق موصول ہوا۔ اور نثر کے ساتھ نظم بھی اسی مضمون کی آئی۔ یہ دیکھکر حضرت خواجہ صاحب نے قلم روک لیا اور فرمایا زندہ نے مردہ کا فرض ادا کر دیا۔ امید ہے کہ ناظرین اس مضمون کو ملاحظہ فرما کر انگریزی تخیل کی پرواز

اسلامی بیان کی معانی جن کی کو اچھی طرح سمجھ جائینگے +

تفسیر آیہ قرآنی

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ

یاد داری کہ وقتِ زادن تو | ہمہ خنداں بُدند تو گریاں
آنچناں زی کہ وقتِ مردن تو | ہمہ گریاں شوند تو خنداں

مذہب اسلام افراط و تفریط سے مبرا ہے۔ اسلام کی حقانیت کی جہاں اور بہت سی ادلۂ قویہ ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ اسکے اصول بالکل سہل الحصول سہل القبول اور طاقت بشری کی برداشت سے باہر نہیں۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ اسلام میں اصل الاصول ایمان ہے جسکی تعریف ہو۔ الایمان بین الخوف والرجاء[له]۔ دیکھیے یہاں کسطرح افراط و تفریط کا پہلو اٹھایا گیا ہے سمجھدار سمجھ سکتے ہیں کہ مجرد خوف یا رجا کی حالت یا تو نہایت خطرناک سخت فتنہ انگیز اور حد سے زیادہ باعث شور و شر ہے۔ یا انسان کو جملہ معمولات سے روکتی ہوئی اور دنیاوی معطل محض کردینے کیلئے کافی ووافی مطلب ایک بھی نہ نکلا عالم آخرت

[له] قال الشیخ عثمان الخوف من عدل اللہ والرجاء من فضلہ تعالی اھ مع خوف کے ایسا دو۔۔ پر ترجیح نہو کما قال لو وزن خوف المؤمن ورجاؤہ بمیزان ترتیب لاعتدلا اگر رجا خوف پر غالب ہو یا مجرد رجا امن غفور ہیگا۔ کما قال عزمن قائل ما غرک بربک الکریم الآیۃ اگر خوف رجا پر غالب ہو یا مجرد خوف ہی خوف ہو ہلاکت لازمی ہے کما قال عزمن قائل انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکفرون کامل الایمان وہی ہو جس میں یہ دونوں صفتیں مساوی ہوں۔ ہاں اخیر وقت رجا پر وثوق او سنظ عنایت و رحمت حق یہ ہو کما قال یحیی بن معاذ مسئلۃ الخوف من بحر عدلہ و مسئلۃ الرجاء من بحر فضلہ وقد سبق الفضل العدل لقولہ سبقت رحمتی علی غضبی ۱۲ منہ

تو دوسرا اسی عالم اسباب کے خاص انسان مقاصد طرز تمدن طریق معاشرت اخلاق و خیالات عادات و اطوار ایسی ایسی کروٹیں بدلتے نظر آئینگے کہ جزیرہ انڈمن وا ؤڈ پیکے قدیم وحشی پتے پوش اور مالوہ کے بھیل بھی اپنی غیر مہذب بہائمی خصلتوں میں قابل معافی مجبور معذور سمجھے جائینگے۔ دونوں جہان کی لذتیں توسط و اعتدال کی پابندی کرنے والوں کے ساتھ وابستہ ہیں خیر الامور اوسطہا۔ مومن وہ ہے جو صاحب ایمان ہو۔ عقائد کے ائمہ نے مومن و مسلم کے معنوں میں بہت کچھ تحریر فرمایا۔ امام ابو منصور ماتریدی کی تحریر لطیف قول فیصل ہے۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم۔ حدیث متواتر انما الاعمال بالنیات۔ اسی قلبی نگاؤ۔ اسلام کی یعنی ایمان کی جانب ترغیب تحریص دلا کر عملیات کی مقبولی غیر مقبولی کی شہادت دے رہی ہے التصوف تصحیح الخیال گویا صفائی باطن اور تصحیح خیالات لازم و ملزوم۔ خیالات کی درستی بغیر صفائے قلبی ناممکن۔ قلب کا پاک ہونا اور خیالات کا بدستور الجھا رہنا سراسر غلط محال در محال۔ یہی وجہ ہے کہ قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ کہا گیا ہے۔

دل چہ باشد مطلع انوار حق	دل چہ باشد منبع اسرار حق
دل بود مرآت ذوالجلال	در دل صافی نماید حق تعالیٰ
ہست سالک عرش رحمٰن ست دل	جملہ عالم چوں تن و جان ست دل
دل مقام استوائے کبریاست	دل نباشد آنکہ با کبر و ریاست

قلب الانسان بیت الرحمٰن۔ دل صاف اور محل ایمان ہو تو پھر ایمان کا کیا پوچھنا اور عملیات کا کیا کہنا۔ مگر افسوس کہ ہماری طرز عمل سے ظاہر ہویدا روشن نمودار کہ ہم صرف زبانی ہاں ہاں بجا درست کہنے والوں میں ہیں۔ نہ قول کو فعل سے مطابقت نہ زبان کو دل سے لگاؤ۔ اب ایسی سے ہم اپنے ایمان کی کہیں سنیں تو واللہ ثم باللہ کچھ بھی کہا سنا نہ جائے۔ خیر القرون کو جانے دیں۔ اُسکے بعد بہت بعد کے زمانہ پر

نگاہ ڈالیں تو صحیح اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں اور ایمان نے ہمارے قول
قول و فعل زبان و دل کو کہاں تک مطابق موافق کیا ہے۔ ایک ایک اصول کو کہاں تک
جانچیں سب جانے دیں۔ صرف آیۂ قرآنی مندرجۂ عنوان سے زبان و دل کا لگاؤ ایمان
و قلب کا ربط قول و فعل کا حال دیکھ بھال کر جس سے ایمان کی سچی تصویر بخوبی روشن و
عیاں ہوجائے گی۔ آیندہ کے لیئے ایک ایسا نتیجہ نکالیں جو ہماری آنے والی دائمی
پائدار اور کبھی نہ فنا ہونے والی زندگی کے لیئے نافع و مفید باعث مسرت و فرحت ہو
اب دیکھنا چاہیئے کہ ہم علم الیقین عین الیقین حق الیقین یا سب چھوڑ چھاڑ فقط
یؤمنون بالغیب کی شان بلند مدارج ارفع کے کس درجے پر پہنچے۔ ہماری پرواز
اسفل سے اعلیٰ کی جانب ہے یا ترقی معکوس یا رجعت قہقری نے اُس ہولناک گھاٹی
لق و دق میدان میں جا ڈالا جہاں نہ اب کسی ناصح کی نصیحت کا نور تک پہنچ سکتی
ہے نہ کسی سچے ہمدرد خیر طلب کی ہمدردی خیر طلبی کا اثر رہنما و دستگیر ہو کا بیڑا اٹھا
سکتا ہے خواب غفلت میں ہیں یا بیدار میٹھی نیند میں ہیں یا ہشیار "کھوٹے کھرے
کا پردہ کھلجائے گا چلن میں"۔ اُس مالک جبار رب الارباب وسیع الاختیار کا حکم محکم ہے
فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون۔ پس جب آئے گا
وقت اُن کا نہ پیچھے رہیں گے ایک ساعت اور نہ پہلے چلیں گے۔ اس سے ملتی
جلتی قرآن عظیم میں اور بہت سی آیتیں عبرت دلانیوالی موجود ہیں مثلاً وما کان
لنفس ان تموت الا باذن الله کتبا موجلا۔ کل نفس ذائقة الموت
نحن قدرنا بینکم الموت۔ ولن یؤخر الله نفسا اذا جاء اجلها وقس
علی ہذا۔ فاذا جاء اجلهم۔ پس جب آئیگا وقت اُن کا۔ لا یستاخرون ساعة
نہ پیچھے رہیں گے ایک ساعت ولا یستقدمون۔ اور نہ پہلے چلیں گے۔ مطلب یہ
کہ وعدے سے کم نہ زیادہ۔ موت کے لیئے کسی خاص وقت کی ضرورت نہیں۔ نہ کوئی میعاد معینہ

بتائی گئی - یہ نہیں حکم ہوا کہ آج شام تک مرجاؤگے - نہ یہ ارشاد ہوا کہ آئندہ ماہ کی فلاں تاریخ
کو کوچ ہے - فرمان عظیم الشان تو یہ ہے کہ جب وقت آئیگا - ایک ساعت کا
توقف نہوگا - یہ حکم محکم تازیانہ غفلت ہے - ایک ایک لمحہ کی قدر یاد دلانیوالا خواب
نوشیں سے جگانے والا - بیدھڑک ناصح - سچا ہمدرد - ابھی آنًا فانًا فنا ہوجائیں کیا عجبا
آپ بلائیں ہم نجائیں ایسی مجال یہ اختیار - آہ جب موت ہردم دم کے ساتھ ہے
اور دم کی دم میں بیدم ہونے کا یقین غالب تو اُس نازک بیکسی اور بے بسی کے وقت
کو جسے عالم نزع کہتے ہیں ہم کس بھروسے کس برتے پر ہوئے بیٹھے ہیں - افسوس
اُس تنگ و تاریک تاریک مکان کے لیئے جو اول منزل ہے - اور جہیں سب اعزاز
احبار اپنے پرائے - خاک کے بچھونے پر سلا کر مٹی میں دبا کر منہا خلقنکم و فیہا
نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخری پڑھ پڑھا کر چلے آئینگے - ہم نے کیا کیا
سامان فراہم کیئے کہ اسطرح بیباک ایسے نڈر - اترائے اترائے پھرتے ہیں - اُس
دور دراز سفر کے لیئے جس سے کسیکو مفر نہیں - ہم نے کیا زاد راہ لیا - پلۂ میزان کو ہمارے
کون کون سے نیک عمل بھاری کریں گے - صراط سے ہوا کی طرح اُڑ جانے کو ہماری کون کونسی
ریاضات کافی ہیں - آہ افسوس افسوس !! یہ تہیدستی یہ بے سروسامانی - اسپر ہمارا
نازبیجا دعوے ایمانی - غفلت کی میٹھی نیندیں ہیں اور لطائل عیش و آرام آخر کچھ حد ہے
کچھ انتہا ہے ؎

تا چند اسیر نفس و شیطاں باشی — افتادہ بدام فسق و عصیاں باشی
ترسم کہ چو پردہ از میاں برخیزد — خوار و خجل و زار و پشیماں باشی

مرنا مرنا تو ہم کہتے ہیں مگر نہ کبھی اسکے لوازم پر نگاہ ڈالی نہ نتائج پر غور کیا - ابتدا سے اِس
وقت تک کے واقعات اگر ہم ذرا بھی چشم عبرت سے دیکھیں تو آنکھیں کھلجائیں غفلت
کے پردے خود بخود دور ہوں - ہمارا باطن صاف ہو اور طینت پاک - ہم میں سچی طلب ہو

اور قبولیت کا مادہ۔ اُسوقت یقین ہو کہ خدا کی رحمت ہماری دستگیری کرے۔ نور ایمانی سے ہمارا قلب منور ہو۔ اور ہم سچے پکے مومن کہے جانیکے مستحق۔ تلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون ہ فاعتبروا یا اولی الابصار ہ فاعتبروا یا اولی الالباب

حضرت ابو البشر جن کا کالبد لطیف کہاں کہاں کی مٹی سے چالیس دن میں خمیر ہوا (وخمر فا طینۃ آدم اربعین صباحًا) پھر ہوا سے نفخت فیہ من روحی وہ کالبد خاکی روح پاک کا محل بنا۔ عظمت وہ ہوئی کہ مسجود ملائک ہوئے۔ جنت رہنے کو ملی۔ دنیا آپ سے آباد ہوئی۔ عمر ہزار سال پائی۔ بالآخر جبل بوقبیس میں جسم خاکی ہوا۔ اور روح اعلیٰ علیین میں جا گزین۔ حضرت نوح کا طوفان عظیم الشان ہیں کہ بمقتضائے ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر و فجرنا الارض عیونا۔ آسمان و زمین پانی ہی پانی تھا موت سے واسطہ نہ رکھیں مگر آخر کار جام ممات نوش فرمائیں۔ حضرت ہود بادصرصر سے قوم عاد کو پست کردیں مگر اس ہادم اللذات سے خود بھی نجات نہ پائیں۔ حضرت خلیل ع کے جسم لطیف پر آتش نمرودی کے بھڑکتے شعلے پھول کی طرح اپنی بہار دکھائیں۔ مگر ایک سو بیس برس کی جب عمر شریف ہو اس عالم سے تشریف لیجائیں۔ حضرت ایوب باہمہ صبر و عبادت انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین فرمائیں۔ پھر بھی تلخی موت سے نجات نہ پائیں حضرت سلیمان کو اُٹھنے کی حضرت موسیٰ ع کو بیٹھنے اجازت نہو۔ تخت سلیمانی کیا ہوا۔ حضرت یوسف ع کی رعنائی حضرت داؤد ع کی زمزمہ سرائی کدھر گئی۔ حضرت یحییٰ و زکریا یوشع و حزقیل شعیب عزیر کہاں تشریف فرما ہوئے۔ صدہا زہاد و عباد ابدال و اوتاد ہزاروں اولیائے کبار صالحین ابرار و اخیار پیدا ہوئے مگر پنجۂ موت سے کسی نے نجات نہ پائی۔ خود ہمارے نبی کریم ہادی دین قویم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جن کی شان اقدس لولاک لما خلقت الافلاک ہے۔ اس حیات ظاہری سے محفوظ نہ رہکر عالم بقا میں رونق افروز ہوں۔ یہ بیدادی و گیانی بنی امیہ و ساسانی۔ خلفائے عباسیہ و آشکانی۔ دیالمہ

چنگیز ثانی - اور خدا جانے کون کون ناحق ملک بقا ہوئے سہ

تلک اثر او ا غرور سے ساختی دار البوار تلک اثر دار القرار ساختی دار القرار

ان واقعات گزشتہ کے علاوہ روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایسے ایسے حادثات ہوا کرتے ہیں کہ اگر ہم ذرا بھی غور و فکر سے کام لیں چشم عبرت سے دیکھیں تو ہماری غفلت کا پورا پورا علاج ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس تو یہی ہے کہ ہم میں غور کا مادہ۔ عبرت کی آنکھیں نہیں ہیں زبان گویا ہے اور دل خاموش۔ ہاں ہاں کے سوا کبھی نہیں سے واسطہ نہیں۔ ترکتہ بہب ونیلہ لبیک لبیک زبان پر جاری ہے لیکن جبتک عملی طریقہ سے ثبوت نہ دیا جائے زبان دل کی سچی ترجمان قرار نہ پائے۔ دلی قبولیت قلبی۔ مقبولیت کا صحیح اندازہ ناممکن بلکہ محال ہے۔ اے دوستان صادق اے یاران۔ وافق ایک موت کی یاد سچا پکا دین دار بنانے کو کافی ہے۔ قلب گداز ہوگا۔ نیکی راستبازی دیانت امانت اور آخرت کی طلب ہوگی۔ اس زرق برق سے۔ حشمت۔ حسد کینہ عُجب ریا پندار غرور و نخوت عادات ذمیمہ سے نفرت ہوگی۔ عداوت ہوگی دل صاف ہوگا از طینت پاک۔ غرض سچے مسلم کی شان ہوگی اور سچے مومن کی جھلکتی جھلکتی تصویر۔ یہی باعث ہے جو حدیث میں آیا ہے۔ حضور اقدس روحی فداہ نے فرمایا ہے کہ جو دن میں تین دفعہ موت کو یاد کرے اُسکی موت گویا شہید کی موت ہے۔ زیارت مقابر کا بھی یہی مقصد ہے کہ دوسروں کی موت سے اپنی موت یاد آئے۔ یہ ماؤمن خودی وانانیت کی پکار رہی ہے یہ چوں و چرا۔ سہو تو یہ سب اسی دنیاوی غفلت بیجا محبت کے باعث ہے موت کی یاد ہمارے جملہ امراض روحانی کا علاج ہے کفی بالموت واعظا۔ اے یاران سفری دنیا بے ثباتی ایک امر بدیہی ہے جس میں گنجائش چون و چرا نہیں۔ یہ عالم عالم اجسام ہے جملہ موجودات مادیہ کیسے ہی ہوں تو جملہ اجناس (جمادات نباتات حیوانات) بہت صاف صاف کھلے ہوئے الفاظ میں پکار پکار کر کلا من علیہا فان پر

شہادت دے رہی ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ عالم ارواح علیین سجین کا سامنا ہے بمقام علیین علویات کا ذخیرہ قربت و وصلت کا خزانہ۔ ابرار کا مقام۔ روحوں کا ٹھکانا کما قال اللہ تعالیٰ۔ کلا ان کتاب الابرار لفی علیین ہ وما ادرٰک ما علیون ہ کتاب مرقوم یشھدہ المقربون۔ اسفل السافلین سجین سفلیات سے متعلق دوری و مہجوری کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ کلا ان کتاب الفجار لفی سجین ہ و ما ادرٰک ما سجین ہ کتاب مرقوم ہ ویل یومئذ للمکذبین الذین یکذبون بیوم الدین ہ۔ یقین نہیں کرنے والوں کی موت کے زہریلے اثر نے سب چوکڑیاں بھلادیں۔ کل نفس ذائقة الموت ؎

بہر کہ زاد بناچار بایدش نوشید ز جام مرگ ئے کل من علیہا فان

یہ عالم عالم آخری ہے۔ دنیا فانی دنیا کی ہر شئے فانی ہر مرت سے فنا فنا کی صدا میں آرہی ہیں ایک دن آنیوالا ہے کہ لمن الملک الیوم کا جواب بجز ذات پروردگار عالم عالم عالیان سے نہ دیا جائے گا۔ نہ کانوں میں قوت سامعہ ہوگی نہ آنکھیں میں قوت باصرہ۔ نہ قوت گویائی ہوگی نہ حس حرکت غرض یہ کچھ بھی نہوگا اور ہوگا تو وہی وات فرد وصمد وجود مطلق باری تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ۔ شان قہاری کا ظہور ہوگا۔ اور للہ الواحد القہار۔ کی عبرتناک صدا۔ عبرت عبرت عبرت فاعتبروا یا اولی الابصار۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔ (تنبیہ مضرت صحبت بد)

این جہاں خود حبس جانہائے شماست ہیں روید آں سو کہ صحرائے شماست

تو مکن خود را اسیر این دکاں این دکاں بربند و بکشا آں دکان

دنیا دالو! دنیا ہی میں دنیا تک محدود نہیں جیسی کرنی ویسی بھرنی یہ تو عملیات کے متعلق اور عملیات پر اثر اور تو اتر ہے صحبت اور انسیت یاران جنسہ ایس لی اور تسبیق قلبی کا۔ اب بات یہ نکلی کہ اس عالم میں روحوں کا رجحان ہماری اس آنیوالی دائمی پیدا

ایک نسبت ناممکنات سے ہی۔ روح وجسم میں یگانگت تعلق قریبہ اور پھر تفرقہ پرواز وحشت ونفرت واجبات سے ہے محسوسہ غیر محسوسہ اشارات غیر اشارات میں ؟ المشرقین والمغربین۔ صاف صاف آیۂ کریمہ فلا اقسم بما تبصرون ۥ وما لا تبصرون سے آشکار وہویدا۔ روح بنفسہ جوہر قائم ہے نہ متصل نہ منفصل۔ تصرفات وتدبیرات دَور جاری روح میں تغیر وتبدل کو کیا دخل۔ روح حقیقت جنسیہ ہے نہ ماہیت نوعیہ عالم ارواح الطف والنظف۔ اس عالم اُس عالم سے نسبت کیا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک سب جانے دیجئے۔ اسی قفس عنصری میں طائر روح کا کیا حال ہے۔ تڑپنا بے چینی ہے آہ وزاری۔ گریہ وبیقراری۔ آخر یہ کیا وبال ہے۔ ہاں نشیمن اصلی بھولتا نہیں۔ اتحاد بنا نکلتا نہیں ؎

محبت است کہ دل را نمیدہد آرام وگرنہ کیست کہ آسودگی نمے خواہد

جب روح کا یہ حال تو تعلقات روحی کا کیا پوچھنا۔ مضمون بے ثباتی دنیا کا ہے مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱) تعینات کی پیچیدہ راہیں ہیں عاشق معشوق کا تام نا نہ نیا کا حقیقۃً اسی ایک کا کام اسی ایک کا فسانہ ہمیں زمانہ سے کام نہیں اہل محبت اہل وحدت خدا ہی کو ہر جگہ دیکھیں نقاب کیسا حجاب کیسا۔ جانے نقاب میں کوئی جلوہ دکھاتا اہل عشاق میں آگ لگاتا بھڑکاتا ہے نہ ارواح کے جلوہ سب انہی نور نور علی نور ہے الف تبہ کل منزلست عدد شمار کی ہست ۔ لبید شاعر کے اس قول پر حضور روحی فداہ نے مدح فرمائی الا کل شیء ما خلا اللہ باطل۔ اور عارفوں پر پوشیدہ نہیں کہ ہر شے سوا کے نابود ہے قول العارفین الروح عبارۃ والقائم بالاشیاء ہو الحق سبحانہ انا فی العارف اقدس روحی فداہ کا ارشاد ہے والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ فثم فھو ہو الاول والاخر والظاہر والباطن ؎ غیرتش غیر در جہان [illegible] جملہ اشیا شد ۔ یہ سب حقیقت محمدیہ کا پرتو ہے وحدت وجود [illegible] انسان [illegible] کی بستی ہے کہ جنکا وجود سراپا جود باعث اظہار ساجد ومسجود ہے سب تیار ہو [illegible] ساری [illegible] کا ظہور

کیا کھلتا ہے خواب غفلت سے چونکنا ہے ثباتی دنیا کا اقرار اور ترکِ غفلت پر اصرار سمجھ سے دور عقل سے دشوار بہت دشوار ہے۔ اور صحبت بد اُسی غفلت کا جزو اعظم صحبت بد سے گریز نہیں تو غفلت جائیگی نہیں غفلت نہ گئی تو کام دینی درست ہونے سے رہے۔ کام دینی درست نہ ہوئے تو امانت دیانت راستبازی نیکی دینداری کچھ بھی نہیں۔ غرض انسان انسان ہی نہیں۔ الامان الحفیظ۔ الحذر *

دوستو! پیدا ہوئے تو مرو گے ضرور۔ اور مرنے پر محاسبہ یقینی۔ پھر یہ غفلت یہ بے پروائی۔ یہ خواب نوشیں یہ خود نمائی۔ اب بھی چونکو بیدار ہو۔ ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ نادم ہو اور پشیمان۔ صاف دل ہو اور سچا ایمان ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن ۔ راہ خود گیر و کار آساں کن

السلام علی من اتبع الہدٰی۔

محمد نذیر الحسن فتح اللہی ایرانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۴) خدائی کا اظہار۔ اسی ذات ستودہ صفات مظہر انم جامع انوار حسنٰی سے ہوا لولاک لما اظہرت الربوبیۃ خود حضور قدس روحی فداہ کا ارشاد پاک یا ابا بکر ابعرفنی حقیقۃ غیر ربی ؎ ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند * بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک ۔ دفعہ دوم اجنا میں فنا کی طرف اشارہ ہے۔ قاعدہ مقررہ صوفیہ کرام علیہم الرضوان ہے کہ جملہ صفات منفی کی فانی ذات کرجاتی ہیں یعنی متصف بصفات منفی ہو جاتا ہے۔ صاحب رسالہ تحفۃ المرسلہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان القرب قربان قرب النوافل وقرب الفرائض اما قرب النوافل فزوال الصفات البشریۃ وظہور صفاتہ تعالٰی علیہ بان یحیی ویمیت باذنہ تعالٰی ویسمع ویبصر جمیع جسدہ لا من الاذن والعین وکذا یسمع المسموعات من بعید ویبصر المبصرات من بعید عن ہذا نقیا لکم و اما قرب الفرائض فہو فناء العبد بالکلیۃ عن شعور جمیع الموجودات حتی عن نفسہ بحیث لم یبق فی نظرہ الا وجود الحق سبحانہ تعالٰی وہذا معنی فناء العبد

الفراق[1]

آج کیا ہے کیوں ہوا جوشِ الم — دل پہ کیوں چھایا ہوا ہے ابرِ غم

کیوں سرشک غم کی طغیانی ہوئی — کشتیِ دل کیوں یہ طوفانی ہوئی

سوزِ غم سے کیوں ہو سینہ داغدار — کیوں کسی پہلو نہیں دل کو قرار

دل کی بے چینی نے کیوں مضطر کیا — درد کیوں اٹھ اٹھ کے بٹھانے لگا

کیوں ہوا بیت الحزن بیت السحر — اور مسرت ہوگئی کیوں کوسوں دور

کیوں نہ تنہائی سے انسیت ہوئی — اپنے بیگانے سے کیوں وحشت ہوئی

صحبت احباب سے کیوں ہے ملال — کیوں ہوا کنجِ خمول[2] کا خیال

کیا کسی کے چھوٹ جانیکا ہے غم — یا اکیلے چھوڑ جانے کا الم

یا کسی کی بے وفائی کا خیال — یا کسی کی سرد مہری سے ملال

یا کسی بے رحم نے نالاں کیا — یا دلِ بیمار نے گریاں کیا

یا جدائی ہے کسی کی دل پہ شاق — کیوں زباں پر آرہا ہے الفراق

اے فراق دوست تجھ سے الحذر — الحذر ثم الحذر ثم الحذر

اے فراق دوست تو آیا جہاں — پھر رہا یہ خشک و تر باقی کہاں

آگ تیری پھونک دیتی ہے جگر — اور جلا دیتی ہے سینہ سر بسر

تیرا جس دل میں ٹھکانا ہوگیا — تیرِ غم کا وہ نشانا ہوگیا

---

[1] اس نظم درد انگیز نتیجہ خیز میں بعض جگہ فراق سے محض فراق زندگی (وصال یار) فراق عارضی اور اکثر جگہوں میں فراق دائمی (موت) مراد ہے۔ مثالیں عام ہیں اور بہ ... تمہید میں تذبذب یا استفہام ... سے آگے نتیجہ صاف اور نہایت صاف ...

[2] [illegible]

بھری بستر پہ ہے تیری نگاہ | رات دن کرتا ہے وہ آہ آہ
تو نے جس سے آشنائی ٹھان لی | مال و دھن بھی لے لیا اور جان لی
موت کا آنا ہوا آنا ترا | جان کا جانا ہوا جانا ترا
عقل والے تجھ سے بھولے قیل و قال | صوفیوں کا بھی گنوایا تو نے حال
باپ کو بیٹے کا غم تو نے دیا | ماں کو دی بیوہ اگر تو آگیا
داغ ماں کا تو کبھی لڑکوں کو دے | اور کبھی تو ان کو دکھیاری کرے
بھائیوں کو دے کبھی بہنوں کا غم | اور کبھی بہنوں کو بھائی کا الم
ننھے بچوں کو بنائے تو یتیم | دوستوں کی تجھ سے ہے حالت سقیم
کچھ ترس تجھ کو نہ آئے وہ ہے تو | دھوم تیری ہو رہی ہے چار سو
سیکڑوں جانیں ہوئیں تجھ سے ہلاک | تو نے لاکھوں کو چھپایا زیر خاک
اپنی چالوں میں تو سب سے فرد ہے | فتنۂ دوراں بھی تجھ سے گرد ہے
فتنۂ ایام و آشوب جہاں | خانہ سوز صد چو من بے خانماں
از تو چشم اہل دوراں خونفشاں | کوہ و صحرا ہم بخون دامن کشاں
روحیوں کو دے محبت کا سبق | جسم والوں کا کلیجہ تجھ سے شق
... خدمت تیرا روحانی کریں | اور نفرت تجھ سے جسمانی کریں
... سے دو ملے ہیں امید و بیم | فرق اسی سے ہے جو ہو قلب سلیم
پختگی امید کی صورت دکھائے | اور خامی خوف سے ہر دم ڈرائے
پختگی یعنی کہ تصحیح خیال | جس سے کوسوں دور ہے رنج و ملال
ایک صورت جبکہ ہر صورت میں ہے | پھر نہیں کیا غم میں جو راحت میں ہے
دل کے عکس کا تفاوت ہی فقط | اپنے ہاتھوں یہ مصیبت ہے فقط
شکل بھونڈی آئینہ بدنام ہے | کیسا الٹا اس جہاں کا کام ہے

ہاں فراقِ دوست پھر ہو گفتگو — دل بہلتا ہے جو تو ہو روبرو

سب ہنر تجھ میں ہیں لیکن اے عزیز — ہم ہیں جسمانی کہاں تیری تمیز

صاحبِ باطن تجھے پہچان لیں — ہم سے ظاہر بیں بھلا کیوں مان لیں

دل ہی قابو میں نہیں مانیگا کون — نیک مال بیلاں جانے گا کون

ہاں وہی جانے گا جسکو لے فراق — تجھسے ملنے کا ہوا ہو اتفاق

اضطراری امر میں کیا اختیار — بے قراری میں کہاں آئے قرار

ہاں کسی بھولے ہوئے کی یاد میں — کچھ مزہ مل جاتا ہے فریاد میں

اے فراقِ دوست یہ تیرا کرم — ہم سے محتاجوں کو جو دے بیش و کم

سینہ بریاں چشم گریاں تجھسے ہے — وحشتِ دل آہ سوزاں تجھسے ہے

بیقراری بے دلی افسردگی — سینہ کاوی جاں کنی آزردگی

تجھسے کیا کیا اے سخی ہمکو ملا — مرحبا صد مرحبا صد مرحبا

خواب و خور تجھسے ہوا ہمپر حرام — اے تو زندہ باش تا یوم القیام

ہم ہی اک تجھسے نہیں ہیں دردمند — سب ہیں تیرے کچھ نہ کچھ احسانمند

حضرت یعقوبؑ کیوں گریاں رہے — کسکے یوسفؑ چاہ میں جویاں رہے

سلطنت سے مصر کی کیوں تھے اداس — اور قمیصِ خاص بھیجا کس کے پاس

تھیں زلیخا کس لیئے لیل و نہار — با دلِ غمناک و چشمِ اشکبار

کس لیئے دی قیس نے جانِ حزیں — کس لیئے لیلیٰ ہوئی محمل نشیں

کیوں ہوا فرہاد تیشے سے ہلاک — کس نے شیریں کو دبایا زیرِ خاک

نل دمن کی کس سے یہ شہرت ہوئی — وامق و عذرا کی کیا حالت ہوئی

غلغلۂ شمع اب کیوں ہے جو تھا زار زار — یاد کسکی لے گئی صبر و قرار

کیوں ہے شمع بزم اب افسردہ جاں — اے فراقِ دوست تجھ سے الاماں

تیرے افسانے ہیں خود مشہور عام — من چہ گویم من چہ باشم والسلام
روح جب نکلی ہوا مرنے کا نام — روتے دھوتے رہ گئے سب خواص عام
جسم و جاں کا واسطہ جاتا رہا — رابطہ و ضابطہ جاتا رہا
ہے یہی جانا نہ آنے کی خبر — رونے دھونے کا کہاں اُن پر اثر
جانے والوں کو نہیں دنیا سے کام — آنے والوں کا رکھو اب کوئی نام
آنے والوں سے کرو اب دل کو شاد — جانے والوں کی مگر دلمیں ہو یاد
اُنکو مت بھولو کہ مرنا ہے تمہیں — اور اسی جانب گزرنا ہے تمہیں
دوستوں کی موت سے تم لو سبق — اور اثر ایسا ہو دل ہو جائے شق
رو متاب از جسم و جاں شاد کن — موطن اصلی خود را یاد کن
پھر کہاں ہو مرنے جینے کی خبر — پھر کہاں رہجائے یہ نفع و ضرر
جب ہو یکسوئی دوئی کا نام کیا — مرنے جینے سے رہے پھر کام کیا
تہنیت کسکی ہو کس کی تعزیت — اُنسیت کس سے ہو کس سے غیریت
رنج و غم عیش و طرب سب سے الگ — آہ و اشور و شغب سب سے الگ
وصل کسکا اور کس سے ہو فراق — ایک حالت ہو نہ رہجائے نفاق

ایسی حالت میں کہاں پھر ہو کلام
بس سخن کوتاہ باید والسلام

محمد نذیر الحسن فتح اللّٰہی ایرانی

ہر ایک کو اک دن اجل آنی ہے — دنیا گذران ہے ہیچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو — گویا کہ شہید نور یزدانی ہے

اکبر الہ آبادی

مکاشفۃ القلوب - حضرت امام غزالی کی کتاب مکاشفۃ القلوب کا اردو ترجمہ عزیز القلوب کے نام سے شایع ہوا ہے - اسلامی اخلاق کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا جسکا اسمیں ذکر نہو - اردو زبان میں اس قسم کی کتابوں کا منتقل ہونا بہت مفید ہے - مولوی عبدالرحیم صاحب تاجر کتب مسجد چینیاں والی لاہور نے اسکو چھپوایا ہے - ۱۰۵ صفحوں پر کتاب ختم ہوئی ہے - قیمت ۸ بالکل مناسب ہے -

معدن الاعمال والمسائل - عملیات و دعا تعویذ کے بارہ میں کارآمد کتاب ہے کئی بار چھپ چکی ہے جس سے اسکی پسندیدگی کا اندازہ ہوتا ہے - ۲۰۵ صفحے ہیں - بارہ آنہ قیمت پر سلطان مرزا خانصاحب و میرزا فضل علی خانصاحب مالکان مطبع محمدی دہلی کوچہ چیلان سے دستیاب ہوگی -

شدہی کی اشدہی - میر قاسم علیصاحب احمدی نے آریہ سماج کی شدہی کے متعلق یہ کتاب لکھی ہے سماج کے اندرونی اسرار کو عجیب پیرایہ سے ظاہر کیا ہے - ۸۰ صفحے ہیں - قیمت چھ آنہ بہت کم ہے - میر قاسم علی صاحب احمدی تراہہ بیرم خان دہلی سے ملیگی -

مکتوبات چراغ ربانی - مولانا شاہ محمد کامل صاحب چراغ ربانی کے مکتوبات مولوی محمد اکرم صاحب رئیس محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڈہ نے بھیجے ہیں - بزرگانہ کلام ... خوبی کے قطع نظر لکھائی چھپائی ایسی اعلی ہے کہ آنکھیں سیر نہیں ہوتیں - شائع ... ارشادنامے ایسے ہی چھپنے چاہئیں - قیمت کچھ نہیں لکھی -

درد دل - قاری سرفراز حسین صاحب چشتی نظامی سیاح جاپان کی سوز و گداز سے لبریز تصنیف ہے - زبان بھی اعلی - اور مضمون بھی درد انگیز - سو کاپیاں حلقہ کی نذر ہوئی ہیں - فی نسخہ دو آنہ قیمت پر منزل گاہ حلقہ کے پتہ سے طلب ہو -

صوفیانہ رسالے

اب جبکہ طبقہ صوفیہ کی جانب سے ملک میں متعدد رسالے شائع ہونے لگے ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سرسری طور پر ان کی تاریخ لکھی جاوے۔ و نہایت آزادی و ایمانداری سے موجودہ مسائل پر رائے زنی ہو۔ امید ہے کہ منصف مزاج حضرات ہماری رائے کی صفائی پر ناراض نہوں گے

راقم خاکسار احدی نائب مدیر رسالہ نظام المشائخ دہلی

المعارف اس نام کا ایک رسالہ مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پانی پتی کی ایڈیٹری میں گزرا تھا کہ عرصہ ہوا نکلتا تھا۔ اگرچہ اسکا نام تو اہل تصوف کے مذاق کے موافق تھا۔ مگر مضامین بعض صوفیائے کرام کے واسطے مخصوص نہ تھے۔ بلکہ ہر قسم کے علمی ادبی مضامین شائع ہوتے تھے معرفت کے تمام مستند فاضل جو اخباری دنیا میں آنا پسند کرتے تھے المعارف کے مضمون نگار تھے اور پرچہ نہایت آب و تاب سے شایع ہوتا تھا۔ مولوی وحیدالدین خود بھی بڑے پایہ کے لکھنے والے تھے۔ گو ان کو تصوف سے قلبی لگاؤ نہ تھا۔ لیکن مشائخ پانی پت کے تعلق اور کچھ ذاتی معلومات و مطالعہ کے سبب اس کے مضامین تصوف بہت زوردار ہوتے تھے۔ المعارف سرسید احمد خان مرحوم کے تہذیب الاخلاق کا ہم پلہ مانا جاتا تھا۔ مگر باوجود سراپا محاسن ہونیکے مالی اعتبار سے پرچہ بالکل کمزور تھا اور خواص کے سوا عوام اسکو نہ خریدتے تھے۔ یہانتک کہ ایک دن اسی مجبوری سے مالک کو اسے بند کرنا پڑا۔

العرفان زمانہ کا رخ دیکھکر کہ ہر فرقہ کا ایک اخبار یا رسالہ جاری ہو رہا ہے۔ ملک کے مشہور اہل قلم مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی نے اس نام کا ایک پرچہ اپنے کسی عزیز کے نام سے نکلوایا تھا۔ مضامین عام و خاص مذاق کے مابین ہوتے تھے جس سے امید

ہوتی تھی کہ یہ پرچہ چل نکلے گا۔ اور کچھ کر کے دکھائیگا۔ شرر صاحب نے تصوف کے بعض مشائخ عظام کی سوانح عمریاں بھی شایع کیں جو ملک میں عام شوق و گرویدگی سے پڑھی گئیں۔ مگر افسوس ہے کہ العرفان پورے سال بھر بھی نہ چل سکا۔ اسکے اسباب ہمارے خیال میں کئی ہیں۔ اول تو شرر صاحب جو کچھ لکھتے تھے وہ صرف العرفان رسالے کے واسطے لکھتے تھے تاکہ وہ پسندیدہ ہوجائے۔ اشاعت تصوف انکا مقصود نہ تھا۔ نہ کبھی انہوں نے صوفی ہونے کا ادعا کیا۔ بلکہ گرد و پیش کے آثار و قراین سے ان کے عقائد اس کوچہ سے نا آشنا نظر آتے تھے۔ اسلئے ان کے مضامین مشائخ طریقت کے ذہن نشین نہوئے اور العرفان کی مانگ اس طبقہ میں پیدا نہوئی۔ دوسرے شرر صاحب صوفیہ مشائخ کی ضرورتوں سے تو کیا اس سے بھی آگاہ نہ تھے کہ وہ کہاں کہاں ہیں اور کیا کیا اثر رکھتے ہیں۔ اور العرفان کس طرح سے ان میں پھیلایا جا سکتا ہے۔ الغرض اسی قسم کے مختلف وجوہات سے العرفان بند ہوگیا۔

الاحسان کڑا ضلع الہ آباد کے ایک نامور اہل قلم مولوی نہال احمد صاحب مولوی چشتی نے اس نام کا ماہوار پرچہ نکالا تھا۔ نام عوام کی سمجھ میں تصوف کے اخفا کا تھا۔ مگر حقیقت میں تصوف جس چیز کو کہتے ہیں وہ وہی مرتبہ احسان ہے جسکا بیان حضور رسول مقبول صلعم نے اسطرح فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ گویا تو خدا کو دیکھتا ہے اور یہ نہیں تو یہ کہ گویا وہ تجکو دیکھ رہا ہے۔ مولوی نہال احمد خود صوفی اور صوفیوں سے ملنے والے [illegible] چند ہی روز میں ان کا پرچہ چل نکلا۔ مگر انہوں نے بھی خاص طبائع کے میلان پر چھاپنا شروع کیا عوام کی دلچسپی کا کچھ زیادہ انتظام نہ کر سکے اسکے علاوہ دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ پنجاب میں جہاں الاحسان کے زیادہ خریدار تھے چشتیوں کے خلاف ایک تحریک پیدا ہوئی اور نقشبندیہ سلسلہ کے ایک بزرگ نے کھلم کھلا خواہش کی کہ الاحسان میں نقشبندیہ احوال و اقوال پر دور ہونا چاہئے۔ کیونکہ اسکے خریدار نقشبندی زیادہ ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب

الاحسان میں مولانا محمد حسین چشتی شہید الہ آبادی وغیرہ نامور مشائخ چشتیہ کے مضامین شائع ہو رہے تھے اسلئے نقشبندیہ بزرگ کے ارشاد کی تعمیل کما حقہ نہ ہو سکی اور انہوں نے ناچار ہو کر انوار الصوفیہ نام ایک پرچہ علیحدہ نکلوا دیا۔ انوار الصوفیہ کے نکلتے ہی الاحسان کے دس پانچ خریدار ٹوٹ گئے۔ مولوی جمال احمد چاہتے تو اس معاملہ کو چشتیوں میں بیان کر کے جوش پیدا کرتے اور الاحسان کے لئے ان سے کافی مدد حاصل کر لیتے مگر نہایت ہی صلح کل اور اخلاص مند آدمی ہیں تو جوڑ توڑ کو معیوب خیال کر کے خاموش ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ مالی مشکلات پیش آئیں اور پرچہ بند کرنا پڑا۔

انوار الصوفیہ نقشبندی شاہ صاحب کی حمایت و اعانت سے انوار الصوفیہ کو خاص فروغ ہونے لگا۔ حافظ مظفر علی صاحب اسکے ایڈیٹر ہیں جو ذی علم اور سیدھے سادے آدمی ہیں۔ ان کی تحریریں عموماً مخلصانہ ہوتی ہیں۔ انوار الصوفیہ کے نامہ نگاروں میں حافظ انور علی صاحب بھی ہیں جو رہتک کے نامور پنشنر جج ہیں۔ تصوف سے انکا تعلق بہت پرانا ہے۔ متعدد رسالے صوفیانہ مذاق کے انہوں نے لکھے ہیں جو ذی حس مشائخ میں بہت پسند کئے گئے تھے۔ مگر حافظ صاحب ضعیفی اور پیری کے سبب اب مدت سے کچھ نہیں لکھ سکتے۔

انوار الصوفیہ جاری ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کی اس شاخ کی جسکا وہ ارگن ہے معقول خدمت کر رہا ہے۔ اسنے یک در گیر محکم گیر کی مثل پر عمل کر کے اپنے طرز عمل کو بہت ہی محدود کر لیا ہے۔ صوفیوں کے دیگر سلاسل تو کجا خود نقشبندیہ خاندان کے اکثر مشائخ ابتک اس سے ناآشنا ہیں۔ مگر انوار الصوفیہ کو مشائخ کی بے توجہی کا چنداں شکوہ نہیں ہے وہ جس حال میں ہے قناعت سے بسر کئے جاتا ہے۔

المجدد انوار الصوفیہ کے بعد نقشبندی شاہ صاحب کے ایک نوخیز مرید تاج الدین صاحب تاج کے ایڈیٹری میں المجدد نامی ایک اور صوفیانہ رسالہ جاری ہوا جو انوار الصوفیہ

کی خشک و فقیرانہ صورت کے بخلاف خوب چکنا چپڑا اور ظاہری شان شوکت سے نکلا۔ المجدد کے مالک نے تاجرانہ اصول کی موافق ابتدا میں خوب جی کھول کر روپیہ خرچ کیا اور پرچہ کو عام پسند بنانے کی کوشش کی مگر یہ بھی اپنی محدود خیالی کے سبب ہر دلعزیز نہ ہوسکا۔ کیونکہ تاج صاحب نے نقشبندیت کے جوش کو اسقدر ظاہر کیا کہ تمام مشائخ عظام کو بے حقیقت تصور کرنے لگے انکی تحریروں نے فقرا کو بہت آزردہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ المجدد کے مالک نے پرچہ کو بند کر دیا۔ مگر تاج صاحب نے باوجود کمسنی کے بڑی ہمت کی اور المجدد کو مجدد کے نام سے ازسر نو پھر اسی شان و شوکت سے جاری کر دیا۔ مگر افسوس ہے کہ اسکے جوشیلی رفتار کو ویسا ہی قائم رکھا۔ ایڈیٹر کو شکایت ہے کہ ان کا پرچہ صوفی نہیں لیتے۔ جسکے سبب وہ نہایت زیربار ہو رہے ہیں چنانچہ انہوں نے ربیع الثانی تا جمادی الاول جمادی الثانی کے یکجائی نمبر میں جو اخیر رمضان میں ہمارے پاس آیا "تصوف کے جھوٹے مدعی" کے عنوان سے ابتدا ہی میں ایک مضمون لکھا ہے جسکا لہجہ نہایت درشت اور ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ صفحہ ۴ پر مجدد کے اڈیٹر کا مشائخ کو ایسے مکروہ الفاظ سے یاد کرنا (جسکا اقتباس محض اس نیت سے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو صوفیانہ رسالوں کی ناکامی کی وجہ معلوم ہو) شان اڈیٹری کے بالکل خلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ہائے ہائے یہ جھوٹے صوفی اور سجادہ نشین لکھو کھا غریب مسلمانوں کا خون چوس چوس کر روپیہ جمع کرتے ہیں۔ اور مرید بھی ایسے بے دین اُلو کے پٹھے ہیں کہ ایسے بیہودہ اور فضول کاموں کے لئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ دینے کے لئے تیار ہیں۔"

اس سے آگے بڑھکر لکھا ہے۔

"یہ بے غیرت صوفی اور بے دین مرید کسی مذہبی اخبار یا دینی رسالہ کو خریدنا گناہ سمجھتے ہیں۔"

صفحہ ۵ پر لکھا ہے۔

"اے بے غیرت مسلمانو اور بے غیرت صوفیو چلو بھر پانی میں ڈوب مرو"

"اے بے غیرت نقشبندیو زندہ درگور ہو جاؤ وغیرہ وغیرہ"

مجدد کے ایڈیٹر صاحب نے اسی مضمون میں لکھا ہے کہ انہوں نے ۳ ماہ میں تین سو کے قریب خرچ کر دیا مگر آمدنی تیس روپے سے زائد نہوئی۔

ہمکو اپنے ناوان ہمعصر سے اسکے نقصان میں ہمدردی ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہمارا ملک خاصکر گروہ صوفیہ اخبار بینی کا ذوق نہیں رکھتا اور اسلئے یہاں کے اخبارات ہمیشہ زیربار رہتے ہیں۔ لیکن شکوہ کے لئے یہ طریقہ جو مجدد کے ایڈیٹر نے اختیار کیا ہے موزوں نہیں۔ اسکو خلوص اور نیک نیتی سے اپنا فرض ادا کرتے رہنا چاہئے۔ خداتعالی غیب سے تائید فرمائے گا۔ اور مجدد کی کوئی ضرورت رکی نہ رہیگی۔ اگرچہ یہ موقع اسکے اظہار کا نہیں ہے لیکن محض خدا کی نعمت کو بیان کرنیکے خیال سے رقم رسالہ نظام المشائخ کی سہ ماہی رفتار کا اندازہ کر کے کہ سکتا ہے کہ طبقہ مشائخ ناقدر دان نہیں ہے۔ ۳ ماہ کے عرصہ میں نظام المشائخ کی اشاعت معقول حد تک پہنچ گئی۔ اور اسقدر سرمایہ فراہم ہو گیا کہ پرچہ سال بھر نہایت عمدگی سے بلانقصان چل سکتا ہے۔ خریداری کا لوگوں کو یہی شوق رہا جو آجکل ہے تو امید ہے کہ اختتام سال تک ہزاروں کا شمار ہو جائیگا۔ اور ہم اسی کے ہمراہ انگریزی نمبر بھی یورپ کے واسطے جاری کر سکیں گے۔ الحمد للہ ہم نے نظام المشائخ تاجرانہ ارادہ سے جاری نہیں کیا تھا۔ محض اشاعت تصوف مقصد تھا۔ سو خدا کی مہربانی سے ہمکو ابھی تک کچھ نقصان نہیں ہے اور پرچہ تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

حالانکہ ہمکو اقرار ہے کہ نظام المشائخ کے یہ تینوں نمبر حسب منشا نکل سکے اور اعلی مدیر صاحب کی علالت وغیرہ کے سبب پرچہ کی ترتیب کما حقہ مشائخ کے قابل ہو سکی تاہم بزرگان دین کا یہ عام میلان محض تائید ربانی کے سبب ہے ایڈیٹر مجدد ناراض نہوں اور جس کام کو انہوں نے

شروع کیا ہے استقلال و اخلاص مندی سے چلائیں۔ مشائخ کو اور اُن کے مریدین کو سب و شتم کرنے سے پرچہ نہیں چلا کرتا۔ وہ وصف پیدا کرنا چاہئے جس کی مانگ ہے اور جو ہر بازار میں خریدا جاسکتا ہے۔

صوفی پنجاب کے ان نقشبندی رسائل کی اشاعت کے بعد پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات سے پروفیسر محمد دین چشتی نے صوفی کے نام سے ایک پرچہ نکالا۔ جلال پور کے مشہور چشتی بزرگ مولانا پیر حیدر شاہ صاحب چشتی نظامی کی یادگار میں اسکا جاری کرنا بیان کیا گیا۔ ابتدا میں اس پرچہ کی صورت اخبار کی سی تھی۔ جس میں عام پسند صوفیانہ مضامین کے علاوہ اشتہاروں کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہوتا تھا۔ جس سے عوام میں صوفی کی نسبت اشتہاری رسالہ کا الزام عائد کیا جانے لگا۔ اسلئے ایڈیٹر نے اشتہارات کا حصہ نکال دیا۔ اب وہ رسالہ کی صورت میں نکلتا ہے۔ اشتہاروں کے زمانہ میں صوفی کا سالانہ چندہ بارہ آنہ تھا۔ اور آجکل عہر ہے۔ جو بہت موزوں بلکہ کم ہے۔

صوفی کے صفحات چشتیوں کے لئے محدود نہیں ہیں ہر سلسلہ کے مذاق کے موافق مضامین شائع ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ ہندوؤں کی دلچسپی کا بھی ہر ماہ میں لحاظ رکھا جاتا ہے صوفی کی موجودہ رفتار ترقی پذیر نظر آتی ہے مگر عام پسندی کے شوق میں خواص کے مذاق کی بعض اوقات پروا نہیں کی جاتی۔ ضرورت دونوں پہلوؤں کو سنبھالے رکھنے کی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ صوفی کے ایڈیٹر اس ضروری رسالہ کے فروغ دینے میں بہت کوشش کرتے ہیں اور خوشی کی بات ہے کہ ان کی کوشش بارآور ہوتی چلی ہے۔ ملک کے ہر حصہ میں اسکی مانگ ہو رہی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ صوفیوں کے جسقدر رسالے اسوقت موجود ہیں وہ باہمی اتحاد و یگانگت سے ایک خاص مقصد سامنے رکھکر آگے بڑھیں۔ اور صوفیائے کرام کے

تمام سلسلوں کی بہبودی و بہتری میں یکساں سعی کریں نقشبندیہ رسالوں سے اُمید ہے کہ وہ بھی ہماری ہم نوائی کرینگے۔ اور چشتیوں و نقشبندیوں کی باہمی اجنبیت دور کرانے کی کوئی صورت نکالیں گے۔

نظام المشائخ جو اوپر کے تمام رسائل صوفیہ کے بعد نکلا ہے وہ ابھی تک یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسنے عام و خاص ہر مذاق کا لحاظ نظر رکھا ہے۔ کیونکہ جن اغراض و مقاصد کی بنا پر اسکو جاری کیا گیا ہے وہ ابتک کماحقہ عمل پذیر نہیں ہو سکے آہستہ آہستہ ان کے حصول کی کوشش ہو رہی ہے۔

اپنی چیز کو کون بُرا کہتا ہے۔ مگر ہم نہایت سچائی سے اعتراف کرتے ہیں کہ مشائخ صوفیہ کی معلومات سے اعلیٰ یا ایسا مضمون جسکی اشاعت سے مشائخ کی واقفیت میں کوئی نیا اضافہ ہوتا ہم ابتک شائع نہیں کر سکے۔ ملک نے اسکی جسقدر قدر کی ہے وہ قبل از وقت ہے خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمکو ہمارے اصلی ارادوں میں کامیاب فرمائے تاکہ ہم دنیا کے سامنے مشائخ کے کارنامے پیش کر سکیں اور لوگوں کو معلوم ہو کہ جس گروہ کو مفت خورہ بیکار کہا جاتا ہے اسنے اس کارزار ہستی میں کیا کیا کام کئے ہیں۔

عرس شریف ۱۷ اور ۱۸ شوال کو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہوگا۔ دہلی میں یہ بہت بڑا میلہ سمجھا جاتا ہے۔ بیرونجات کے مشائخ بھی اس عرس میں حاضر ہوتے ہیں۔ ۱۹ شوال کو جناب خواجہ محمد شاہ صاحب چشتی نظامی ہوشیارپوری اپنے دادا پیر کا عرس آستانہ حضرت محبوب الٰہیؒ میں کریں گے۔ شاہ صاحب بڑے پایہ کے بزرگ ہیں چشتیہ بزرگوں کے عرسوں میں ہمیشہ حاضری دیتے ہیں۔ اور ہزارہا روپیہ فقرا و مساکین کی خدمت گذاری میں صرف کرتے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے دربار سے ان کو خاص غلامی ہے۔ سال بھر میں پانچ چھ دفعہ یہاں حاضر ہوتے ہیں۔

حلقہ کی کارگذاری

دو مہینہ گذر گئے رسالہ نظام المشائخ کے لئے کوئی مضمون نہیں لکھا۔ شعبان کے پرچہ میں بھی حلقہ کی کارگذاری کے ضمن میں کچھ خیالات ظاہر کر دیئے تھے اور اس پرچہ میں بھی سوائے ان چند آخری سطروں کے میری طرف سے کچھ نہیں ہے شعبان کا رسالہ دیکھکر بعض احباب نے لکھا تھا کہ ہم پرچہ میں حسن نظامی کی تحریر دیکھنی چاہتے ہیں اُنکی خدمت میں بعد ادائے شکر اور جمیع ناظرین رسالہ نظام المشائخ کی خدمت میں التماس ہے کہ یہ فروگذاشت عارضی سمجھنی چاہئے آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شکایت نہ ہوگی۔ کیونکہ حلقہ نظام المشائخ اور اسکے رسالہ کی خدمت میرے عقیدہ میں نہایت ضروری فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھکو اور تمام فقیر دوست مسلمانوں کو اس فرض کے ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

اس ماہ کی کیفیت پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ درمیان آپ بیتی میں بعض ایسے واقعات کا ذکر بھی آئیگا جس کا بظاہر حلقہ کی کارگذاری سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ مگر حقیقت میں وہ باتیں حلقہ اور اسکے متوسلین کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں کہ ان کے ذکر بغیر مطلب پوری طرح ذہن نشین نہیں ہو سکتا

الحمد للہ حلقہ نظام المشائخ کی عمر کا پہلا سال ختم ہوا۔ ۲۲ رمضان المبارک کی صبح کو آفتاب عالمتاب نے طلوع ہو کر خبر دی کہ صوفیائے کرام کے حلقہ نے دوسرے سال میں قدم رکھا ہے یہ نوید روح افزا میرے اور کل محبان تصوف کے لئے باعث مسرت و شادمانی تھی۔ مگر یکایک گذشتہ سال عالم خیال میں سامنے آگیا۔ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۲۶ہجری سے لیکر آج ۲۲ رمضان ۱۳۲۷ تک بڑا طویل زمانہ گذر ا ہے

آدمی بڑے بڑے کارنامے دکھا سکتا تھا۔ مگر حلقے نے کیا کام کیا۔ اشاعت وحفاظت تصوف جو اسکا پہلا مقصد تھا کہاں تک پورا ہوا۔ مشائخ صوفیہ کے باہمی اتحاد میں اسکو کسقدر کامیابی ہوئی۔ خانقاہوں اور عرسوں کی اصلاح میں اسکی کوشش کا کیا نتیجہ نکلا۔ صوفیوں کے کن کن دنیاوی حقوق کو اسنے محفوظ کرکے دکھایا۔

پہلی غرض کی تکمیل بس اسی حد تک ہوئی کہ تصوف کی حمایت واشاعت کی بہت سے رسالہ نظام المشائخ جاری ہوگیا۔ اور بعض ضروری کتب تصوف کے ترجمے شروع کرائے گئے۔ بعض نایاب قلمی کتابیں کو ضائع ہونے سے بچایا گیا۔ اور ان لوگونکو تصوف اور اہل تصوف سے انکار یا اجنبیت تھی ان کو اس کوچہ سے آشنا کیا گیا انگریزی کے سینکڑوں اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان جو فقرا ودرویشوں سے کوسوں دور رہتے تھے حلقہ کی سعی سے جوق جوق علقہ کے حلقہ بگوش بن گئے۔ اور فقرا کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ دنیاوی جاہ وشان کے سبب جنکے سرکسی کے آگے خم ہوتے تھے جو قوم کے لیڈر اور پیشوا مانے جاتے تھے۔ انھوں نے نہایت جوش سے حلقے کے زمرہ خدام میں نام لکھوایا۔ اور خادم المشائخ کہوانے میں اپنی عزت وسربلندی سمجھی۔

دوسرا کام مشائخ سے باہمی اتحاد کا تھا۔ اسکا ظہور صرف اتنا ہوا کہ چشتی نقشبندی ملکر کام کرنے لگے۔ عرصہ دراز کی علیحدگی اجنبیت کے بعد یہ وقت آیا کہ نقشبندی سلسلہ کی ست سے بڑی خانقاہ یعنے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین جناب پیر سید مظفر علی شاہ صاحب بذات خود اس حلقہ میں اور اسکی کارگذاری میں ایسے ہوئے جو چشتیوں کا قائم کردہ تھا۔ اور چشتی مشائخ کے ہمراہ اسی خلوص سے حلقہ کی خدمت کی کہ لگے مشائخ کا زمانہ یاد آگیا۔ اسی طرح نظامیوں صابریوں اور ... ایوں کی وہ مشہور رنجشیں جو اندرونی محفلوں سے گزر کر بعض اوقات اخبارات

وسائل میں بھی ظاہر ہو جاتی تھیں۔ ایک حد تک مفقود ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دن حلقہ کے جلسہ میں جناب شاہ سید امیر حسین صاحب صابری جناب خواجہ میاں عبد الصمد صاحب نظامی۔ جناب مولانا شاہ خلیل الرحمٰن صاحب جمالی۔ جناب پیرجی سید مظہر علی صاحب نقشبندی کو ایک ہی مقام پر پہلو سے پہلو ملائے اور ایک ہی غرض سے یکجا بیٹھا دیکھکر ایک صاحب خوشی سے از خود رفتہ ہو گئے اور بولے کہ یہ متضاد عنصر کیونکر یکجا ہو گئے۔ تھوڑے دن کا ذکر ہے جمالیوں اور صابریوں میں وہ کش مکش تھی کہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ یا آج وہ دونوں بزرگ جو کش مکش کے بڑے مقتدا سمجھے جاتے تھے نہایت محبت و یگانگت سے ایک جگہ بیٹھے۔ قومی بہبودی کے وسائل سوچ رہے ہیں۔

اور یہ بات فقط دہلی تک محدود نہیں رہی بلکہ بیرونجات کے مشائخ میں بھی اس اتحاد نے بہت کچھ ظہور دکھایا ہے۔

تیسری غرض عرسوں اور خانقاہوں کی اصلاح تھی یہ بہت بڑا کام تھا جسپر زور دینا ہر شخص کی رائے میں ضروری تھا۔ مگر اسپر عمل درآمد کرنے میں ایسی مشکلات حائل تھیں کہ دوسرے مقاصد بیکار ہوئے جاتے تھے۔ کیونکہ فوری کارروائی سے برسوں کی جمی ہوئی رسومات کا بدلنا ناممکن تھا۔ تاہم پیران کلیر شریف اور اجمیر شریف میں حلقے نے جو کچھ کوشش کی وہ وہاں کے روشن خیال سجادہ نشینوں اور دیگر معتبرین کی سرگرمی سے بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور مشائخ کو رسم قبیحہ کے انسداد کی طرف میلان پیدا ہو گیا۔

چوتھی غرض دنیاوی حقوق کے تحفظ کے لئے مسلم لیگ کے ساتھ تعلقات مستحکم کئے گئے اور ایک ضروری مسئلہ کو اسکے ذریعہ سے گورنمنٹ میں پیش کیا جسکا ذکر آئندہ ماہ میں ہوگا۔ نیز براہ راست بھی کئی ضروری امور کو جنکا تعلق

کے دینی و دنیاوی حقوق سے تھا۔ سلطنت کے سامنے پیش کیا گیا جن کی تفصیل کا یہ موقع مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

ان کا ناموں کے باوجود یہ پہلا سال افسردہ نظر آیا۔ اور دل کو وہ اصلی تسکین نہ ملی جو ایک کام کو حقیقتاً پورا کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ مگر بعد اس خیال سے کو تسلی ہوئی کہ یہ سال باعتبار تعلقات معاشرت میرے لئے بڑی آزمائش کا سال تھا۔ قطع نظر عداوت کے حملوں کے خود میری صحت تمام برس خراب رہی اور امنگ کے موافق کام نہ ہوسکا۔ اسکے علاوہ اہلیہ کی وفات چھوٹے چھوٹے شیرخوار بچوں کی پرورش۔ انتظام خانہ داری کی بوجھ سر پر آگئے جو ایک بشر کے لئے بہت گراں اور پریشان کن ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں حلقہ کا کام انجام دینا اور اس طرح انجام دینا کہ سب پہلو درست رہیں دشوار تھا۔

بہرحال پچھلے سال کے ساتھ اسکی ہل چل بھی ختم ہوئی۔ نیا سال نئی امید دل اور نئے ولولوں کو لے کر آیا ہے۔ حذا تعالیٰ کی ذات پاک سے التجا ہے کہ وہ دل کے ارمان پورے کرے اور اس برس میں یہ کمسا لچہ اپنے پاؤں سے چلنے لگے آمین۔

شعبان کے پرچہ میں سالانہ جلسہ کا اعلان شائع ہوا تھا مگر بسبب چند مقامی مصالح کے اسکو ملتوی کر دیا گیا۔ آیندہ کسی موقع پر یہ سالگرہ منائی جائیگی۔

کارگذاری پیش کرنے سے پہلے میں اُن تمام دوستوں اور کرم فرماوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنھوں نے میری اہلیہ کی رحلت پر افسوس نامے بھیجے تھے۔ اور ممالک غیر سے جنکے خطوط اب موصول ہوئے ہیں۔ رسم تعزیت سے انسان کے غمزدہ دل کو بہت تسکین ہوتی ہے۔ خاصکر جبکہ اس دل سے پرسہ دیا جاسے جو خود بھی اس صدمہ سے اتنا ہی متاثر ہو جسقدر کہ وہ اہل ماتم ہے۔ مجکو اپنے احباب کے خلوص

سے یقین ہے کہ ان کو بھی میری طرح اس واقعہ کا ملال ہے۔

مرحومہ اگرچہ قدیم شرفا کی خاتونوں کی طرح احساس زمانہ سے چنداں آشنا نہ تھیں مگر ان کو حلقہ کے کام سے خاص لگاؤ تھا جب ان کے سامنے مخالفین کی ستو ... ات حلقہ کی برائی کرتیں اور اسکے وجود پر مضحکہ اڑاتیں تو انکو نہایت متانت سے سمجھاتی تھیں اور حلقہ کی حمایت میں ان کا آخر کلام یہ ہوتا تھا کہ محبوب[1] اس کام کی اچھائی برائی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ انہی کو اسکی لاج ہے۔ جب ہفتہ وار جلسہ کا دن آتا تو وہ مجھکو یاد دلاتیں اور خانگی ضرورتوں کو کم و بیش کرکے اس دن سے ہٹا دیتیں تاکہ میں آسانی سے دہلی جاکر جلسہ میں وقت صرف کرسکوں۔

یہ سارا برس حلقہ کی مصروفیت میں اسطرح بسر ہوا کہ مجھکو خانگی ضروریات پر توجہ کرنے کا وقت کم ملا۔ مگر مرحومہ نے عورتوں کے دستور کے موافق کبھی اس کی شکایت نہ کی۔ اب آخر وقت میں جبکہ وہ خاکی چھپر کھٹ میں سونے کی تیاری کر رہی تھیں اور لڑکے کو پیدا ہوئے چھ دن ہوئے تھے۔ مجھسے کہا کہ میں اس لڑکے کا نام کسی ایسے بزرگ کے نام پر رکھنا چاہتی ہوں جو بزرگان دین میں بڑے کامل مانے جاتے ہوں۔ میں نے کہا غلام حسن بصری نام رکھو۔ حضرت خواجہ حسن بصری صوفیا کے ایک بڑے گروہ کے پیشوا ہیں ان کے نام کی برکت سے تمہارا بچہ [illegible] ہوگا۔ اس رائے کو انہوں نے بہت پسند کیا اور بچہ کا نام غلام حسن بصری [illegible]

اسکے بعد غلام حسن بصری کے ختنہ کرائے اور اسکی خوشی [illegible] پیمانہ پر مراسم شادی انجام دئے۔ میں نے کہا کہ تم نے دنیاوی رسوم [illegible] روپیہ خرچ کر دیا۔ مگر حلقہ کو کچھ نہ دیا۔ یہ سنکر مرحومہ آنکھوں میں آنسو [illegible]

---

[1] ذیل میں سلسلہ کی تو سل ہو ... حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہی [illegible] یاد کرتی ہیں [illegible] حضرت کے [illegible]

بیٹے بچہ حلقہ کو دیدیا جو سب خوشیوں اور اخراجات کا باعث ہے۔ آج سے
اسکو منہ الحلقہ تصور کرو۔ یہ جواب ایک ایسی پردہ نشین خاتون کی زبان سے سنکر جو اس ختم
کے ایثار سے بالکل ناواقف تھی مجکو بیحد مسرت ہوئی اور مرحومہ کے خلوص کا دل پر خاص اثر ہوا۔
رمضان المبارک کی تیسری تاریخ جو حضرت سیدہ عالم بی بی خاتون جنت علیہا السلام کی وفات
کا دن ہے مرحومہ نے مرض زچگی میں جسکا بقیہ غلام حسن البصری کی تولید کے بعد بھی تھا رحلت
کی جو انکی شہادت کا کافی ثبوت ہے۔ مرحومہ پرواز ہونے سے پہلے بار بار مجھ سے دریافت کرتی
تھیں کہ وہ مشاہدے کب ہونگے جو مرتے وقت ہوا کرتے ہیں۔ نہ فرشتے آتے ہیں نہ اور کچھ
نہ کچھ عجیب چیز نظر آتی ہے مگر بدن میں سے روح نکلتی معلوم ہوتی ہے۔ آج میں تم سے
بہت کوئی ایسا طریقہ معلوم کرنا چاہتی ہوں جس سے یہ غیبی کرشمے نظر آنے لگیں اور موت
اپنا کام پورا کرے۔

میں نے جواب میں یٰسین شریف تلاوت کرنی شروع کی۔ وہ بھی پڑھنے لگیں۔ اور دوران تلاوت
میں اُن سے کے ساتھ کہا میرے محبوب میری بگڑی کے بنانے والے۔ اسکے بعد ایک اور
شعر پڑھا جس میں یہ لفظ تھے کہ تو وہ حضرت کی رہی آئی۔ شعر پڑھتے ہی بیہوشی کی شان سے
اپنے خاندان کے اُن لوگوں کے نام لیے جو مر گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اِن کے سامنے
ہیں۔ اسکے بعد آہستہ آہستہ کلمہ کی صدا اٹھتی گئی اور رات کے دو بجے وہ ہونٹ ہمیشہ کیلئے
ساکت ہو گئے۔

مرنے سے ۲ گھنٹہ پہلے دنیا کے عیش و آرام کی نسبت ایسے موثر کلمات ان کی زبان سے
نکلے کہ لوگوں کے دل کانپ اُٹھے جسکے آخر میں انہوں نے کہا۔ اس دنیا میں کسیکو
چین سے سونا نہیں ملتا۔ اب میں اس میدان میں جاؤنگی جہاں ہمیشہ پیر پھیلا کر سوؤں گی

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کی نازک علالت کے زمانہ میں شمس العلما علامہ شبلی نعمانی دہلی تشریف لائے اور

باوجود تمام عمائدین دہلی کے اصرار کے انہوں نے میری عرض قبول فرمائی اور حلقہ کی منزل گاہ
میں قیام فرمایا۔ اراکین وخدام حلقہ نے خواہش کی کہ اگرچہ مولانا کے علمی کارناموں کا تمام
اسلامی دنیا میں غلغلہ ہے۔ اور مشائخ تصوف کے حالات سے بھی مولانا نے دلچسپی
ظاہر فرمائی ہے جسکا ثبوت سوانح مولانا روم ہے۔ مگر آجتک مولانا کی زبان سے تصوف
کی حقیقت کے بارہ میں کچھ نہیں سنا۔ کیا اچھا ہو کہ حلقہ میں مولانا کا ایک بیان تصوف
پر ہوجائے۔ مولانا نے اس خواہش کو قبول فرمایا مگر ساتھ ہی ازراہ انکسار اس کو چھپنے
تا بلد ہونے کا عذر کیا۔ بالقصہ اس روحانی جلسہ کا عام طور سے اشتہار تقسیم کیا گیا۔
اور دو ہزار کے قریب عمائدین وعوام ہندو مسلمانوں کا مجمع منزل گاہ حلقہ میں ہوگیا جامع
مسجد کے امام صاحب صدر بنائے گئے۔ شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خان صاحب
کی طرف سے حاضرین کو مولانا کی تعریف سنائی گئی۔ اور جناب قاری سرفراز حسین صاحب
چشتی نظامی سیاح جاپان نے اول اغراض حلقہ کے متعلق نہایت مشرح ومدلل تقریر کی
اسکے بعد کامل دو گھنٹہ مولانا شبلی نے اپنا عارفانہ لکچر دیا۔ یہ بیان علیحدہ چھپایا جارہا ہے
مولانا نے تصوف کو تین حصوں میں تقسیم کرکے دکھایا۔ اول فلسفہ۔ دوم اخلاق۔ سوم
حال۔ ان تینوں کی تشریح میں اسقدر واقفیت اور معلومات ظاہر کی کہ لوگ حیرت زدہ ہوگئے
وحدت وجود کو وحدت شہود پر ترجیح دینے میں کمال دکھادیا۔ الغرض بیان ہمہ وجوہ مکمل
اور پسندیدہ تھا۔ اور بقول مولانا شبلی یہ پہلا دن تھا جو انہوں نے تصوف کے متعلق
تقریر کی۔ چھپنے کے بعد ناظرین نظام المشائخ اس تقریر کو ملاحظہ کرینگے تو اصل حقیقت سے
اچھی طرح آگاہ ہونگے۔ اسلئے یہ ذکر ختم کیا جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے آخر میں میں نے اور عزیزم واحدی صاحب نے حلقہ کی
ایک خاص خدمت کے ارادہ سے لکھنؤ کا سفر کیا۔ نواب سید نور الحسن خان صاحب
نے اپنے کتب خانہ کا انتخاب دینے کا جو وعدہ کیا تھا اسکے ایفا کا جدید وعدہ دیا۔

نیز نواب صدیق حسن خانصاحب کے نواسہ سید مرتضیٰ خانصاحب نے بھی وعدہ کیا کہ
اپنا بقیہ کتب خانہ حلقہ کو دیدینگے اور کچھ کتابیں دیدیں۔ اسیطرح جناب راجہ
نوشاد علی خانصاحب نے وعدہ کیا کہ وہ انگلستان و امریکہ کے جسقدر تصوفانہ رسائل و
اخبارات ہیں خرید کر حلقہ کے نام جاری کرا دینگے تاکہ ان کے تراجم سے مشائخ کو آگاہ
کیا جائے۔

لکھنو سے واپسی میں کانپور بھی ٹھیرنا ہوا اور حلقہ کے مخلص خیر طلب جناب حافظ
محمد حلیم صاحب تاجر اعظم کانپور کی محبتانہ ملاقات کا لطف حاصل کر کے واپس آگئے
اس سفر میں حلقہ کے مقاصد کی اشاعت خوب ہوئی۔ الحمد للہ۔

اس مہینے میں مولوی حکیم مقصود علی خانصاحب نے حیدرآباد دکن میں حلقہ کی
اشاعت میں کافی حصہ لیا۔ اور چند ممتاز حکم دوستوں کو شریک حلقہ بنایا۔ حکیم صاحب
نہایت جوشیلے اور مخلص نوجوان ہیں۔ ایکدفعہ منزل گاہ حلقہ میں انہوں نے تصوف پر ایک
تقریر کی تھی جو مشائخ میں بہت پسند کی گئی تھی۔

قصور کے منشی کریم الدین صاحب نظامی نے جو حلقہ کی خدمت میں ہمیشہ سرگرمی
دکھایا کرتے ہیں مبلغ عہ بھیجے ہیں اور خواہش کی ہے کہ کسی مستحق کے نام پرچہ جاری
کر دیا جائے۔ چنانچہ جناب سید غلام الدین صاحب نصیری پیرزادہ درگاہ حضرت مخدوم
نصیر الدین چراغ دہلی کے نام سال بھر کے لئے رسالہ جاری کر دیا گیا۔

اخبار وکیل امرتسر کے مالک شیخ غلام محمد صاحب نظامی حلقہ کے ابتدائی معاونین
میں ہیں۔ اب ان کے نائب ایڈیٹر میر بشارت علی صاحب جالب دہلوی نے بھی
حلقہ کی خلوص قبول کر کے چھ روپیہ سالانہ نذر مقرر کی ہے۔

جھانسی میں صوفیوں کی ایک انجمن خادم الصوفیہ قائم ہوئی ہے۔ اسکے سکرٹری نے
حلقہ سے خواہش کی کہ اسکو حلقہ کے زیر اثر لے لیا جائے۔ یہ بات جلسہ میں پیش

کی گئی اور اراکین و خدام نے اس انجمن کی سرپرستی منظور کی۔

قاری سرفراز حسین صاحب عزمی چشتی نظامی سیاح جاپان نے اپنے پراثر کتاب درود ل کی سو کاپیاں حلقہ کی نذر کی ہیں۔ دو آنہ فی کاپی قیمت رکھی گئی ہے شائقین حلقہ سے منگالیں۔

اس مہینے کا حساب ذیل میں درج ہے۔

بقایا سابقہ موجودہ	۵/۱۰/

خرچ

لکھائی اشتہارات (بابت لکچر علامہ شبلی نعمانی)	۱۲/
کاغذ برائے اشتہارات	۱۲/
چھپوائی اشتہارات	۶/
متفرق اخراجات جلسہ مذکور	۱۵/۱۰/
میزان خرچ	۱/
باقی نقد	۵/

اب لازم ہے کہ محبان ملت اس کار خیر میں حصہ لیں اور مالی مدد عنایت کریں کیونکہ بغیر روپے پیسے کے کوئی کام عمدگی سے نہیں چل سکتا۔

بندہ حسن نظامی

"متحرک نجات"

یعنی

وہ مضمون جو آریہ ڈبیٹنگ کلب میرٹھ کے جلسہ سالانہ منعقدہ ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۰۹ء
مین پڑھنے کے لیئے حلقہ نظام المشائخ دہلی کے ایک ممبر نے تیار کیا تھا۔ مگر آریہ
کلب کے سکرٹری صاحب نے عدم الوقت کا عذر کرکے اوسکا جلسہ مین پیش ہونا منظور نہ کیا
اب حلقہ کے بعض خدام و اراکین خصوصاً عزیزم شیخ محمد احسان الحق صاحب
قادری میرٹھی سلمہ کی خواہش سے چھاپ کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ تمام
آرین بھائی اس تحریر کو ٹھنڈے دل سے ملاحظہ کرینگے۔ اگر اونکو یا آریہ کلب
میرٹھ کو اس مضمون کے متعلق تحریری یا تقریری مکالمہ منظور ہوگا تو حلقہ نظام
المشائخ نہایت سنجیدگی سے جوابدہی کریگا۔

حسن نظامی دبیر حلقہ نظام المشائخ کوٹھی نواب نصاجنگ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نجات کی عام خواہش

دنیا کے سب مذہبون مین ایک آخری اور ابدی راحت کی خواہش پائی جاتی ہے۔ تاکہ روح اپنے اعمال کی جزا حقیقی لطف و اطمینان کی صورت مین حاصل کرے۔ مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ اس معاملہ مین تقریباً سب ہم خیال ہین۔ اور دنیا کی ایک زندگی کے بعد اعمال و افعال کے لیئے دوسرا موقع ملنے کے قائل نہین ہین۔ اگرچہ اونکا عقیدہ ہے کہ ارواح کے واسطے ایک ایسا زمانہ آئیگا جبکہ عالمگیر محاسبہ کے بعد ابدی نجات یا ابدی مواخذہ کا فیصلہ ہوگا۔ اور وہ زمانہ موت کے بعد دوبارہ زندگی اور دنیاوی حیات کی مثل پایا جائیگا۔ مگر اسمین اعمال کا چونکہ موقع نہ ملیگا اس لیئے اوسکو زندگی نہین کہہ سکتے۔ دین زرتشت یا وہ ادیان جو ہندوستان سے نکلے مذکورہ

عقیدہ کے برخلاف

چلتی پھرتی زندگی

کے قائل ہین۔ یعنی تناسخ کو مانتے ہین۔ تناسخ یا اواگون نجات کے ابتدائی حصون کا نام سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اسکے ذریعہ سے ارواح جزا سزا کے مختلف درجے پاتے ہین۔ اور جب تبدیل اجسام کا دور ختم ہوجاتا ہے تو اونکو ابدی سکوت اور سراپا تسلی فنائیت ملجاتی ہے جسکو سنسکرت زبان مین

پرم گتی۔ نروان۔ موکش

کے نامون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہندؤن کے تمام فرقے جنکی تفصیل آگے درج ہے موکش اور مکتی کے بعد دوبارہ زندگی کو نہین مانتے یعنی اونکا خیال ہے کہ اس آخری نجات کے بعد پھر روح کو جنانترا (بار بار پیدا ہونا) لازمی نہین رہتا۔ اور وہ دائمی قرار کی شان سے پرم آتما مین وصل رہتی ہے۔ مگر

زرتشت کے ہندوستانی مقلد آریہ

کہتے ہین کہ روح تناسخ کی منزلین طے کرکے مقام نجات مین پہنچکر پھر دنیا کے مادی اجسام مین گردش کرنے آجاتی ہے اور اسطرح۔

نجات کا زمانہ بھی ہمیشہ متحرک رہتا ہے

ہم آریہ یا ارین نجات کی کیفیت لکھنے اور اوسپر رائے زنی کرنے سے پہلے ضروری سمجھتے ہین۔ کہ ہندوستان کے دیگر مذاہب کا عقیدہ نجات کی نسبت بیان کرین۔ تاکہ معلوم ہو کہ اس ملک کے ممتاز ادیان مین آریہ نجات کے بالکل برخلاف عقائد پائے جاتے ہین۔ نیز یہ بھی ہویدا ہوجائے کہ نجات کے متعلق دنیا مین کیسے عجیب و غریب خیالات موجود ہین

بدھ مت کا عقیدہ

گوتم بدھ جنکے مذہب کے پیرو تمام دنیا کے مذاہب سے زیادہ ہین چین۔ جاپان۔ برہما۔ آسام وغیرہ مین کروڑون آدمی جنکا مذہب مانتے ہین۔ نجات کے بارہ مین فرماتے ہین کہ وہ اسی زندگی مین ملجاتی

جب انسان تمام خواہشون اور لذتون سے بے پرواہ ہوجاسئے اور نیکی۔ متکہ عرفان اوسکے وجود کو اپنے وجود مین جذب کرلین تو نزوان یعنی نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ انکا خیال ہے کہ تمام انسان تکالیف مین مبتلا ہین۔ مگر حقیقت مین تکلیف و راحت کوئی چیز نہین۔ جب انسان اونکا احساس گم کردیتا ہے۔ نجات پالیتا ہے۔ یعنی پھر اوسکو کسی بات کی تکلیف نہین ہوتی۔ خواہ وہ کیسی ہی پرآزار ہو

جین مت کا خیال جینی جنکو سراوگی بھی کہا جاتا ہے جنکی نسبت غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ بدھ مذہب کی شاخ ہین۔ اور جو ہندوستان مین نہایت دولتمند اور کاروباری لوگ ہین۔ اور جنکے مذہب کا فلسفہ بہت اعلی بیان کیا جاتا ہے کہتے ہین کہ نجات کامل اعتقاد۔ کامل علم۔ کامل عمل۔ کے بغیر حاصل نہین ہوتی۔ اور جب تک نجات نہو روح مختلف اجسام مین گشت لگاتی رہتی ہے۔ جب یہ تینون باتین جنکا نام انہونے۔ سمیک درشن۔ سمیک گیان۔ سمیک چارتر۔ رکھا ہے حاصل ہوجاتی ہین تو روح نجات یافتہ ہوجاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اوسکو سدھ شلا مقام راحت سے رہنے کے لئے مل جاتا ہے۔

سانکھ مت ہندوا ور اونکے مختلف فرقے نجات کس چیز کو کہتے ہین اسکی دلچسپ تشریح ذیل مین لکھی جاتی ہے۔ ہندؤن مین سانکھ فلاسفی کے نام سے ایک خاص فلسفہ مانا جاتا ہے جسکی خوبی کے بے شمار آدمی قائل ہین۔ اس فلسفہ کے لائق عالم وفاضل کپل چاریہ۔ سانکھ درشن مین فرماتے ہین۔ تین تکلیفون کا جاتا رہنا نجات ہے۔

اول۔ ادہیاتمک۔ یعنی جو دُکھ اپنے ہی جسم یا حواس کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہین۔ مثلاً بیماری حسد۔ حرص۔ غصہ وغیرہ

دوم۔ آدہی بھوتک۔ یعنی وہ دُکھ جو دوسرے جانداروں کے سبب سے پیدا ہون مثلاً سانپ کا کاٹنا۔ شیر کا پھاڑنا وغیرہ

سوم۔ آدہی دیوک۔ یعنی جو دکھ آگ۔ ہوا۔ پانی و جمیع آفات ارضی وسماوی سے پیدا ہون۔

یوگ فلاسفی | **پاتن جلی رشی** - یوگ درشن مین نجات کے مسئلہ پر ایک طویل بحث کے بعد لکھتے ہین - جب روح قائم بالذات ہوجائے اور اوسمین علت و معلول کی صفت باقی نرہے اور علم کی طاقت موجود ہونے کے باوجود عمل کی ضرورت معدوم ہوجائے وہ نجات کا زمانہ ہے -

پورانک مت | **پورانک** عقیدہ کے چار فرقون کے علیحدہ علیحدہ خیال مسئلہ نجات پر ہین - **سالوک** کہتے ہین نجات اوسوقت ہوتی ہے کہ روح خدا کے پاس جاکر بود و باش اختیار کرلے - **ساروپ** کا عقیدہ ہے کہ جیسی شکل معبود کی ہے وہی شکل عابد کی ہوجائے تو نجات ہے - **سامیپ** کا بیان ہے کہ روح کا خدا کے پاس بطور خادم کے پہنچ جانا - نجات ہے - **سایج** فرقہ کہتا ہے کہ خدا کے ساتھ اوسکے چھوٹے بھائی کی طرح بسر اوقات کرنا - نجات ہے

دام مارگ مت | ہندؤن مین یہ فرقہ نہایت آزاد خیال مانا گیا ہے - فلسفہ اور نیچر پرستی کے ناجائز غلو مین اس گروہ نے نہایت شرمناک طریقے اختیار کرلئے تھے اب بھی یہ فرقہ ہندوستان کے بعض علاقون مین پایا جاتا ہے - اور اسکے مندر بھی جگہہ جگہہ موجود ہین - اسکے عقائد تقریباً آجکل کے فرانسیسیون کے سے ہین - جو انسانی شرم و حیا کے مروجہ اصول کو خلاف فطرت سمجھتے اور اونکو توڑتے جاتے ہین - چنانچہ وام مارگ مت لوگ نجات کے متعلق بھی نہایت عجیب عقیدہ رکھتے ہین - انکا خیال ہے کہ شراب خواری و زناکاری وغیرہ تمام پر لطف خواہشون کا بلا روک ٹوک کے پورا ہوجانا - نجات ہے

آریہ یا ایرین سماج | **ان تمام مذاہب کی تشریح کے بعد اصل مقصود یعنی ایرین سماج** کے عقیدۂ نجات کی بحث شروع ہوتی ہے - جسکی ضمن مین ہم یہ بھی بتانا چاہتے ہین کہ آریہ سماج درحقیقت

ایرانی سماج

کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ اسکے اصول مذہب و اصول معاشرت سب ایرانی رہنما زرتشت

کی تعلیم سے ماخوذ ہین - ویدون کی قدامت کے جسقدر حیرت انگیز دعوے کئے جاتے ہین اور آریہ دھرم کو سب سے پرانا اور اصلی مذہب ثابت کرنے مین جیسی سرتوڑ کوششین کی جاتی ہین - وہ سب اس سچے اور مدلل دعوے کے سامنے تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ کر رہ جاتی ہین کہ "آریہ مذہب بذات خود کوئی مذہب نہین ہے بلکہ زرتشتی دین کا اقتباس ہے" جسمین سوامی دیانندجی نے زمانہ کی ضرورتون کا لحاظ کرکے ایک خاص ترمیم کردی اور اوسکی صورت کو ہندوستان کے لیئے دلفریب بنادیا اگرچہ سوامی جی نے بہت کوشش کرکے زرتشتی مسائل کو بدل دیا ہے - تاہم اصلیت کی جھلک جون کی تون موجود ہے - اول تو نام ہی بتا رہا ہے کہ ایرانی سے ایرین ہوا اور ایرین سے آریہ بن گیا - جو ایرانی الاصل ہونے کی دلیل ہے - دوسرے محققین لسان کا ایک جم غفیر اسطرف ہے کہ سنسکرت زبان ایران کی ژند سے پیدا ہوئی ہے وید جو سنسکرت مین ہین - قطع نظر اسکے کہ اونکے الفاظ زرتشت کی ژند اوستا سے مشابہ ہین - مطالب و طرز ادا کے اعتبار سے بھی بالکل ژند اوستا کے قدم بقدم ہین - یہانتک کہ بعض مشہور کتابون کے نام بھی زرتشت کی پیروی مین رکھے گئے ہین - مثلا سری کرشن جی کی مشہور کتاب گیتا کا نام زرتشت کی گاتھا سے لیا گیا ہے - جس سے بعض لوگون کو تو یہ شبہ ہوگیا کہ گیتا اور گاتھا ایک ہی چیز ہے - مگر یہ غلط ہے گاتھا مین حمد کے طریقہ سے دعائین اور گیتا مین لڑائی پر برانگیختہ کرنے کا لکچر ہے جو سری کرشن جی نے ارجن کے سامنے دیا ہے جبکہ وہ مہابھارت کی لڑائی کے وقت جنگ سے گریز کرنا چاہتا تھا - یہ لکچر فلسفہ کی لحاظ ہے جسمین موت و زیست اور اونکے درمیانی مدارج پر عارفانہ بحث کرکے ارجن کو لڑتے مرنے پر آمادہ کیا گیا ہے - یہ وہی گیتا ہے جو آجکل کے باغیون اور بم سازون کے پاس سے برآمد ہوتی ہے - چونکہ اسمین سری کرشن جی نے یہ بتایا ہے کہ موت کوئی بری چیز نہین - بلکہ ایک قسم کی تبدیلی ہے - جو لوگ دنیا مین پاپ اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہین اونکا کفارہ یہ ہے کہ اونکو جان سے مار ڈالا جائے - اس سے اونکے گناہ آلود جسم بدل جاتے ہین

اور نئے پاک صاف اجسام مل جاتے ہین جو شخص ان گناہگارون کو مارتا ہے وہ کوئی
برا کام نہین کرتا بلکہ اپنے ہم جنسون سے ہمدردی کرتا ہے - کیونکہ میلے جسم کے بدلے
اجلا بدن دلواتا ہے اسلئے بنگال کے انقلاب پسندون کو یہ کتاب ایک نعمت ہو گئی
ہندؤن کے دلون مین گیتا کی عظمت اسی درجہ کی ہوتی ہے جیسے مسلمان قرآن شریف
کو مانتے ہین - پرانے خیال کے ہندو تو پنڈتون سے صرف گیتا کا پاٹھ کرا لیا کرتے تھے
مگر ان نئے شورش شعار برہمنون نے نوجوانون کو اسکے مطلب سے آگاہ کیا اور بتایا کہ غیر
ملکی حکمران پاپی اور گناہگار ہین انکا مار ڈالنا سری کرشن جی کے حکم کے موافق
عین دہرم ہے - چنانچہ گیتا کے دوسرے ادہیائے کی نمبر ۱۸ و ۱۹ مین ارجن کو مخاطب
کرکے موت کے ڈر کو ان الفاظ سے دور فرمایا ہے - یہ سب اجسام فانی ہین - اور
روح باقی کہی گئی ہے جو بے زوال اور عقل سے بہری ہے بس تو اے ارجن
تم لڑو (۱۸) جو اس جیو آتما کو مارنے والہ جانتا ہے یا جو اسکو مرا ہوا مانتا ہے
یہ دونون نادان ہین - یہ آتما نہ مارتی ہے نہ مرتی ہے (۱۹) اسی طرح دوسری
ادہیائے کے نمبر ۳۰ مین لڑائی اور جاندار کے مارنے پر ان الفاظ سے ابھارا ہے اے
بھارت (ارجن) سب جسمون مین روح بے زوال اور لائق مارے جانیکے
نہین ہے اسلئے سب جاندارون کا افسوس تمکو سزاوار نہین (۳۰) قصہ مختصر
اسطرح متعدد اشلوک ہین جنمین یہ بتایا ہے کہ مقاتلہ اور محاربہ ضروری چیز ہے - اول تو گیتا
جیسی مقدس کتاب پھر اوسپر بنگالی مفسدون کا اپنے مطلب کے موافق پڑھانا - نتیجہ یہ ہوا کہ
ہزارون نوجوان ناجائز خون ریزی پر تیار ہو گئے -

الغرض گیتا کی طرح اکثر مذہبی کتب اور مذہبی مراسم مین زرتشتی تقلید کی جھلک پائی جاتی
ہے - بلکہ تحقیقات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ایرانی ہندوستان مین آئے تو بالکل
زرتشت کے طریقہ پر سیارہ پرستی اور آتش پرستی کرتے تھے اور ہر ستارے کے نام سے
جگہ جگہ مندر بنے ہوئے تھے - جو آجتک زیارت گاہ عوام ہین - مثلاً دوارکا جی کا مشہور تیرتھ

اصل مین زحل ستارہ کا بتخانہ تھا جسکو دَر کیوان کہتے تھے شدہ شدہ دوارکا ہو گیا - گیاجی مین بھی زحل یعنی
کیوان کا بت تھا جسکو گاہ کیوان کہتے تھے گاہ سے گیا بنگیا

متھرا مین بھی ایک بڑا آتش خانہ اور سیارہ پرستی کا مقام تھا - جہان قوم کے سردار پوجا
کرتے تھے اسلئے متھرا اسکا نام تھا یعنی متھران قوم کی زیارت گاہ بگڑتے بگڑتے متھرا ہو گیا

اور مذہبی رسومات کو دیکھا جائے تو ہندوون اور آتش پرستون مین کچھ دوری باقی نہین رہتی
گائے کی تعظیم آتش پرستون مین بھی ہندوون کی طرح ہے - مرتے وقت گائے کا پیشاب
آتش پرست بھی چہرہ پر مل دیتے ہین -

سورج کی حد سے زیادہ تعظیم ہندوون مین بھی ہے اور آتش پرستون مین بھی -

سوامی دیانند جی نے ہندوون کے قدیم مذہب کی ترمیم کرکے اوسکی صورت تو بدل دی - مگر
زرتشتی اثر کو اونہون نے بھی قبول کر لیا چنانچہ انکی سب سے ضروری عبادت ہون مین آگ کی پوجا بالکل
زرتشتیون کے مطابق ہے جو قطع نظر دیرینہ تعلق کے ایک وجہ یہ بھی رکھتی ہے کہ سوامی جی نے ہندوستان
مین پارسیون کا ملکی فروغ اور شاہانہ اقتدار محسوس کر لیا تھا - اور وہ پارسیون کو حکمرانی حاصل کرنیکے
لئے اپنی قوم کا بازو بنانا چاہتے تھے - جو اگرچہ ابتک کما حقہ ظہور پذیر نہوا مگر امید ہے کہ کبھی نہ کبھی اس سے فائدہ
اٹھایا جائیگا -

نجات کا مسئلہ

لیکن باوجود اسقدر قرب کے سوامی جی نے نجات کے مسئلہ مین زرتشتی عقیدہ سے
علیحدگی اختیار کی اور تمام دنیا سے نرالی روش چلے - چنانچہ ستیارتھ پرکاش
مین نجات کی تعریف اسطرح کرتے ہین - روح تمام تکلیفون سے مخلصی پاکر ایک مقررہ وقت تک نجات
کے مزے لوٹ کر پھر دنیا مین آجاتی ہے نجات کے زمانہ مین روح کی ۲۴ طاقتین قائم اور برقرار
رہتی ہین - اور وہ یہ ہین - زور[1] - ہمت[2] - کشش[3] - تحریک[4] - حرکت[5] - خوف[6] - امتیاز[7] - فعل[8] - حوصلہ[9]
یاد[10] - یقین[11] - خواہش[12] - محبت[13] - نفرت[14] - ملاپ[15] - جدائی[16] - ملانا[17] - جدا کرنا[18] - سننا[19] - چھونا[20] - دیکھنا[21] - چکھنا[22]
سونگھنا[23] - گیان[24] - حاصل یہ کہ سوامی جی کے نزدیک نجات اس زمانہ کا نام ہے - جبکہ روح مادے
جسم اور آلات احساس سے معطل ہونے کے باوجود چوبیس طاقتون سے کام لیکر اعلی درجہ کا
عیش کر کے دوبارہ دنیا مین آجاتی ہے اور پھر اوسکو جنم ترا کا دور پورا کرنا پڑتا ہے -

آریائی سماج کا ماخذ

چونکہ سوامی دیانند جی اپنے عقائد کا ماخذ ویدون کو بتاتے ہین اسلئے
سوال پیدا ہوتا ہے کہ نجات کے معاملہ مین بھی ویدون سے مدد
لیگئی ہے یا نہین - مگر معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی نے یا تو اس مسئلہ مین ویدون کی پرواہ نہین کی

اور یا وید کی شرتون کو غلط سمجھے - کیونکہ سری کرشن جی جو وید کے سمجھنے مین سوامی جی سے
کئی ہزار حصے زیادہ تھے گیتا کے پانچوین ادھیائے سنیاس جوگ مین نجات کے متعلق
فرماتے ہین - تدبدھیہ - تدآتمانہ - تن نشٹھا تتپرائنہ - گچھنت - اپنراورتم گیان نردھوت
کلمکھات یعنی جسکی عقل خدا مین مصروف ہے اور دل بھی اوسی کیطرف لگا ہوا ہے اور
اوسکی ارادت اور پناہ مین ہے اور جسکے گناہ دھل گئے ہین وہ وہان جاتے ہین
جہان سے پھر واپس نہین آتے یعنی مکت ہو جاتے ہین - اب اندازہ ہوسکتا
ہے کہ وید کے موافق کرشن جی کا قول ہے یا سوامی جی کا - اس عقیدہ مین ایک دلچسپ
شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ارواح مقام نجات مین ۲۴ طاقتون کو لیکر ایک جگہ جمع
ہوتی ہونگی تو عورت مرد کی روحون مین ناجائز میلان کا پیدا ہوجانا ممکن ہے تو پھر وہ
نجات کیسی جسمین بشریت کی ناجائز خواہشون کا اندیشہ باقی رہے تو معلوم یہ ہوا کہ جسطرح
ایرانی سماج مین عبادت کا کوئی موثر طریقہ نہین ہے - ایسا ہی نجات کا معاملہ بھی اونکے
ہان روحانیت اور اصلیت سے کورا ہے اور یہ متحرک نجات محض پولیٹیکل غرض کی
بنا پر تصنیف کی گئی ہے - غور کرنے والے اور دور کی کوڑی لانے والے سوامی جی کی
انقلابی مقصد کو اچھی طرح سمجھتے ہین کہ وہ ہندوستان کے نوجوانون کو اس عقیدہ سے

جانبازی کا ہولناک سبق

دے رہی ہین جو نجات کے بدلے لوگون کو شر و فساد کے جنجال مین پھنسانے والا ہے -
لہذا اوسکو نجات کے حقیقی معنی مین شامل نہین کرسکتے - اور آریہ دھرم بغیر نجات کے
رہ جاتا ہے - فقط

بالخیر تمت

تاریخ ۱۶ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء

مجتبائی پریس دہلی ۲۳ / اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء

تسخیر روحانیات

اردو زبان میں احکامات فلک - تسخیر روحانیات - اعمال حب وبغض اور طریق دعوت میں اس سے بہتر کتاب مشکل سے ملیگی مصنف نے فلسفیانہ انداز سے تقدیر وتدبیر کے مسئلہ کو بیان کر کے اعمال تسخیر کو ثابت کیا ہے - اور پھر نہایت کارآمد اور باثر عملیات مع تشریحات کے لکھے ہیں - قیمت صرف عہ

طوطی ہند حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا سب سے پہلا اور مکمل ذخیرہ زمانہ کے مذاق اور خواہش کے مطابق زندگی کے ہر ضروری پہلو کو دکھایا گیا ہے - حضرت امیر کی صوفیانہ روش کے واقعات اور ان کی شاعری پر بسیط ریویو لکھا گیا ہے - الغرض ہر حیثیت سے یہ کتاب قابل مطالعہ ہے - قیمت فی جلد عہ

یہ دونوں کتابیں اور ہر قسم کی تصوفانہ کتب کا ذخیرہ ہم سے طلب فرمائیے -

المشتہر

غلام نظام الدین تاجر کتب تصوف چاندنی چوک

دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

ہدیہ مرغوب

تفسیر آیۂ قرآنی

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اس سے کون منکر ہو سکتا ہے کہ انسان ضعیف البنیان کو جو کچھ فضل و بزرگی حاصل ہے یہ سب اسی عقل ہی کی بدولت اسی عقل کے باعث ورنہ خلقتاً یہ نہایت ہی ضعیف ہے۔ بہت ہی کمزور خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ اسکی سچی صفت صحیح تعریف ہے۔ اُس منعم حقیقی نے اپنی بے انتہا فیاضی سے اس خاکی پتلے فانی انسان کو عقل ہی ایک ایسا جوہر لطیف عطا فرمایا جو اربعہ عناصر کی جان۔ خدا شناسی کا زینہ۔ تہذیب اخلاق کا ذریعہ اور امور معاش و معاد میں معین و مددگار ہے۔ اسی نے بنی آدم کو اکرمیت کا خطاب دیا۔ فرمانروائی کا تاج بخشا۔ بندگی کا سارٹیفکٹ حکمرانی کا ڈپلومہ عطا کیا۔ یہ اسی کی شعبدہ بازی ہے کہ خشکی میں جہاز چلائے

پانی میں آگ لگا دے۔ یہ اسیکا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ آپ (سلطنت برطانیہ کے ظل عاطفت
میں بیٹھکر) ایک پیسہ کے کارڈ میں اپنے دور دراز عزیز کی خبر منگا لیں۔ اور جلد ہی چاہیں
تار میں باتیں کرلیں۔ نیت صوم کلکتہ میں ہو اور افطار دہلی میں۔ اسکی سحر سازیوں کے آگے
سحر بنگالہ گرد ہے۔ سحر سامری سرد ہے۔ فن ساحری میں یہ یکتائے زمانہ بے مثل و فرد ہے۔ اسکی
سحر سنجیوں کی حد و غایت کہاں۔ اسکی کرشمہ بازیوں کی نہایت کہاں۔ اسپر حضرت انسان
کو جسقدر ناز ہو اور جتنا فخر کریں وہ بجا ہے۔ عقل نعمت الٰہی عطیہ خداوندی ہے۔ انسان و
حیوان میں مابہ الامتیاز یہی عقل ہے۔ اسی عقل ہیولانی کے باعث انسان بہائم سے
ممتاز ہے۔ انسان ہی کو وہ قوت عقل دیگئی (عقل بالملکہ) کہ جس سے ضروریات ممکنات
اور محالات کی تمیز کرسکتا حقیقت اشیا کی مجملاً بیان کرتا مصالح اور مفاسد کو جانتا (عقل
مستفاد) تحصیل علوم کرتا سب سوچتا سمجھتا ہے (عقل فعال) مطبوع اور مسموع کا مجموعہ
(عقل کامل) انسان ہی کے لیئے ہے۔ حیوانات اس سے مبرا و بری۔ غرض اسی عقل سے
انسان انسان ہے اور حیوان حیوان۔ اس قوت عقلی کو علیحدہ کیجیے تو بقیہ قوتوں میں حیوان
انسان سے کم نہیں۔ بلکہ اسکی قوتیں کچھ بڑھی ہی چڑھی نکلیں گی۔ پس اسی عقل سے ہم حاکم
ہیں وہ محکوم۔ ہم اسپر متصرف و فرمانروا۔ وہ ہمارا مطیع و فرمانبردار۔ یہی ایک عقل سرمایہ فخر
و ناز باعث افتخار ہے۔ قدم قدم پر عقل سے کام لیا خوب کام کیا۔ عاقل و فرزانہ مشہور
ہوئے اچھا نام کیا۔ یہ سب ہوا اور ہوتا جائے گا۔ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے غرض
آئے اور چلے جائیں گے مگر نہوگا کبھی نہ ہوگا ہرگز ہرگز نہوگا کہ اس منعم حقیقی قادر و
قوی کی اس عطا کی ہوئی نعمت مرحمت شدہ انعام یعنی عقل سے وہ کام وہ حقیقی کام لیں
وہ اصل منشا پورا کریں جسکے ہونے و کرنے کے لیے یہ دی گئی۔ عطا ہوئی۔ مرحمت ہوئی
خالق و مخلوق مالک و مملوک میں جو قوی رشتہ گہرا تعلق ہے اس کے قائم و مضبوط
رکھنے سوچنے سمجھنے کیلئے ہماری بلند پرواز عقل نے کاہے کو بھی اپنی بلند پروازی

نہ دکھائی۔ یہ اور ویسے چنیں اور چناں اگر اور مگر یہ بات بات میں زبان پر جاری ہے یہ اچھا ہے وہ برا۔ یہ میٹھا ہے وہ کڑوا۔ یہ مفید ہے وہ مضر۔ یہ [illegible] کا مشغلہ ہر وقت ہے۔ [illegible] کی بال کی کھال نکال۔ دم بدم دیکھ بھال ہو۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے مجال کیا کہ عقل لگاؤ باریک بینی سے کام نہیں۔ ہاں بیشک عقل ہماری بینائی کو دی گئی پر عقل محض چھوڑ دینا دیوانگی گمراہی تھی۔ مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ ہوا ہو مقصد خصیم نفسانی عقلی تھا خاص اغراض جس عطیہ الٰہی کی تھی اُس سے کس حد تک واسطہ کہاں تک لگاؤ رہا۔ اصل و کل سے مراتب طے ہونے پر فرع و جزو کی طرف میلان ہو یا برعکس اوپر کو چھوڑ ادنیٰ کی طرف جھکے۔ مقدم سے قدم اٹھایا مؤخر میں جا جمے۔ مقصود یہ کہ جس غرض خاص مقصد حقیقی کیلئے یہ اتنی لمبی چوڑی عقل جو زمین و آسمان کے قلابے ملائے فرش سے عرش تک پاؤں پھیلائے عطا ہوئی عنایت ہوئی۔ اس سے وہ غرض وہ مطلب کس درجہ تک رہا کہاں تک پورا ہوا۔ ہم متفنن ہوتے مدبر ہوئے۔ سطح زمین کی وسعت ناپتے ناپتے آسمان تک کی پیمایش کر ڈالی۔ فلسفہ۔ ریاضی ہیئت میں بیکن بطلیموس۔ فیثاغورس کے کان کتر ڈالے۔ ایک تصور میں سیکڑوں تصدیقیں ہو گئیں اور ایک فرضی دعوے سے ہزاروں شکلیں بنائیں۔ دکھائیں۔ نہیں پر آئے تو خود ہی نہ رہ گئے۔ اثبات کی سوجھی تو خدا واحد و یکتا لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کو دیکھنے بھالنے اور مثل دیگر محسوسات مرئیہ و مشہودات بدیہیہ کے چھونے ٹٹولنے کی ہوس ہوئی تمنا ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ عقل انسانی سے دو کام لیئے گئے۔ ایک تو دنیاوی بیہودہ جاہ و حشمت غیر ضروری عیش و آرام کی تدبیرات میں صرف ہوئی۔ دوسرے پیمایش زمین و آسمان چون و چرا کے مباحث لاطائل کے کام میں آئی۔ افراط و تفریط کا نتیجہ بجز حیرانی و پشیمانی اور ہونا ہی کیا ہے۔ نہ یہ عقل صائب نہ وہ عقل سلیم۔ نہ یہ قبول نہ وہ تسلیم پہلے عقل سے وہ کام ہو جو اُسکا اصل مقصد ہے۔ دوسرے عقل کو اُسکی حد سے آگے نہ بڑھاؤ

یہ ایک دستور العمل ہے۔ سوچو۔ سمجھو۔ غور کرو۔ یاد رکھو گے تو یاد کرو گے۔ سنو گر کرنے
کے لئے۔ یاد رکھو گر نہ بھولنے کے لیے۔ عقل نہیں دیتی مگر نہ ملے کہ مخلوق سے خالق
مملوک سے مالک مجبور سے قوی کی پہچان ہو۔ فانی کو باقی سے واسطہ توفیق ہو تو عرفان
ہو ایقان ہو۔ ورنہ کم از کم دینداری راستبازی کی شان ہو اور نجات کی امید قوی ہو۔ بس

قوی شدیم چہ شد ناتواں شدیم چہ شد　　　چنیں شدیم چہ شد یا چناں شدیم چہ شد
بلند و پست جہاں را چو اعتبارے نیست　　　زمیں شدیم چہ شد آسماں شدیم چہ شد

مادہ پرست روح و روحانی ترقی کے منکر مذہب سے آزاد مطلق زبانی جتنا چاہیں شیخیں بیا
کا غل مچائیں۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ جب وقت آخر آیا یا کسی مصائب نے آدبایا بے
اختیار چلا اٹھے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ وَکَفَرْنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشْرِکِیْنَ ۔ اس مرض
مہلک کے اسباب انانیت کبر خودداری خود پسندی اور اسکے ضمیمہ میں اور بہت سے
ذمائم ہیں۔ اسکا علاج قوۃ فطری کا (Energy) قوۃ ارادی (Power)
سے مغلوب ہونا اور روح کا نفس پر غالب آنا ہے۔ جبتک عرفانی حالت نہ پیدا ہوگی
دل کی آنکھیں نہ کھلیں گی۔ اور ابد الآباد تک ابدی حرمان نصیبی تشکشی اور عذاب الیم کا
سامنا رہیگا۔ انسان نام ہے جسم و روح کے مجموعہ کا۔ تم اپنے کو سراپا جسم ہی جسم
سمجھتے ہو اسی سے اسی کی کہتے اسی کی سنتے ہو گویا تمھاری روح بھی جسم ہے۔ اور
کمال انسانی یہ ہے کہ جسم بھی روح ہو جائے۔ جو شے تمہاری سمجھ میں نہ آئے یا تمہاری
عقل جزئی اسکا احاطہ نہ کر سکے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ اس شے کا وجود ہی نہیں ہے

بستر تعنہ سیمرغ و قصہ ہدہد　　　کسے رسد کہ شناسا منطق الطیر است

غیب کی باتیں غیب ہی کی شان میں ظاہر ہونگی باطن کے لیے باطنی آنکھ کی ضرورت ہے
تمہاری قلبی کشاکشی نے انکار کا پہلو اختیار کیا جبتک یکسوئی نہ ہوگی رسائی محال ہے
کہ عالم اجسام کا ایسا ہی حال ہے۔ سنو اور غور سے سنو۔ قلب کا نام قلب کیوں ہوا

اُلٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ اعضا جوارح اسکے تابع ہیں۔ یہ حاکم ہے اور سب محکوم۔ یہ مالک سب مملوک۔ یہ بادشاہ اور سب رعایا الناس علی دین ملوکھم جس رنگ میں یہ ہوا سب ہو گئے۔ جدہر یہ گیا سب گئے۔ اسکا یہ حال کہ نفس و روح کی کشاکشی۔ الٹ پھیر ہے جسکی کشش غالب یہ اُسیکا مغلوب۔ نفس نے غلبہ کیا بہیمی حرکتیں سرزد ہوئیں روح نے کھینچا ملکوتی خواص آئے۔ انسان کی سرشت میں بدی کا مادہ غالب ہے اور نفسی رجحان خود بخود خواص جسمانی ہے۔ اس کشمکشی سے رہائی بلا تصفیہ یا علی تزکیہ نفس اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ تصوف روح عالمِ روح کا منکر انسان حیوان صفت ہو روحانی ترقی والے ہی انسان معنوی یا انسان کامل کہلاتے ہیں۔ اور یہ کمال از ہم و نفوس انسانی روح و دل سے خارج ہوجاتا ہے جبتک قلب کو یکسوئی روح کو غلبہ نفس کو مغلوبی اور نفسانی لذات سے کنارہ نہو۔ انوار تجلیات سے واسطہ نہو۔ ذلت حقیقی معنی ہے اور صفات ظاہر ظہور معنی کے لیئے آنکھیں بھی معنوی چاہئیں +

حال (Spirit.) کی باتیں قال (Words.) میں نہیں آسکتیں ؎

ہست این اسرار نہ جائے دگر سِرّ این را کے شناسد کور و کر

جسم فانی روح باقی ہے۔ عالمِ اجسام کو فنا عالمِ ارواح کو قیام ہے۔ یہ کیوں اسلیئے کہ ہر شئی محسوسہ (مثلاً جسم) میں تغیر لازمی ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو۔ کہاں تھے کہاں رہے کیا کیا کہلائے۔ کتم عدم سے وجود میں آئے۔ گودوں میں رہے گھٹنوں کے بل چلے کھڑے ہوئے اور گرے۔ بالآخر نشو و نما پائی۔ سیدھے ہوئے پھر جھک گئے اور آخر میں چل دیئے انا للہ ثم انا للہ ؎

صورت از بےصورتی آمد بروں باز شد انا الیہ راجعون

ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون۔ ہر شئے متغیر ہے وہ یقینی فانی اور نابود۔ نابود بود نہو۔ فانی باقی نہ رہے۔ بود نابود نہو باقی فانی نہ ہو

یہی نابود عالم اجسام ہے۔ یہ عالم امثال ہے۔ غیر محسوس کو تغیر کہاں۔ جہاں تغیر نہو وہاں فنا کی گرم بازاری کہاں۔

یہ قیل و قال بد مذاقی کی چال ہے۔ جان کا وبال جی کا جنجال ہے۔ اے یاران طریقت آؤ خیال یار سے جی بہلائیں کہ ذوق و شوق ہی محبت کی دلیل ہے۔ باقی مفت کی قیل و قال ہے۔

اے خیال یار کیا کہنا ترا	تو نے سب جھگڑوں سے یکسو کر دیا
تو جو آئے کب دوئی باقی رہے	تو اکیلا ہے اکیلا ہی رہے
تو بسے دل میں کرے سب کو بدر	ایک دل ہو ایک ہی کا ہو گزر
تو ہے یکتا تیری یکتائی ہے طاق	تجھمیں کب ہو اتحاد و افتراق
نگ بیرنگی میں نیرنگی کہاں	دور تجھ سے او تو سود و زیاں
تیرے آنے سے چلے جاتے ہیں سب	رنج و غم آہ و بکا شور و شغب
دل میں آ کر جب جگہ لیتا ہے تو	بغض و کینہ جڑ سے کھو دیتا ہے تو
خود پسندی خود نمائی سے الگ	اور ہر فعل ریائی سے الگ
پاس کب آتے ہیں تیرے مکر و زور	کیا حسد کا منہ جو ہو تیرے حضور
آدمی کو آدمیت تو سکھائے	یعنی اپنی یاد میں سب کو بھلائے
جب شغف تجھ سے ہوا اور انہماک	تو ہی تو اک رہ گیا قصہ ہے پاک
سب کو کھویا اور اپنا کر لیا	مرحبا اے پیک جاناں مرحبا
مرحبا اے قاصد طیار ما	میدہی ہر دم خبر از یار ما
تجھ سے اک بے نقش کا سنکے حال	ہو گئے نادیدہ مشتاق جمال
کر کے چرچا حسن عالم سوز کا	تو نے سودائی بنا رسوا کیا
عاشقی و عشق کے کوچہ میں ڈال	خوب ہی تو نے کیا ہے پائمال
اب ہیں ہم اور بیخودی کی لذتیں	دل کی الجھن سے نرالی راحتیں

[illegible]

ہے کبھی صحرا نوردی اپنا کام — اور کبھی ہے وحشت پیمائی ترا نام
گوشۂ عزلت سے رغبت ہے کبھی — اور اسی رغبت سے نفرت ہے کبھی
بیقراری دل کی ہے سیماب وار — ایسے سیمابوں کو کب آئے قرار

ناتمام

زمین شدیم چہ شد آسمان شدیم چہ شد۔ اُس قادر قوی کا تو یہ لطف و احسان کہ اُس نے اپنی بخشش کے خزانۂ رحمت کے ذخیرے سے ایک ایسی نعمت ایسی قوت یعنی عقل عطا فرمائی کہ جسکی دستگیری و رہنمائی سے ہم اُسکے بے حد و بیحد فضل و کرم جود و سخا کا اندازہ کرکے اسکی نوازشوں بندہ نوازیوں کا شکریہ عملی طریقے سے ادا کریں۔ ممنون ہوں احسانمند ہوں۔ اِدھر ہماری یہ شامت یہ کیفیت کہ سرتاپا دنیا میں غرق عیش و عشرت میں مستغرق۔ نہ اُسکی نعمت کی قدر۔ نہ احسانات کا شکر۔ وہی ہم ہیں اور ہماری نہ بیجا حرکتیں وہی وہ ہے اور اُسکی رحمتیں۔ ہم سے فسق و عصیاں، اُس سے لطف و احسان ہم سے جور و جفا اُس سے مہر و وفا۔ ہم سے فتنہ و فساد آفت و بلا۔ اُس سے کرم پر کرم عطا پر عطا ہمارا یہ نقشہ یہ حالت۔ اُسکی وہ شفقت وہ محبت۔ کاش اب بھی سمجھیں ہوش میں آئیں توبہ و استغفار سے کام لیں غنیمت ہے کہ بابِ توبہ ہنوز وا ہے۔ ابھی کچھ نہیں گیا کچھ نہیں ہوا ہے سورج مشرق سے نکلتا ہے غنیمت ہے۔ ورنہ برعکس مطلع صاف آفت پر آفت ہے۔ عفو کا وعدہ ہے اور توبہ کی تاکید اکید ہے قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی الفرقان المجید والفرقان الحمید۔ ومن یعمل سوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفوراً رحیماً ہ اور جو بُرا کام یا ظلم کرے اپنی جان پر پھر اسی سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشش والا مہربان پائے گا۔ اور بھی بہت جگہ توبہ کرنے و استغفار کا حکم ہے۔ اسکے ساتھ ہی اپنی بندہ پروریاں۔ بندہ نوازیاں اور رحمت کی شانیں و کھائیں ظاہر فرمائی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا وہ خود فرماتا ہے خشو بوالی بادشکرہ و تلذیذ۔

اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر
الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی ما فعلوا وهم یعلمون ۰ اولٰئک جزاؤهم مغفرة
من ربهم وجنت تجری من تحتها الانهر خلدین فیها ونعم اجر العملین ۰ وما
کان اللہ معذبهم وهم یستغفرون ۰ ثم ان ربک للذین عملوا السوء بجهالة ثم
تابوا من بعد ذلک واصلحوا ان ربک من بعدها لغفور رحیم ۰ یا ایها الذین
اٰمنوا توبوا الی اللہ توبة نصوحا واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم ۰

توبہ کیا ہے۔ دلی ندامت قلبی پشیمانی۔ اقبال اعمال حمیدہ اعراض افعال ناپسندیدہ
بشری و اخلاق عنصری کی کدورتوں سے علیحدگی[1]۔ وصدق ہو صفات مذمومہ[2] سے اور قرب
ہو اوصاف محمودہ[3] سے۔ توبہ مستحکم و مضبوط اور نیت خالصاً للہ۔ دل ترساں ہو اور چشم
گریاں۔ معصیت ظاہری و باطنی کے ترک کا خیال ہو۔ قلب منیب ہو اور توبہ انابت و
اوابت۔ پھر کیا ہے نہ دوری ہو نہ مہجوری۔ وہی قربت وہی وصلت التائب من الذنب
کمن لا ذنب لہ۔ عنوان کی رباعی کا مصرعہ آخر ہے "صد بار اگر توبہ شکستی باز آ" یہ صحیح
ہے کہ اُس تواب الرحیم کی ذات سے ناامیدی کفر۔ سو بار کیا ہزار بار بھی کم بہت کم ہے
یہ رحیمی و کریمی کی شانیں ہیں۔ ان کا کیا ٹھکانا۔ یبشرهم ربهم برحمة منه یا جیسا
فرمایا۔ ورحمتی وسعت کل شیء ۰ ولا تایئسوا من روح اللہ انه لا یایئس من روح
اللہ الا القوم الکفرون ۰ قال ومن یقنط من رحمة ربه الا الضالون ۰
قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ
یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم ۰ گر منشاء توبہ ہے کہ یہ کرن

---

[1] یعنی حسد نفاق بخل۔ کذب حرص طمع غضب تجسس بہتان۔ ریا و غیبت وغیرہ وغیرہ ۱۲ منہ
[2] تکبر غضب۔ شہوت۔ حقد حسد عجب باعمال حسنہ یا خود بینی بخل انانیت وغیرہ وغیرہ ۱۲ منہ
[3] صبر شکر توکل قناعت زہد ریاضت رضا برضا علم حلم جود رحم تواضع وغیرہ ۱۲ منہ

شکستن توبۂ نصوحائی شان سے دور ہے بعید ہے۔ یہ شانِ رحمت کہ طلبی ہو چکا ہے ورنہ اس جنسِ ناکارہ کا اور کون خریدار ہے۔ یہ ٹوٹا پھوٹا دل اور اُسکی طلبگاری یہ شان رحیمی و کریمی ستاری و غفاری ہے۔ ہم سے غافل سیہ کاروں بدمستوں بداعمالوں پر یہ اُسکا لطفِ عمیم فضلِ عظیم ہے۔ اور کیوں نہو کہ وہ غافر الذنوب قابل التوب رؤف رحیم غفور و حلیم ہے ؎

صدقے اس بندہ نوازی کے کہاں تک جائیں
باپ ماں سمجھتے ہیں کب ایسے شفیق و شفق

ہاں بیشک یہ بھی لازمۂ انسانیت مقتضائے عبدیت کہ اُس رب الارباب خدائے پاک کی جناب میں نہایت ادب انکساری بجد عاجزی و خاکساری کے ساتھ اپنی صد بار شکستہ توبہ سے توبہ کریں۔ ورنہ ایسی توبہ وہ دل لگی وخریدے وابستہ نہو۔ کام نہو۔ غلط باتی حالت کشمکشی سے رہائی ہو کچھ رنج نہو آلام نہو۔ اب تک ہماری توبہ عجیب توبہ تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ تھی کچھ بھی نہ تھی۔ تھی یا نہ تھی اُس سے بھی توبہ ہزار توبہ ؎

در دل اثر گناہ بر لب توبہ
در صحبت خوشدلی و در شب توبہ

ہر روز شکستن است ہر شب توبہ
زیں توبۂ نادرست یارب توبہ

سچی اصلی حقیقی واقعی توبہ وہی توبہ ہے جسمیں خلوص نیت سے امور نامرضیات ماسبق پر سچی پشیمانی مگذشتہ افعال قبیحہ پر حقیقی ندامت ہو۔ آیندہ کے لیے ترک معاصی پر اصرار و شدت سیئات سے نفرت و وحشت اور حسنات سے رغبت و محبت الفت ہو۔ ہاں یہی توبہ محبوب ہے مرغوب ہے خوب خوش اسلوب خوب ہے۔ اسی آخری توبہ کیطرف رغبت ہو میلان ہو۔ پھر دیکھئے آپ کی کیا شان کیسی آن بان ہو۔ یہی توبہ باب رحمت زینۂ ایقان و عرفان ہے۔ اسپر قدم سنبھلا تو فضل ہی فضل احسان ہی احسان ہے ؎

از مقامات تبتل تا فنا
پایہ پایہ تا ملاقات خدا

از پے ایں عیش و عشرت ساختن
صد ہزاراں جاں بباید باختن

حواس باطنی کام میں آئیں تو قرب و قربیت آسان ہو وشو رنمو خودی سے نجات پا جس نور ہدایت ہو آزاد رہو سے

نہ پوچھو تو یہ کچھ ہو سے جدا ہو کر — بقا فنا میں مل مل گئے فنا ہو کر
جدا ہوں اپنی ہی لپنے سے آپ مل جائیں — تب اجدا نہ رہیں ایک ہوں جدا ہو کر
نہ کچھ صفت ہو فنا فی نہ غیریت نہ حجاب — جو انتہا کا تصور ہے ابتدا ہو کر
صفت میں ذات کی عجز نمایاں ظاہر ہے — انا کی شکل میں گاہے گئے رمی ہو کر
ہر ایک پردہ میں چھپ چھپ کے ہو اگر کہیں مل جائیں — پتہ لگائیں تمھارا جدا پتا ہو کر

عقل نے مصنوعات سے صانع کی شناخت انسانی کمزوریوں سے اُس قادر و قوی کی پہچان کا کام لیا۔ اُس کے بے حد بے حساب لاتعداد انعامات عنایات رحمت و احسانات کا اعتراف کیا۔ دلی پشیمانی قلبی ندامت ہوئی۔ سر نیاز خم ہوا توبہ کی صورت ہوئی۔ توفیق رفیق طلب میں سچائی تھی۔ اسپر طرہ یہ کہ کسی کی ترچھی چتون[۱] شوخ نگاہوں جادو نظری بانکی اداؤں نے وہ وہ شوریدگی کا سامان۔ ایسا ایسا طوفان برپا کیا کہ سب ہاتھ اُٹھا اُسی ایک کے ہو رہے۔ خوب ہے جو بہتر ہوئے سے

ہر آبروئے کہ اندوختہ ز دانش و دیں — نثار خاک رہ آں نگار خواہم کرد[۲]

اُس کے ہوئے سب ہی گئے۔ کیا ہوا اچھا ہوا۔ سب اُس کے ہوئے جو اُس کا ہوا واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ اے دوستان دینی یہ فضل رحمانی رحمت سبحانی ہے۔ فرا دیانت و صداقت سے کام لو۔ ہاتھ پاؤں پھیلاؤ پھر نہ حیرانی ہے نہ سرگردانی ہے۔ قول جمیل خداوند رب جلیل ہے واذا سألك عبادي عني فاني قريب[۳]

---

[۱] کنایہ از توجہ مرشد ۱۲ [۲] ترکت للناس دنیاهم و دینهم شغلا بحبك یا دینی و دنیائی ۱۲ [۳] من کان للہ کان اللہ له ۱۲ [۴] و فی انفسکم افلا تبصرون ۵

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست — ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

ایک خالص توبہ نے کہاں سے کہاں پہنچایا۔ اب اگر اس استحکام میں مضبوطی ہو تو سب
کچھ نہیں تو کیا کرایا خاک میں ملایا۔ استحکام کی صورت محاسبۂ نفسی ہے۔ تفکر بھی
حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ
۔ توبہ منضبط ہوئی مستحکم ہوئی۔ پھر پس و پیش و تامل کیا۔ یہ تجاہل و تغافل کیا۔ دم
کا ٹھیک نہیں اعتبار نہیں۔ دم ہو نہ ہو کچھ خبر نہیں اختیار نہیں۔ اعجلوا بالتوبۃ
قبل الموت قبل الموت یہی ساعت یہی دم ہے۔ دم بدم دم کی خیر مناؤ یہی دم دم
میں کا معدوم ہے۔ ہاں آؤ جلدی اس **آخری خالص توبہ** کی بنا ڈالیں کریں۔
فرق نیاز فرش زمین پر خشوع و خضوع کی حالت ہو خاک کا نشان جبین پر عاجزی
و بیکسی کی صورت ہو منہ قبلہ رخ ہو اور دست طلب دراز۔ زبان پر استغفار ہو اور
سچا سوز و گداز۔ اول و آخر درود شریف کی تکرار ہو۔ پھر دیکھو کیسی قبولیت کیسا بیڑا پار ہو

اللھم صل علی محمد معدن الجود والکرم وعلی آل محمد واصحابہ
وامتہ وبارک وسلم بعدد من صلی علیہ استغفر اللہ العظیم الذی
لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب
واتوب الیہ اللھم انی اعوذ بک من ان اشرک بک شیئا وانا اعلم
واستغفرک لما لا اعلم بہ تبت عنہ واسلمت واقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللھم صل علی محمد معدن الجود والکرم وعلی آل محمد واصحابہ وامتہ
وبارک وسلم بعدد من صلی علیہ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب
لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ
وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واھل بیتہ واولیاء امتہ اجمعین برحمتک
یا ارحم الراحمین۔

محمد نذیر الحسن شیخ اللہی میرانی

حال وقال

مولوی سید نواب علی صاحب ایم اے۔ پروفیسر بڑودہ کالج جنکا یہ مضمون
ہے انگریزی دانوں کی جماعت میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ علوم مغربی میں دسترس
کامل رکھنے کے ساتھ آپ کو اپنے آبائی علوم میں بھی پورا پورا دخل حاصل ہے۔ آپ ایک
نہایت مذہبی رنگ کے آدمی ہیں! آپ کی تصانیف اور عام مضامین اکثر سب اسی رنگ
میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ابھی ایک کتاب آپنے حضرت رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وسلم کی سوانحعمری میں لکھی تھی تذکرہ مصطفےٰ۔ جو تمام ملک میں نہایت قبولیت
کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ یہاں حال وقال کے مسئلہ پر جو کچھ آپنے لکھا ہے وہ آپ
کی حقیقت شناسی کو ظاہر کرتا ہے۔ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات میں اس قسم کے خیالات
قدر کے قابل ہیں۔ حال وقال دو چیزیں ہیں جنپر علیحدہ علیحدہ بحث ہونی چاہیئے!
اور اسکے بعد ان دونوں کے باہمی تعلق کو بیان کرنا چاہیئے۔ مگر آجکل محاورہ اور عام
چال میں حال وقال ایک ہی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے۔ سید صاحب ممدوح مغربی علوم
کے طریق تحقیق سے قال اور حال کے بیرونی اور اندرونی جذبات پر اگر لکھنا چاہیں
تو بہت خوب لکھ سکتے ہیں۔ ہم آپ کی اس عنایت کے بعد جو پُر اثر ہے اور باحال ہے
جلدی دوسری عنایت کے طلبگار ہیں +

بہت سے نئی روشنی والے مغربی تعلیم کے اثر سے علی العموم پُرانی باتوں پر ہنستے ہیں
صوفیوں کے ذکر و اذکار اور انکے حال وقال کی محفلوں کو تو محض ڈھکوسلا اور قابل مضحکہ
سمجھتے ہیں۔ اگرچہ صوفیوں میں بہت سے بدنام کنندہ نکونامے چند نے اپنی خود غرضانہ
ہوس رانی اور تصنع سے اس پاکباز گروہ کی وقعت خاصکر نئی روشنی والوں کی نگاہوں
میں جنھوں نے مغربی آزادی کی کھلی ہوئی ہوا میں سیر کی ہے کم کر دی ہے۔ مگر یہ یاد

ہے کہ تمسخر اور تحقیر سے جو قلب پر رعونت کا دھواں چھا جاتا ہے وہ اصل کیفیت کو ظاہر نہیں ہونے دیتا اور آخر کار سلب توفیق کا باعث ہوتا ہے ۔

حال کیا ہے ؟ ایک خاص کیفیت کا نام ہے جو خارجی اسباب سے ایک وقت میں قلب پر طاری ہوکر جوارح پر اپنا اثر پیدا کرے خارجی اسباب کا مفہوم بہت وسیع ہے اور قلبی کیفیت کا اثر جوارح پر ظاہر ہے ۔ گالی دینے سے انسان کو غصہ آجاتا ہے اور اس جوش میں آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں منہ سے کف جاری ہو جاتا ہے ۔ کبھی دانت پیستا ہے کبھی ہاتھ سے روٹھتا ہے ۔ تھوڑی دیر میں جب غصہ فرو ہوا اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے خوف کی حالت میں انسان تھرتھراتا ہے ۔ اور خوشی کی حالت میں اُچھلتا کودتا ہے ۔ ایک مہذب جلسے میں ایک مشہور اسپیکر لکچر دے رہا ہے ۔ یکایک اسکی جادو بیانی سے متاثر ہوکر حاضرین کبھی تالیاں بجاتے ہیں کبھی "ہپ ہپ ہرا" کا نعرہ لگاتے ہیں ۔ بہت تھوڑے ایسے ہوتے ہیں جو معانی سمجھکر یہ حرکات کرتے ہیں ۔ باقی محض دیکھا دیکھی آخر یہ کیا حرکات ہیں ؟ یہ نئی روشنی کا حال ہے ۔

ایک دوسرا جلسہ ملاحظہ ہو محفل سماع گرم ہے ۔ سامعین محو تماشا ہیں صدر میں ایک نورانی صورت بزرگ جلوہ افروز ہیں سامنے قوال بیٹھے ہوئے نغمہ سنج ہیں انکی خوش الحانی دل کھینچے لیتی ہے ۔ اچھے یا بُرے جذبات جو پردۂ دل میں چھپے ہوئے ہیں مجسم ہوکر سامنے آرہے ہیں کوئی تو حسن مجازی کے جادۂ ظاہر کا دیوانہ ہو رہا ہے اور کوئی عشق حقیقی کے "تیر نیمکش" کے زخم سے تڑپکر کلیجہ تھام لیتا ہے یکایک قوال نے یہ غزل چھیڑی ع

وصلی اللہ علیٰ نورے کزو شد نورہا پیدا

پہلے مصرعہ کے الفاظ ابھی فضائے ہوا میں گونج ہی رہے تھے کہ صدر نشین بزرگ کی حالت متغیر ہوگئی "سبحان اللہ" کہکر اٹھ کھڑے ہوئے اور مصرعہ بالا کی تکرار

شرح کی۔ وصلی اللہ علیٰ نورہٖ ...... یہ کسکا نور ہے؟ اُس مہبطِ انوار کا نور ہے جسکی شان میں ارشاد ہوتا ہے یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ یہ وہ نور ہے جو ازلی نور کا ظہور ہے۔ عالم غیب سے شہود میں جلوہ گر ہوا۔ اور اُس نورانی مشعل سے جو اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے لیے جہت اور خود بخود روشن رہنے والے نور سے روشن ہے لاکھوں چراغ روشن کر دیئے اور بزم عالم کو مطلع انوار بنا کر قیامت تک یہ فیض جاری کر دیا۔ کیوں نہیں۔ "وصلی اللہ علیٰ نورہٖ کز وشد نورہا پیدا"

یہ نورانی خیالات اُس بزرگ کے قلب صافی پہ بجلی کیطرح سے چمکتے ہیں اور وہ جوش میں آکر کبھی درود پڑھتا ہے کبھی روزن دل سے اُس نور کی تجلی کی جھلک دیکھا کر تڑپتا ہے لوٹتا ہے اور وجد میں آکر جھومتا ہے۔ یہ کیا حالت ہے؟ یہ صوفیوں کا حال ہے مگر بمصرعہ "ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی"۔

خیر اگر ذوق نہ سہی تو کم سے کم انکار تو نہو۔ نفرت اور حقارت کے خیالات تو پیدا نہوں۔ یہ سمجھ لینا کہ اب اس گروہ میں سب ریائی اور محض لکیر کے فقیر ہیں حقیقت میں فریب نفس ہے جو سلف صالحین سے بھی بدظن کر کے راہ معرفت سے کوسوں دور پھینک دیتا ہے۔ بیشک اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔

حال کی کیفیت بجلی کی چمک کیطرح ہے۔ ترقی مدارج کے واسطے حال "لفٹ"[1] کام دیتا ہے۔ صاحب حال کیواسطے کچھ یہ ضرور نہیں ہے کہ جب عرس میں سماع کی محفل گرم ہو جیل مریداں ہمراہ ہو اور مغنی معرفت کی غزلیں گائے۔ تب ہی اُس کو حال آئے۔ بلکہ اُسکا قلب سلیم محسوسات کی ہر چیز سے خواہ اعلیٰ ہو یا ادنےٰ متاثر ہو جاتا ہے اور وجد کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

[1] فٹ نوٹ) امریکہ کے شہر نیو یارک میں ۲۷ درجوں کے مکانات ہیں سب سے اونچا درجہ کئی سو فیٹ بلند ہوتا ہے اُنپر چڑھنے کیواسطے ایک قسم کی مختصر گاڑی ہوتی ہے جو طرفۃ العین میں اوپر پہنچ جاتی

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ کے حالات میں منقول ہے کہ آپ ادنےٰ ادنےٰ چیز سے بھی
متاثر ہو جاتے تھے۔ آپکا نعرہ مشہور تھا اور سعدی کا مصرعہ "باواز دولاب مستی کنند"
گویا آپ ہی کے حال پر صادق تھا۔ ایک دن آپ نے ایک گیلی لکڑی جلتی دیکھی جس کے
دوسرے سرے پر سے پانی بطور رطوبت ظاہر تھی یہ دیکھکر آپکا حال متغیر ہو گیا۔ اور
جوش میں آکر مریدوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ دعوے! اگر یہ دعوےٰ سچا ہے کہ تمہارے دل
آتش عشق سے لبریز ہیں اور اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو پھر تمہاری آنکھوں سے
آنسو کیوں نہیں جاری ہوتے ۔

ایک دن آپ راستے پر چلے جاتے تھے۔ ایک شربت کے آبخورے بیچنے والے
نے صدا لگائی "لَمْ یَبْقَ اِلَّا وَاحِدٌ (بس ایک رہ گیا ہے) آپ یہ سنتے ہی بیتاب ہو کر
نعرہ مارا اور بار بار زبان پر یہی کلمہ جاری تھا "بس ایک رہ گیا ہے" "بس ایک رہ گیا ہے"
اور پھر آخر میں کہا اور سوائے ایک کے کوئی رہے گا ہی نہیں ۔

احمد بن مقاتل عکی کہتے ہیں کہ میں ماہ رمضان المبارک میں ایک رات امام کے پیچھے
ابوبکر شبلی رح کے برابر صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے تلاوت کرتے کرتے آیہ
کریمہ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ پڑھی جسکا ترجمہ یہ ہے
کہ اگر ہم چاہیں تو (اے محمدؐ) ہم نے تجھپر جو وحی بھیجی ہے اُسے واپس لے لیں۔ یہ آیت
سنتے ہی شبلی رح نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں سمجھا کہ اس چیخ کے ساتھ ہی اُن کی
روح پرواز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد انکی یہ حالت تھی کہ کانپتے تھے اور بار بار کہتے تھے۔
دوستوں سے یوں خطاب کیا جاتا ہے تو پھر بھلا ہم ایسے لوگوں سے کیا خطاب ہوگا۔

فانوس خیال کیطرح حال بھی مختلف واردات قلبی کا آئینہ ہے اور بخلاف
"مقام" کے بدلتا رہتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

حضرت ابوالحسن نوری رح نے ایک مرتبہ دعا کی۔ خداوندا مجھے ایسا حال عطا فرما جو کبھی زائل نہو۔ ندا آئی۔ اے ابوالحسن تو ہماری برابری کرتا ہے۔ ایک حال پر قائم رہنا شانِ خداوندی ہے۔ اور ایک حال سے دوسرے حال پر بدلتا رہنا لازمۂ انسانی ہے۔

اس زمانہ میں جبکہ روحانی جذبات علوم ظاہر اور رسمیات کے باعث نہیں نہیں بلکہ خود اپنی شامت اعمال کے بدولت کمزور ہوگئے ہیں۔ تصفیہ باطن کیطرف خاص توجہ ہونی چاہیئے۔ افسوس لوگ اصل حال سے غافل ہیں۔ کوئی اسکی ہنسی اڑاتا ہے اور کوئی اندھوں کیطرح محض رسم کی پابندی کرتا ہے۔ اگر ایک طرف رعونت اور دوسری طرف جہالت کا پردہ اٹھ جائے۔ رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ بدن تھرتھرانے لگے اور نرم ہوکر یاد الٰہی میں مشغول ہوجائے۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ مگر یہ مرتبہ کیونکر حاصل ہو سنو اور دیکھو۔ یاد رکھنا طلب صادق اور خلوص نیت سے۔ یہ اسوجہ سے کہ ؎

ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

سید نواب علی ہیوتنوی ایم اے

از بڑودہ

رباعیات

وہ غیرتِ دین و صبر و ایمان ہیں کہاں
حُسنِ عمل کے لیئے ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

تہذیب وہ ہی کہ رنگ مذہب بھی ہو
آزادہ وہ ہے کہ جو مودب بھی ہو
تزئین وہ ہی کہ خاکساری بھی ہو ساتھ
اسپیچ وہ ہے کہ اسمیں یارب بھی ہو

اکبر۔ الہ آبادی

اس زمانہ کے عقلاء کو نیند کے بارہ میں بہت کچھ کلام ہے۔ وہ شب بیداری کو صحت جسم کے لیئے مضر سمجھکر صوفیوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔

جناب حکیم مولوی فرید احمد صاحب نے اس مضمون میں اگرچہ اس امر کا فیصلہ نہیں کیا کہ جاگنا قطعاً نیند یا مضر صحت ہے لیکن ضمناً انہوں نے طبی حیثیت سے سونے اور جاگنے کے فائدے اور ضرر کو ظاہر کردیا ہے اور اپنے اصلی مقصد یعنی خواب بیداری کے روحانی مشاہدات و تاثیرات کے علاوہ اس بات کو کامیابی سے دکھادیا ہے کہ قرآن شریف و آثار و اخبار سے بیداری کی برتری ثابت ہے۔

امید ہے کہ نیند کے عنوان پر یہ آخری مضمون نہیں ہوگا۔ اور آئندہ اسکے مختلف پہلوؤں پر مختلف پیرایہ سے بحث کیجائے گی ٭

اے انسان و حیوان تمام جانداروں کی محبوب نیند اور اے ہر متنفس کی حرز جان تیری خوبیاں کہاں تک بیان کیجائیں۔ تو اُس وحدہ لاشریک خدائے برتر کی ایک عظیم الشان نشانی ہے وَمِنْ اٰیَاتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ میں تیری ہی شان کا اظہار ہے۔ ہژدہ ہزار عالم پر تیری حکومت جاری ہے۔ تیرے حکم کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ تیرے غلبہ کے وقت موت کے منہ میں بھی تیرے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ مشہور ہے کہ سولی پر بھی تو اپنا سکہ جما دیتی ہے۔ تو ایسی نافع اور پرورش کنندہ ہے کہ اگر تو نہو تو مخلوق بہت جلد فنا ہو جائے۔ تو ہر متنفس کی ایسی محبوب ہے کہ تیرے آگے سلاطین کو اپنی سلطنت و ملک کی فکر نہیں رہتی۔ حاکم قاضی اپنے مقدمات کی مسلیں تیرے سامنے تکیے رکھ دیتے ہیں۔ طبیب اپنے مریضوں کو خدا کی سپرد کرکے تیرے سامنے الگ ہو جاتے

ہیں کاشتکار اپنی کھیتی سے جو بڑی محنت و جانفشانی سے بوئی جوتی ہے تیرے سامنے غافل ہوجاتا ہے۔ تو ایسی پیاری چیز ہے کہ ماں اپنے چہیتے بچوں کو تیری محبت میں چھوڑ دیتی ہے اور بچے اپنے ماں باپ سے تیری ہی الفت میں علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ تیری محبت سب پر غالب ہے۔ عاشق اپنے معشوق کو تیری محبت میں بھول جاتا ہے۔ خدا جانے تجھ میں کیا تاثیر و تسخیر ہے کہ جسکو دیکھو تیرا گرویدہ نظر آتا ہے۔ تیرے آنے میں ذرا دیر ہوجاتی ہے تو کیسی قلب پر گھبراہٹ اور بےچینی ہوتی ہے کہ العظمۃ للہ۔ تیرے واسطے انسان کیا کیا سامان کرتا ہے۔ اونچے اونچے مکان پُر فضا کوٹھیاں۔ بالاخانے۔ اچھے اچھے کمرے تیرے لیئے بنائے جاتے ہیں چھپرکھٹ مسہریاں۔ مسند تکیئے۔ عمدہ عمدہ چارپائیاں۔ نرم نرم بستر تیرے لیئے تیار ہوتے ہیں۔ تیری ہی بدولت انسان عالم ملکوت کی سیر کرتا ہے۔ تیرے ہی ذریعہ سے انسان کو آیندہ کے حالات منکشف ہوجاتے ہیں۔ تیری ہی بدولت مرتبۂ نبوت کی خوشبو سے دماغ مہک جاتا ہے۔ تیرے ہی ذریعہ سے انبیاء اولیاء کی زیارت نصیب ہوجاتی ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری تیرے ہی ذریعہ سے نصیبہ والوں کو میسر آجاتی ہے۔ غرض میں کہاں تک تیری تعریف کروں۔ تو کیا ہے تندرستی کی جان ہے تو اگر نہ آئے تو تمام بدن کا کارخانہ درہم برہم ہوجائے۔ چہرے کی زردی منہ میں خشکی۔ سر میں درد پیٹ میں قبض آنکھوں میں سرخی کانوں میں گرمی دل میں دھڑکن پیروں میں سنسناہٹ۔ پنڈلیوں میں کلہن۔ دماغ میں خشکی یہ سب تیرے ہی ہجر کی مصیبتیں ہیں۔ خدا نے تجھے کیسی کیسی مصلحتوں سے بنایا ہے۔ اے میری پیاری نیند تو تو ہر تندرست و بیمار کی حافظ و نگہبان ہے۔ بہت سے مریض جو مرض کے شدائد سے جاں بلب ہوتے ہیں تو اگر آجاتی ہے تو دم عیسوی کا اثر دکھا دیتی ہے تیرے آتے ہی سب کو تسکین ہوجاتی ہے اور ساری وحشتیں دور ہوجاتی ہیں۔ تجھ جیسی پیاری

محبوب کو چھوڑنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ یہ صوفیائے کرام ہی ہیں جو خدا کے عشق میں محبوبہ چھوڑکر خدا کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ پچھلی رات کو جب تیری خدمت کا پہریرا نہایت عزت وشان سے اُڑتا ہوتا ہے اور تیرے عروج میں کمالی شان ہوتی ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ کوئی شخص تیرے حکم سے سرتابی نہیں کرتا اُسوقت خدا کے عاشق رسول کے فرمانبردار بندے خدا کی عبادت کے لیئے کھڑے ہوتے ہیں اور اس رحمت الٰہی سے جو تمام زمین و آسمان پر محیط ہوتی ہے مستفیض ہوتے ہیں۔ اور هل من داع کے خطاب سے مخاطب ہوکر انوار و برکات کے مال و دولت سے مالامال ہوجاتے ہیں۔ اُن کے چہروں پر رونق اُن کے قلب میں نور آنکھوں میں سرور یہاں تک کہ اُن کے لعاب دہن میں تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔ چونکہ وہ لوگ ایسی محبوب پیاری نیند کو خدا کے واسطے چھوڑتے ہیں تو خدائے برتر اپنے کلام پاک میں اُنکی تعریف فرماتا ہے۔ تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفا وطمعا۔ یعنی وہ عاشق لوگ اپنے پہلوؤں کو نرم بستروں سے الگ کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کو اُسکی ہیبت وجبروت کے خوف سے اور اُسکی کریمی و ربوبیت کی طمع سے گڑگڑا گڑگڑا کر پکارتے ہیں۔

کہیں اُنکی تعریف اس طرح کیجاتی ہے۔ وقلیل من الیل ما یهجعون۔ یعنی وہ خدا کے مخلص بندے تھوڑی سی رات نہیں سوتے۔ اے میری پیاری نیند تو کیسی ہی مرغوب سہی محبوب سہی۔ جو لوگ محبوب حقیقی کے خالص بندے ہیں وہ تجھے زیادہ منہ نہیں لگاتے۔ وہ تجھے کیا اُنکے قلب میں دنیا کی کسی چیز کی بھی وقعت نہیں ہوتی۔ اُنکے ورد زبان تو یہ شعر رہتا ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ۔۔۔ دل بدست دگرے دادن حیراں بودن

اے ہماری پیاری نیند تو بیشک خدا کی نشانی اور ہر متنفس کی حرز جان ہے مگر تجھے

زیادہ محبت رکھنے میں نقصان ہے جو تیری محبت میں زیادہ گرویدہ ہوتے ہیں۔ ہمیشہ رنج میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی لئے تو صوفیائے کرام پہرے والے سپاہیوں کی طرح جگاتے رہتے ہیں کہ بھائیو جاگو۔ جاگو۔ جاگو۔ ایسا نہو تمہارا دشمن تمہارے باطنی ظاہری مال ودولت کو لیکر چلدے۔ تمہاری روح کی تانگی سے بھاگے تمہارے قلبی نور کو اُچک لے۔ اور قم قم یا حبیبی کے نعرے مارکر سونیوالوں کو جگاتے ہیں۔ آخر جب اُٹھنے کا نام نہیں لیتے تو مؤذن چلا چلاکر پکارتے ہیں الصلوٰۃ خیر من النوم۔ اے سونیوالو اُٹھو اور اپنے مالک حقیقی کے سامنے سر جھکاؤ نیند کی محبت کو چھوڑ دو۔ یہ دنیا چونکہ مزرعہ آخرت ہے جتنی یہاں غفلت کی نیند کو چھوڑکر بونے جوتنے میں محنت کروگے اُسکا ثمرہ روز آخرت پاؤگے۔ اور جتنی یہاں پر سستی کاہلی کو برتوگے وہاں کف ملوگے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہاں اُسکا پھل پائیگا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا اُسکی سزا وہاں بھگتے گا۔ اے ہماری پیاری نیند۔ تو ہماری مرغوب ومحبوب ہے۔ مگر تیری محبت میں ہمارا انہماک ہمارے وقتوں کا ستیاناس کردیتا ہے۔ ہم صبح سویرے چاہتے ہیں کہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے سر جھکائیں مگر تیری محبت ہمکو روک دیتی ہے۔ تیری زیادہ محبت میں روحانی ترقی کے علاوہ جسمانی ترقی بھی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ اعضا ڈھیلے ہوجاتے ہیں طبیعت کسلمند اور ہم آرام طلب ہوجاتے ہیں۔ ہمارا ہضم خراب ہوجاتا ہے چستی وچالاکی جاتی رہتی ہے۔ تیری محبت میں ہماری حالت بالکل افیونیوں کی سی ہوجاتی ہے تیری محبت میں بادشاہوں سے سلطنتیں۔ وکیلوں سے موکل طبیبوں سے مریض الگ ہوجاتے ہیں۔ بس تجھے تو اتنی ہی محبت رکھنی چاہیئے کہ تیرا اشتیاق ہے ہمارے سردار ہمارے آقا ہمارے دل وجان کے مالک۔ ہمارے ایمان کے حافظ حضور پُر نور

احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری آنکھ سوتی ہے اور میرا قلب نہیں سوتا۔ بس ایسی کوشش ہونی چاہیئے کہ سوتے میں ہی قلب جاری ہے کیونکہ دنیا کی زندگی کی مثال ایسے نیند کی سی ہے کہ نیند کی حالت میں عجیب عجیب واقعات انسان کو پیش آتے ہیں۔ کہاں کہاں کی سیر ہیں کرتا ہے کیسی کیسی مجلسوں میں بیٹھتا ہے مگر جب آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دن میں جن کاموں میں ہمارا انہماک زیادہ ہوتا ہے۔ اُسی قسم کی باتیں نیند میں دکھائی دیتی ہیں اور جو لوگ خدا کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں۔ اُن کی نیند میں خدا ہی کی باتیں اُنکو نظر آتی ہیں۔ غرض اسیطرح انسان کو جب موت آجاتی ہے تو یہ دنیا کی زندگی بالکل خواب و خیال ہو جاتی ہے۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا کا مضمون ہو جاتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاں انسانوں کے اوپر حقوق ہیں اُنکی تعلیم دی ہے۔ اُن سب حقوق سے مقدم خدا کے حق کو کیا ہے وللہ علیک حق یعنی تمپر اُس وحدہ لاشریک کا حق ہے جسنے تمہارے آرام کے لیئے کیا کیا نعمتیں پیدا کی ہیں۔ اور نیند جیسی چیز تمہارے آرام کے لیئے بنائی ہے خیال کرو جب تم کو نطفہ سے پیدا کیا پھر کیسے کیسے تغیرات ہوئے۔ تمہارے اعضا بنائے گئے۔ اُن میں جان ڈالی گئی۔ پھر تمکو تمام مخلوق میں امتیازی شان کا تاج پہنا کر دنیا میں ظاہر کیا۔ تم بڑے ہوئے جوان ہوئے بوڑھے ہوئے اُسکا تم پر حق ہے اور یہ سب حقوق سے مقدم تر ہے اُسکی محبت کے سامنے کسیکی محبت نہ رکھو پچھلی رات کو اُٹھکر اُسکی عبادت کرو۔ اگر یہ نہو سکے تو صبح سویرے خدا کے نیک بندوں کے ساتھ ملکر خدا کے سامنے سر جھکاؤ۔ اِسیطرح دوپہر کے سونے کے بعد سر جھکاؤ۔ جو لوگ پچھلی رات کو اُٹھتے ہیں اور دوپہر کو قیلولہ کرتے ہیں اُنپر خدا کی رحمت کا مینہ برسا کرتا ہے۔ تصوف کی کسی کتاب میں ہمیں نے ایک بزرگ کی

حکایت دیکھی کہ دوپہر کے وقت وہ بزرگ نہایت تیز رفتاری سے تشریف لئے جا رہے ہیں۔ ایک شخص نے آگے بڑھکر بعد سلام کے عرض کیا کہ حضرت اس وقت کہاں ۔ تو انہوں نے فرمایا کہ فلاں خانقاہ میں جاتا ہوں۔ اسوقت تہجد گزار لوگ قیلولہ کر رہے ہوں گے اور اُنپر رحمت الٰہی کے انوار و برکات بکثرت برس رہے ہونگے میں چاہتا ہوں کہ میں بھی مستفیض ہوں بقول خواجہ خواجگان حضرت مولٰنا خواجہ باقی باللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ؎

ہر جا کہ ترشح تو بینیم ۔ دار العطشیم و تشنہ کامیم

اے ہماری پیاری نیند تجھے چھوڑنے میں ہماری ظاہری و باطنی دونوں ترقیاں ہوتی ہیں گرچونکہ تیرے اوپر صحت بدنی کا دارمدار ہے تو ستہ ضروریہ میں سے بالکل چھوڑنے میں بہت نقصان ہے۔ مگر عین تاؤ کے وقت اگر ہم تجکو چھوڑکر خدا کی عبادت کے سبب کھڑے ہوجائیں گے تو خدائے برتر کے یہاں اس فعل کی بہت قدر ہوگی کیونکہ یہ مسئلہ مسلمہ ہو الاجر بقدر المشقۃ ۔ اگر تم خدا کی اور رسول کی اطاعت میں ایسی مرغوب و محبوب چیز کو چھوڑوگے تو اُسکی مہربانی کے ساتھ تمام مخلوق تمہاری اطاعت کرنے لگے گی من کان للہ کان اللہ لہ کا لطف آئیگا۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

اور اگر تم خواب غفلت میں پڑے رہوگے اور اُسکی اطاعت میں تساہل و سستی کروگے تو تمپر ساری مخلوق کے دل سخت ہو جائینگے۔ تمپر غیر لوگ حاکم بنائے جائینگے تمہیں طرح طرح تکلیفیں اُٹھانی پڑیں گی۔ تمہارا چہرہ سیاہ ہو جائیگا تمہیں خوفناک خواب نظر آنے لگیں گے۔ تمہارے قلب میں قساوت ہو جائیگی۔ تمہاری زندگی حیوانوں کی زندگی کی طرح ہو جائیگی تم میں اور حیوانوں میں صرف صورت کا فرق رہجائیگا

اسمیں شک نہیں ولنفسك علیك حق ولزوجك علیك حق مسلم ہے یعنی تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ اور تمہاری بی بی کا بھی مگر اُن کے حقوق ادا کرنے میں خدا کے حکم کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ غرض اگر تم دنیوی دینی کاموں میں خدا کی اطاعت کرتے رہوگے تو وہ اپنے فضل و کرم سے نوازے گا۔ اور تمہاری محبت اُسکو ہوجائیگی یحبہم ویحبونہ کا مزا آنے لگیگا۔ پھر اتنا تم کو قرب ہوجائے گا کہ تمہارا کام کرنا گویا اُسیکا کام کرنا شمار ہوگا۔ وہی تمہاری آنکھ وہی تمہارے کان وہی تمہارے ہاتھ سے کام لینے لگیگا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ٭ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری ٭ اللھم ارزقنا لما تحب وترضاہ ٭ آمین۔

فرید احمد عباسی نقشبندی مجددی

حضرت مولانا امیر حسن علاء السنجری فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح کی مجلس میں دعا کے متعلق گفتگو چھڑ گئی تھی۔ حضرت سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا کہ "بندہ کو لازم ہے کہ دعا کے وقت نہ اپنی گنہگاری کا خیال کرے اور نہ اپنی طاعت و بندگی پر بھروسہ اور گھمنڈ کرے۔ کیونکہ معصیت کا خیال کرنیسے تو ایقان دعا میں سستی پیدا ہوجاتی ہے اور نیک اعمال پر بھروسہ کرنیسے عجب و تکبر کی شان آجاتی ہے۔ لہذا یہ چاہیئے کہ اُسوقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نظر رکھے اور اُسکی رحمت کا امیدوار ہو اور کامل الیقین رکھے کہ دعا ضرور قبول ہوگی" اسکے بعد فرمایا کہ "دعا مانگتے وقت دونوں ہاتھ کشادہ سینہ کے برابر پہنچے چاہئیں لیکن ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ ہاتھوں کی ہتیلیاں اوپر نیچے ملے ہوئے ہونے چاہئیں کیونکہ کوئی چیز انمیں ڈالی جاتی ہے" آخر میں ارشاد کیا کہ "دعا تسکین قلب کے واسطے ہوتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ عزوجل جو چاہتا ہے سو کرتا ہے"۔

سیّد حسن رسول نما رح

حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجۂ ذیل حالات ہمیں جناب مولوی حکیم محمد عمر صاحب فصیح دہلوی ثم الالوری نے مرتب کرکے ہمیں دیئے ہیں۔ مولوی صاحب کو تصوف اور اہل تصوف سے موروثی اور قدیمی تعلق ہے جتنا وقت آپکو دنیاوی کاروبار سے فرصت کا ملتا ہے آپ اسے اسی کے مطالعہ میں صرف کرتے ہیں چنانچہ بھی کئی کتابیں بزرگان دین کے سوانح میں لکھ چکے ہیں اور برابر اردو زبان میں اس قسم کا مصالحہ جمع کرتے رہتے ہیں "نظام المشائخ" پر آپ کی خاص عنایت کی نظر ہے۔ ہر طرح اسکی ہمت افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ ابھی ایک گرامی نامہ میں لکھا ہے کہ "آپکے لیئے حضرت روشن چراغ دہلی رح اور حضرت میسو درح کے حالات لکھ رہا ہوں" ہم آپ کی اس توجہ فرمائی کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور دست بدعا ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کو اس میدان میں پورے طور سے حوصلہ نکالنے کا موقع بخشے ٭

نارنول[1] شریف جو سراپا خیر و برکت کی وجہ سے پٹیالہ کی ریاست کا ایک مشہور معروف مدنی ضلع ہے۔ جہاں چپہ چپہ پر صوفیہ کرام۔ اولیائے عظام آسودہ ہیں۔ جہاں شاہ ترکمان صاحب وغیرہ جیسے حضرات برگزیدگان وواصلان حق کی درگاہیں خانقاہیں

[1] مورخوں کے لیئے یہ ایک ایسا بڑا بھاری کارآمد شہر ہے اگر سعی کیجائے تو یہاں کے حالات میں بہت مفید ایک مبسوط تاریخ تیار ہوسکتی ہے جسکے عام و خاص مقبول ہونے میں کلام نہیں کتاب آثار اکبری کی جامع اگر اس ضرورت کی طرف بھی رخ کریں تو یقیناً انکے لیئے بڑی سرخروئی کا سبب ہے ۔ [2] خواجہ قطب شاہ خواجہ فرخ شاہ محمد خواجہ شاہ عبد الباقی۔ شاہ عاشق محمد شاہ عبد العلی خواجہ صادق محمد شاہ محمد بدیع اللہ شاہ محمد لطف شاہ آجہ شاہ ابو الفتح شاہ محمد حلیم۔ شاہ محمد عظیم۔ شاہ محمد نسیم۔ شاہ محمد حسین۔ شاہ محمد یمین۔ شاہ بدر الدین شاہ

مزارات وغیرہ موجود ہیں۔ وہ ہی متبرک سرزمین، وہ ہی مقبول عام مقام، آپ کا وطن مالوف تھا۔

حضرت سید عثمان کہتر مل نارنولی تک آپ کا نسب مبارک پہنچتا ہے والد ماجد آپکے سید سعد اللہ بن سید امان اللہ عرف سید جو ہر آگرہ ۔ بڑی امیر کبیر سرکار میں سپہگری پر مامور تھے۔ قضا را جب وہ ایک معرکہ میں شہادت یاب ہوئے تو ان کی جگہ برائے چندے آپ کو منسوب کیا گیا۔

فوائح النعمان کے مؤلف میر ہاشم سرہندی حضرت کے مخلصین میں سے لکھتے ہیں کہ "چوں سن شریفش بہیجدہ رسید اسباب فقدِ وجہ معاش موروثی از اقربا حقیقی بکمال عاند احوالش گشت بالضرور برائے تحصیل سند بدار الخلافہ اکبر آباد شتافت ہرچند تلاشہا بکار برد لیکن کشائی مطالب نیافت۔ علاوہ آن از تکلیفات بیچ لابدی حالت بمخمصہ انجامید۔ ناچار بنوکری معلمی اطفال باہیاتہ قلیل متعلق گردیدہ ایامی چند بسر برد۔"

چونکہ ابتدائے بچپن سے ہی آپ میں آثار خیر وصلاح نمایاں تھے۔ طلب مطلوب حقیقی کی آگ اندر اندر آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی۔ اس لئے اب اس اثنا میں جب وہ ترقی پذیر ہوگئی۔ اور شعلہ ہائے نار عشقیہ بھڑک بھڑک کر باطن سے ظاہر کی طرف خارج ہونے لگے تو مجبور آپ نے یہاں سے قطع تعلق کیا اور سب سے مفارقت اختیار

۱ؐ مخفی نہ رہے میر ہاشم سرہندی وہی میر ہاشم سرہندی معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے شیخ محمد عاشق نارنولی اور حضرت سید حسن رسول نما کی تحریرات عدم ملاقات وغیرہ باہم کے متعلق شیخ موصوف کی زیادتی قائم کی۔ جسکے جواب میں ایک سیاحت پیلی ابو الفتح نامی ایک صاحب نے چند ورق کا فارسی رسالہ ترتیب دیا۔ اور ان کی بابت وہ اس رسالہ میں موشگافی میر ہاشم سرہندی کی نسبت لکھتے ہیں کہ "گر مطلب فتنہ نگاری است ہمیں قدر کفایت میکرد کہ ایذای طلبیہ مندرو اوشان نرفتند بایں قیود احترازی و تخصیص وتحقیر مسلمان صلاح کہ بظاہر تقصیرے ندارد انیدائے چیست گرتا ویل بجا

خشونت آمیز بود منظور داشتہ ... بجال اور ناراست کہ برادر مسلمان رادر ضمن تقاضائے حقے از حقوق اسلام

کرکے بایماے خاص پورب کے ملک کیجانب مراجعت کی۔ اور وہاں پہنچکر تکمیل علوم ظاہریہ و باطنیہ فرماکر ریاضت ہاے شاقہ سے ہوس دنیاے دنیہ کو لوح سینہ سفینہ سے بالکل پاک و صاف کردیا۔ کبھی بھی طعام لذیذ کو وقت لطیف مسکن لطیف کیطرف رغبت فرما نہوے۔ رات دن طالب علموں۔ یتیموں۔ عاجزوں۔ مسکینوں۔ محتاجوں مستحقوں کی خبرگیری۔ خدمت گزاری میں کوشاں رہتے تھے۔ نقد جنس نباتی وغیرہ نذر و نیاز میں جو کچھ آتا تھا وہ تمام و کمال استرضاے خدا و رسول بتمناے حسن قبول کی نیت سے غربا کے حوایج ضروریہ میں صرف فرماکر خود سوکھے جاگتے بیٹھتے اُٹھتے۔ چلتے پھرتے۔ ہر دم ہر وقت۔ تصور جمال جہاں آراے بلکہ تخیل نعلین قدمہاے عرش فرساے حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیمات میں مشغول رہتے تھے اسی لیے روح پرفتوح حضور کا آپ سے خاص تعلق تھا اور اسی واسطے جو کچھ آپنے پایا وہ اویسیہ طریق پر حضور سے پایا۔ اور اسی حصول رویت جمال باکمال حضور انور کی بدولت آپ سید حسن رسول نما کے لقب سے ملقب ہوگئے۔

چار دہ سال انقراض مدت کے بعد پورب سے اپنی نارنول کا ارادہ ہوا۔ چنانچہ آپنے نارنول وطن مالوف میں تشریف لاکر اُس مسجد کہنہ کو جو الحال مسجد میراں جی کے نام سے معروف ہے درست و تعمیر کرکے طلباے نارنول کی تدریس اُسمیں شروع کی اور یک زمانہ دراز۔ مدت مدید تک یہیں فیض و فائدہ پہنچاکر پھر غیبی اشارے کی اتباع میں دارالخلافہ شاہجہان آباد دہلی کی بود و باش اختیار کی اور ایک عالم بہرہ اندوز دولت دو جہانی فرمایا۔

لکھا ہے کہ خوارق عادات و ایثار عطیات پورب و نارنول و دہلی و دیگر امکنہ کہ در ہر ازمنہ از روے اشتہا ر یافتہ محتاج بشرح و بسط نیست و کدامین کرامت بالاتر ازین تواند بود کہ حلقے کثیر بوساطت میر روشن ضمیر از دیدار فائض الانوار سید المرسلین

شفیع المذنبین حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین بسعادت دینی و دنیوی و برکات صوری و معنوی فائز شدند سبحان اللہ زہے دولت زہے سعادت"۔

جب آپ کی حیاتِ ظاہری پوری ہوگئی۔ اور زمانہ وصال قریب تر آگیا تو آخرکار بانیسویں شعبان المعظم ۱۰۳۸ھ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں دارالفنا سے عالمِ بقا کی راہ لی۔

مرقد مطہر آپ کا بیرون حضرت دہلی۔ کلالی کے باغ کے پاس۔ پہاڑ گنج کے تھانہ میں ایک سنگی بارہ دری کے اندر موجود ہے۔ بلو شجاعت خاں نے تیار کرایا۔ سرہانے کی دیوار کے اوپر ایک پتھر میں یہ بیت کندہ ہے ؎

حسن رسول نما افتخار آل حسین   اویس قرنے ثانی و ثالث شیخین

اولاد

سید ہاشم۔ سید عبداللہ آپ کے صاحبزادے تھے۔

لکھا ہے کہ "سید ہاشم ہمت عالی داشت۔ در مواسات زمرۂ طلبا و فقرا بجان و دل می کوشید۔ قریب لکھ روپیہ کہ از میراث پدر عالیقدر تصرف او آمدہ بانضمام زر خطیر کہ از لاہور آوردہ بود بحوائج مستحقین صرف نمودہ در شاہجہان آباد وفات یافت۔ قبرش متصل قبر والد بزرگوار اوست"۔

اسیطرح حضرت سید عبداللہ کی نسبت منقول ہے کہ "عالم تیز طبع بود از اوائل روزگار بدرس و تدریس اشتغال داشت آخر کار شورش جنون بر مزاج او استیلا گرفت۔ حالش دگرگوں گردید۔ گاہے اقوال و افعال مستانہ و وقتی حرکات و سکنات ہوشیارانہ از عنصر سر میزد۔ صدرت حالش از سر معنوی خالی نبود"۔

آپ کی اس حالت کے بارہ میں خود بدولت یہ فرمایا کرتے تھے کہ "سید عبداللہ بہ آ

ف۵ مواسات سیم کی پوشش کے ساتھ یاری کرنا اور غمخواری کرنا منقول کے معنوں میں آیا ہے ۵۲ خطیر حقیر کے وزن پر بزرگ و عظیم

[illegible]

دفع ہجوم خلائق خود را دیوانہ وار نمودہ است ٭

اب وہ دو ایک حکایتیں۔ روایتیں بھی بیان کیجاتی ہیں کہ جو حضرت سید عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خوارق عادات و کرامات کے متعلق نقل کی گئی ہیں ٭

پہلی حکایت۔ سید حسن خاں و غیرت خاں نارنول کے فوجدار جو آپکے ساتھ رابطۂ عبدیت رکھتے تھے جب بادشاہ وقت کی جانب سے سانبھر کی مہم پر مامور کیے گئے تو آپنے اُن کی جانب مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم کو اس جنگ میں شہادت نصیب ہوگی صحیح و سلامت واپس آنا میسر نہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راجہ اجیت سنگھ راٹھور[۵۱] اور راجہ سوائی سنگھ کچھواہ وغیرہ سے جو وقت رستمانہ کارزار واقع ہوئی تو دونوں سرداروں نے شہادت کا مرتبہ پایا۔ جاں بر نہوئے ٭

دوسری حکایت۔ مرزا بابر بیگ و مرزا رستم بیگ دونوں بھائی بازار نارنول میں رستہ چل رہے تھے۔ جوں ہی آپ کی نظر پڑی فرمایا کہ اس راستے سے بچکر جانا چاہیئے۔ مگر ان دونوں بھائیوں نے آپکے ارشاد کو سرسری خیال کیا۔ اور اُسی موقع راہ گزر سے جو وقت آگے بڑھے تو قضا عند اللہ اثنا راہ میں ایک سخت خانہ جنگی کا واقعہ پیش آیا۔ اُسی واقعہ جنگ و جدال میں یہ دونوں بھائی نہایت زخمی ہوئے

شوال کے مہینہ میں ۲۹ تاریخ کو نارنول شریف ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ جسد مبارک ملا موسیٰ کی مسجد کے پاس رکھا گیا۔ روح پُر فتوح نے عالم بالا کو پرواز کی ٭

سید نعمت اللہ جو ایک بڑے مرد صالح تھے آپ کی اولاد میں آپکے یادگار ہیں۔ اور سید

---

[۵۱] ٹھاکروں کی قوم میں جہاں راجاوت نرنکہ بشیخاوت وغیرہ وغیرہ بہت سی مختلف رگوت اچلی آتی ہیں جیسے کنیت یعنی (لقب اسم لقب) سمجھنا چاہیئے وہ نہیں رگوت (کرنیت) میں اُن کے ہاں راٹھور کچھواہہ نامی بھی مشہور و معروف ٹھاکر ہوتے چلے آتے ہیں ۔ [۵۲] چونکہ اصل نسخہ رسالہ میں جسکا میں یہ ترجمہ کر رہا ہوں اس صفحہ پر سنہ وفات مندرج نہ تھا کسی ذریعہ سے مجکو ابتک تک مہینہ سال وصال معلوم ہوا۔ امید قائمی سے انتقال سے منقضی ہے

نعمت اللہ صاحب سے حضرت سید نور الزمان جو ایک پورے عالم فاضل کریم الاخلاق عمیم الاشفاق مانے گئے تھے یادگار رہکر عشق حقیقی میں چکناچور ہو آخر کار اس دار الفنا سے راہئے ملک بقا ہوئے۔ اور شاہجہان آباد دہلی ہی میں جناب سید حسن رسول نما رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار مبارک کے متصل آپکو رکھا گیا +

مریدین و معتقدین

آپکے مریدین و معتقدین کی کوئی پوری فہرست تو میرے پاس نہیں ہے۔ اُنکے کافی سوانحی حالات و واقعات ہی کا میرے پاس کوئی مجموعہ۔ البتہ جسقدر تتا۔ آمر شدین سے آپکے مخلصین و معتقدین کا شمار معلوم ہوا یا اُن کے حالات متعلقہ دریافت ہوئے اُن سب کو ذیل میں قلمبند کرتا ہوں +

(۱) **محمد فیاض**۔ آپکے داماد۔ جنہوں نے آپ ہی کی خدمت میں رہکر اپنے علوم ظاہریہ کی تحصیل کی۔ اور پھر پچاس برس تک آپ ہی کے فیض صحبت سے مالامال ہوکر تزکیۂ و تصفیۂ باطنی فرما آپ ہی کے روبرو ۱۱۰۳ھ میں رہگرائے عالم بالا ہوئے +

(۲) **میاں علیخاں**۔ آپکے معتقد قدیم مخلص صمیم۔ عالم باعمل صاحب مجاہدہ ننگے پیر ننگے سر پھرا کرتے تھے اور یہ مقولہ تھا کہ "دوزے نیست کہ چندے مرتبہ مشاہدہ جمال باکمال ذات شریف صلی اللہ علیہ وسلم میسر نے آید" ۱۱۰۹ھ ہجری میں وصال ہوا +

(۳) **غضنفر بیگ**۔ ان کے اعتقاد ابتدائی کی روداد یہ ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں ایک روز حضرت ان کے ہاں مدعو ہوئے۔ افطاری روزہ کے بعد شب باش رہنے پر۔ سونیکے وقت جب میزبان و مہمان دونوں کی آنکھ لگ گئی

تو صاحب خانہ کیا دیکھتے ہیں کہ میں عرش اعظم کے ایک اُس مقام پر موجود ہوں جہاں لعل زمرد کی دیوار کا قلعہ بنا ہوا ہے۔ اور اُس قلعہ کو حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا آرامگاہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں اُس قلعہ کے اندر گیا اور میں نے اُسمیں ایک ایوان مرتفع دیکھا جس میں ایک ایسا نور چمک رہا تھا کہ جسکے آگے آفتاب کی چمک کی بھی کیا حقیقت تھی۔ اِس ایوان مرتفع کی نسبت یہ ظاہر کیا گیا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا تخت ہے۔ پس جب میری آنکھ کھلی تو اس خواب کے اثر سے میں اسقدر متاثر ہوا کہ دنیائے دنی سے مجھے قطعی نفرت ہو گئی۔ اور میں یہ سمجھا کہ جو کچھ مجھے یہ عالم رؤیا میں نصیب ہوا حضرت کی ذات فائز البرکات کا نتیجہ ہے کہ معًا اس خیال کے ساتھ ہی مجھے آپ سے کمال عقیدت ہو گئی۔ اور جو کچھ میرا دنیوی مال و منال تھا اُس سب کو میں خیرباد کہہ حضرت سید کی بدولت تجلئے حق و رویت نبوی سے مالامال ہو گیا۔

(۴) **مرزا بیگ**۔ اِنکی بھی ابتدائی صورت اعتقادی کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت کے ہاں مجلس سماع قائم تھی۔ مرزا صاحب اپنے اعتقاد کے موافق حاضر ہوئے۔ سماع میں جگہ دیدی گئی۔ مطرب نے ترانہ شروع کیا۔ مرزا صاحب اُس سے متاثر ہو کر گریہ فرمانے لگے۔ حاضرین میں سے اُسوقت کسی نے یہ مصرعہ پڑھدیا ع

گریہ زخانۂ کند بر سر آتش کباب ۔ کہ معًا آپ اُٹھے اور اِس مصرعہ پڑھنے والے کے کان میں خدا جانے کیا فرمایا کہ آپکے فرماتے ہی اُسکی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا جاری ہونا تو درکنار اُسپر تو کچھ ایسی بنگئی کہ خاک پر لوٹنے لگا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سر سے پگڑی پھینک دی۔ پگڑی کو حضرت نے بغل میں لیلیا۔ اور مزاحًا فرمایا کہ "مرا ہمیں نفع شد کہ دستارے بدست آمد"۔

جب شام کی نماز کا وقت ہوا آپ اُسکی جانب مخاطب ہوئے۔ اور وضو کے لیے

ارشاد کیا۔ وضو کرتے ہی اُسکی یہ حالت جاتی رہی۔ پھر آپ اُسکی طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم ہی امامت پر کھڑے ہو۔ امامت کی نیت کرتے ہوئے وہ شخص کیا دیکھتا ہے کہ حضرت سرور کائنات فخر موجودات علیہ التحیات والتسلیمات تشریف فرما ہو کر امامت کیجانب متوجہ ہیں۔ جسوقت نماز ہو چکی تو آپنے دریافت فرمایا کہ کیا دیکھا۔ اس وقت اُس شخص کی اس عرض کرنے پر کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور آپ ہی نے امامت کی۔ مرزائے مذکور کا دریائے عقیدت امنڈ آیا۔ اور اُنکے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو کر صاحب حقائق معرفت ہوئے

(۵) **سلطان محمد کرنالی**۔ عالم۔ تارک۔ متوکل تھے۔ درس وہی شعار تھا۔ حالت گوا بھی کم ظاہر ہونے دیا کرتے تھے۔ لیکن ہر گاہ حالت وی را روئے میداد قدرے مبالغ بہ نیاز مے آورد۔ ووقت گزرانیدن چوں بپیر رسید ایں قدر گفتے کہ در شکرانہ میگزارم۔ بدیں سبب ظاہر میشد۔

نواحی مزار حضرت قطب الاولیا قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ میں آپکا مزار ہے۔

(۶) **شیخ لعل محمد**۔ خادم قدمگاہ۔ جہاں پناہ نے فقر و فاقہ اختیار کرکے نیز چودہ برس تک حضور حضرت میں حاضر باش رہکر خادم ظاہریہ و باطنیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ جسکی بدولت حالات عجیبہ۔ مکاشفات غریبہ۔ کیا تجلئے حضرت آنحی کیا رویت جناب نبوی صلواۃ اللہ علیہ کا ظہور ہو کر خادم کو مرتبہ مخدوم حاصل ہوا۔

(۷) **شیخ الہ یار**۔ متوطن بجواڑہ۔ حضرت میر ہی کے مدرسہ میں اول درس یاب علوم ہو کر پھر مجاہدہ۔ ریاضت۔ ذوق۔ شوق۔ شب بیداری۔ ذکر۔ شغل کی بدولت نعمائے ظاہری و باطنی سے کافی ووافی طور پر بہرہ مند ہوئے۔

میگفت کہ حضرت میر در ظاہر ارشاد کم میفرمود۔ مگر بتصور ذات شریف صلی اللہ

علیہ وسلم مع اشتغال کلمہ طیب تصدیق نمودن خود درآں حالت اشارہ می نمود مشغول بودم کہ بچہ طریق تصور ذات نبوی نمام ۔ وقت صبح در بیداری مستقبل بقبلہ در حجرہ نشستہ بودم ۔ فرمود اینک بر ذات شریف تصدق شو ۔ چوں نگاہ کردم از چہرہ مبارک ہر دو چشم مطہر مقدس با غایت حسن کمال مرئی گشت خود را تصدق می کردم واز ہماں روز ہماں حالت را طریقہ شغل خود ساختم ۔ مدت تک شیخ الدیار حضرت میر کی خدمت بابرکت میں حاضر رہے اور پھر وطن مالوف کی طرف مراجعت فرما ہوئے ۔

(۸) سید رحمت اللہ سامانی ۔ آدمی مرتاض ۔ خوش خلق ۔ متوکل تھے ۔ صفائی باطن کا مرتبہ حاصل تھا ۔ مدتوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہے ۔ واقعات نومیہ ۔ حالات شوقیہ اپنے بارہا بیان کیا کرتے تھے ۔

(۹ و ۱۰) میاں امان اللہ و میاں شریف اللہ ۔ دونوں برادر حقیقی شیخ زادہائے کوت کروڑی سے تھے ۔ رویائے حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان بزرگواروں کو میسر ہو جاتا تھا ۔

(۱۱) شیخ بایزید حسن پوری ۔ مدت تک حضرت میر کی خدمت میں رہکر علوم ظاہری و باطنیہ کی تحصیل و تکمیل فرماتے رہے ۔

(۱۲) شیخ عبدالواحد تیر انداز ۔ صاحب مجاہدہ و ریاضت تھے ۔

(۱۳) سید نورالدین ۔ مجرد متوکل ۔ درویش تھے ۔ تجلیات و مکاشفات کا باب اُن پر کھلا ہوا

(۱۴) شاہ میر ۔ حضرت سید نورالدین کے برادر خورد ۔ سپاہیانہ وضع میں صفات درویشی سے موصوف رہکر کبھی کبھی اپنے فیوضات نومیہ کی نقل کیا کرتے تھے ۔

(۱۵) **سید مراد کنبھلی** - اطراف بارہ کے سید غریب جا ایک مشہور رنگ صاحب کمال گزرے ہیں ان کے یہ فرزندوں میں سے ہیں حضرت میر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انکو نہایت اخلاص تھا حضرت میر بھی ان کے ساتھ پوری محبت مرعی رکھتے تھے ۔

(۱۶) **محمد سعید** - درویش صاحب فیوضات تھے ۔

(۱۷) **محمد رضا میرٹھی** - اعیان میرٹھ سے تھے - تائب فقیر ہو کر تحصیل و تکمیل علوم ظاہریہ و باطنیہ میں مصروف رہے ۔

(۱۸) **شاہ محمد افغان** نے آپ ہی کے مدرسہ میں تحصیل علم کر کے بجارہ میں درس تدریس کا شغلہ جاری کیا ۔

(۱۹) **عمر خاں** - بھی اسی اطراف میں ریاضت و تدریس کرتے رہے ۔

(۲۰) **محمد رضا** - فقیر - مرتاض - مدرس - متوکل تھے ۔

(۲۱) **شیخ ابراہیم کرنالی** - صاحب ذوق و شوق و ریاضات شاقہ تھے واقعات عجیبہ و حالات غریبہ کا ان سے اکثر ظہور ہوتا رہتا تھا ۔

(۲۲) **پیر محمد** - متوطن میرٹھ - ان کی پیشانی سے آثار شوقیہ ٹپکا کرتے تھے - سید شاہ محمد انہیں کے مستفیدان میں سے ہیں اور قبر سید شاہ محمد کے جوار روضہ متبرکہ حضرت قطب الاقطاب کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود ہے ۔

(۲۳) **جان محمد میرٹھی** - قوم کے کلال حضرت میر کی خدمت میں آتے ہی ایک ہی کلمہ کے اثر سے اسقدر متاثر ہوئے کہ فوراً اسارا مجذوبس تلا ہی پھینک پھانک لباس درویشی اختیار کر لیا - فقیر ہو بیٹھے ۔

(۲۴) **سید عبد الرحمن** - مدت تک حضرت میر کی خدمت میں رہے - اکثر اپنے نکات و حالات رویا کا بیان کیا کرتے تھے ۔

(۲۵) جانی فقیر۔ سخاوت و اتفاق پیشہ تھے۔ رؤیا سے نومیہ کا بار ان سے اظہار ہوا کرتا تھا۔

(۲۶) رستم علی درویش نے مدت تک حضرت سے رابطہ ارادت رکھا۔ اسی لئے بعض تصرفات حضرت کے اثر سے یہ بھنگ ہی کا حقہ موثر ہوتے رہتے تھے۔

(۲۷) خواجہ سلطان۔ سلطان کابل نے حضرت سے تعلیم و تلقین پائی۔ ایک برس تین مہینہ میں میزان سے تلویح و شرح مواقف تک تحصیل کر خدمت بابرکت سے رخصت ہو۔ تدریس شروع کی۔

ان کے عجز۔ انکسار۔ تواضع۔ حلم۔ برداشت۔ خدمات پیر کی کیفیتیں کچھ نہ پوچھئے معمولی عمل تھا کہ رات کو گدایانہ پہرتے اور جو کچھ مانگ مونگ کر لاتے وہ حضرت پیر کے روبرو پیش کرتے۔ ایک روز شب کو سوال کرتے ہوئے آپکو چور خیال کیا گیا۔ اور اسی بنا پر آپکو لکڑیوں سے مارا گیا۔ باوجودیکہ آپ مجروح و مضروب ہوئے لیکن ضارب سے آپنے کوئی تعرض نہ کیا۔ جب ضارب متنبہ ہوا اور اس کو آپ کی اصلیت و حقیقت دریافت ہوئی تو اسکی معذرت خواہی پر حضرت خواجہ سلطان خود ہی عذر خواہ ہوئے کہ تجھے میرے زدوضرب سے تکلیف ہوئی۔ لہذا میں ہی معافی چاہتا ہوں۔

(۲۸) محمد سعید ثانی۔ اعیان شہر دہلی سے ایک جوان۔ نو عمر۔ مشہور سخاوت و مروت پیشہ تھے۔

(۲۹) میر ہاشم سرہندی۔ حضرت سے بہت ہی اخلاص اعتقاد رکھنے والے بزرگ تھے۔ فواتح العرفان۔ نور لعوی و دیگر رسائل انہوں نے جناب میر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و ... میں تصنیف و تالیف فرمائے۔

سلہ یہ میر ہاشم وہی میر ہاشم ہیں جن کا اس سے پہلے نوٹ وغیرہ میں تذکرہ ہو چکا ہے۔

(۴۰) **سید قطب** ۔ ناپوڑہی[۵۱]۔ بچپن ہی سے آپ حضرت میر کی خدمت بابرکت میں رہکر میاں علیخاں[۵۲] سے تحصیل علوم کرتے رہے اور بعد فراغ وطن مالوف میں پہنچکر درس و تدریس فرمانے لگے۔ ستّی[۵۳] کس طلبہ کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔

(۴۱) (۴۲) **محمد علی و محمد شریف** ۔ ان دونوں صاحبوں کو بادشاہ قلیجخاں نے حضرت میر شیخ نصیر الدین کی اداے خدمات کے لیے مقرر کیا تھا۔

(۴۳) **سعادت بانو** ۔ عورتے با توفیق بود بلبخ کشیرہ براہ خدا صرف نمودہ قوت خود را از اجورہ طحن گندم میکرد۔

(۴۴) **ابراہیم خاں** ۔ میاں جمال خاں کے برادر حقیقی آپکے مخلصین خاص سے ایک مرد عالم۔ مدرس تارک الدنیا۔ خادم خلائق تھے۔ رات دن طلبا، بیوہ و محتاجاں کی خدمت گزاری میں انکو وہ مصروفیت و دلچسپی تھی کہ اپنے متعلقین کے انتظام خوراک و پوشاک کا بھی چنداں خیال نہ تھا۔

اسیطرح شب و روز بیماروں کی تیمارداریوں مسکینوں کی پرورشوں میں وہ انہماک تھا کہ قابل بیان نہیں۔

چنانچہ ذکر ہے کہ ایک دن حضرت موضع باڑی سے پانچ چھ من غلہ کا انبار اٹھا کر طالب علموں کے لیے مدرسہ میں لائے۔ گرانباری کے صدمہ سے تپ ہوگیا۔ جب مرض کی شدت ہوئی تو فرمانے لگے " الحمد للہ دو کار یکمر ہمت خود بستہ بودم ہمہ کار حیات مستعار بسر شد۔"

یہی ہوا کہ مرض کے شدائد سے جانبر نہ ہوئے اور آٹھ ربیع الاول کی تاریخ[۵۴]

[۵۱] ناپوڑہی ضلع میرٹھ ہے جہاں حضرت میر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا ایک قلمی ذخیرہ موجود ہے جسکا ذکر اس سے پہلے کیف نوٹ میں کیا گیا ہے۔ [۵۲] یہ میاں ملخا لکنا یہی میاں علی خاں صاحب ہیں جن کا تذکرہ اس سے پیشتر مخلصین میں ہو چکا ہے۔ [۵۳] اصل مقام میں وصال کا سال نہ تھا اسلیے سنہ وفات لکھنے سے معذور رہا۔

کو وفات پائی - حضرت میر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے پاس اِن کا بھی مزار بنا[1]

(۳۵۱) **جمال خاں** - حضرت ابراہیم خاں موصوف الصدر کے حقیقی بھائی - استادِ مدرسہ بودہ - اکثر مردم از و تحصیل علم صاحب فیوض شدند ◆

۳۵۲ **سعید خاں** - جناب ابراہیم خاں کے فرزند ارجمند - سخاوت و کرم میں معروف خلق کریم و فیض عمیم میں مشہور - ظاہری استفاضہ پدر بزرگوار سے کیا - نسبت باطنی روحانیت حضرت میر رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی ◆

ان کی تاریخ وفات دسویں جمادی الثانی ہے - قبر مابین روضہ حضرت میر رحمۃ اللہ علیہ موجود و محفوظ ◆

محمد عمر فصیح از الور

حضرت سید حسن رسول نما رح کے اتنے مختصر سے حال کے ساتھ ان کے مریدوں معتقدوں وغیرہ کی اتنی لمبی چوڑی فہرست ذرا غیر موزوں سی معلوم ہوتی ہے - اگر کم از کم ۲۵ - ۲۰ صفحوں میں بھی ان کے خاص کے حالات ہوتے تو یہ تفصیل بھلی لگتی - لیکن افسوس ہے کہ حضرت کے حالات ایسی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ان کا ملنا تاہی غنیمت معلوم ہوتا ہے - مولانا فصیح صاحب نے بڑی تلاش اور جستجو کے ساتھ انھیں مرتب کیا ہے - ایسی حالت میں حضرت کے متعلقین کے حالات بھی فائدے سے خالی نہیں - ان میں بھی ایک ایک بزرگ اس قابل ہے کہ اس کے نام کو تبرک بنا کر رکھا جائے ◆

(خاکسار واحدی)

---

[1] تھی پر جن ترتیب نامدار ◆ بفضلت قرب اوں رحمت بید ◆ ۱۲ سنہ ۹۵۴ اصل مقام پر ان کا بھی سال وفات نہ تھا لہذا میں نقل نہ کرسکا ◆

عالمگیرؒ کی باطنی ولایت

یہ لطف نہ دو رنگی ہو کہ ہر فرقہ میں داخل ہوں کوئی جو ان کے خبر شامل ہوں کوئی دن نہیں شامل ہوں
کبھی میری سودائی سے کبھی افتادگی میری کبھی دریا آپ دریا ہوں کبھی خاک ساحل ہوں

اہل سنت والجماعت کے نزدیک دنیا میں سوائے حضرات انبیاء علیہ السلام کے کوئی بشر معصوم نہیں آیا۔ امت کے سرتاج مسلمانوں کے ہادی اسلام کے پشت پناہ حضرات صحابہ رض کی لائف کے اگر پہلے حصہ کو پڑھیے گا تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کو دین ایمان سے کچھ سروکار نہیں۔ مگر جس وقت آپ یہ پڑھیں گے کہ ان حضرات نے دائرہ اسلام میں قدم رکھا تو اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ انہیں کی شان ہے۔ قرآن انکی مدح و ثنا سے لبریز ہے۔ رسول کے یار غار یہی ہے۔ دین کے انصار یہی ہیں۔ مذہب کے ارکان یہی ہیں۔ شرع کی جان یہی ہیں۔ انکے بعد تابعین و تبع تابعین۔ اور حضرات اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی اسی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ اوائل میں رہزنی کرتے تھے مگر تائب ہوکر خواجگان چشت کے سردار بن گئے۔ حضرت احمد جام قدس سرہ کے باپ اور وہ آپ مے فروشی کرتے تھے۔ مگر جب آپ خدا کی طرف مائل ہوئے تو قطبیت کے درجہ کو پہنچ گئے۔ شیخ الاسلام کہلائے۔ ایک لاکھ اسی ہزار گنہگاروں نے آپکے ہاتھ پر توبہ کی۔ رباعی

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اسی طور سے حضرت اورنگ زیب محی الدین عالمگیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدا

میں بڑی بڑی فاش غلطیاں ہوئیں باپ کو قید کر دیا بھائی کو مروا دیا۔ یہ تھوڑی
بات نہیں ہے جو سنتا ہے تڑپ اٹھتا ہے اور کانوں پر ہاتھ دھرتا ہے۔ مگر
وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ عالمگیر کا انجام بہت خوب ہوا۔ بڑا سبب ہوا جس
اس نے ملک ظاہر کو فتح کیا۔ اور اسکے بعد اس نے ملک باطن کی فتح کی۔ اس نے
بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کیں۔ محنت کر کے سلوک طے کیا اور وہ ایک صوفی
کامل۔ وہ ایک صوفی صافی اور وہ ایک باخدا درویش اور ایک صاحب کرامت
فقیر بن گیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابھی وہ پورا جوان نہ ہوا تھا جو فقہ اور
حدیث کے انوار و برکات سے استادوں نے اسکے سینہ کو معمور کر دیا۔ اور اسکے
دل میں اسلام کی عظمت اور ہیبت سما گئی۔ محرمات اور ناشرع کاموں سے
نفرت احتراز ہونے لگا۔ بدعت کے نام سے اسے نفرت ہو گئی۔ خلاف شرع
فقیر اور غالی صوفی بال بڑھا نیوالے درویشوں کی صورت سے جلنے لگا۔ حضرات
نقشبندیہ کی طرف سے اس نے باوا دادا کو متنفر پایا۔ مگر اس جوہر شناس خدا پرست
کو یہ طریقہ دل سے پسند آیا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مشرب
سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور اسکے دل میں آپکے سلسلہ کی عقیدت راسخ ہو گئی
اسی ضمن میں اسے دارا شکوہ سے مقابلہ کی ضرورت آ پڑی۔ خود بھی سپاہی
تھا اور سپاہ بھی جرار لیکر چلا تھا۔ مگر دارا شکوہ اور اسکی ٹڈی دل فوج کی ہیبت
اسکے دل پر چھائی ہوئی تھی خواب و خور اسپر حرام ہو گیا تھا اور وہ رات دن بیقرار
رہتا تھا اتفاقاً ایک رات وہ یلغار کر کے ایک صحرائے لق و دق میں مقیم ہوا تھا چاروں
طرف فوج پڑی ہوئی تھی اور بیچ میں اسکی بارگاہ نصب تھی۔ شب کی تاریکی غلاف
کعبہ سے زیادہ سیاہ تھی اور ستارے عارفوں کے دل کی طرح روشن ہو رہے تھے
اورنگ زیب مسند پر لیٹا ہوا جنگ و جدل کے منصوبے دل میں قائم کر رہا تھا جو

ایک جاسوس خیمہ میں آیا اور آداب بجالایا۔
اورنگ زیب۔ "کہو کیا خبر لائے"
جاسوس۔ "جہاں پناہ! یہاں سے تین کوس پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اس قصبہ کی سرا میں ایک بزرگ اپنے قافلہ سمیت فروکش ہیں۔ سُنا ہے سرہند شریف سے آئے ہیں۔ اور حج کو جاتے ہیں۔ زیارت سے میں بھی مشرف ہوا۔ آدمی کیا ہیں فرشتہ ہیں۔ صورت دیکھنے سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے"
یہ کلام سنکر عالمگیر اچھل پڑا۔ اور اُس کا اُداس چہرہ گلاب کے پھول کی طرح خوشی سے سرخ ہو گیا۔ اُسیوقت ایک سیاہ ختتان اور چھ گھوڑے پر سوار ہوا اور جاسوس کو ساتھ لے قصبہ کو چلدیا۔ سرا میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ بزرگوار حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی کے فرزند دلبند عارف حق آگاہ باقی باللہ عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم صاحب ہیں۔ عالمگیر جاکر قدمبوس ہوا۔ اور بارہ ہزار روپیہ کی اشرفیاں نذر کیں۔ منہ سے کچھ کہا نہ گیا۔ مگر آنسوؤں کے تارنے خبر دی کہ دل بہت مغموم اور اُداس ہے۔ خواجہ بزرگوار نے اپنا دست مبارک اورنگ زیب کے سر پر رکھکر فرمایا گھبراؤ نہیں۔ فتح اور نصرت اور ہندوستان کی سلطنت تمہارے نام لکھی گئی۔ مگر اسلام کے ہر حال میں مددگار اور شریعت کے یار رہنا۔
اورنگ زیب۔ "جبتک یہ جان ناتوان باقی رہے گی۔ دین کی پوری پوری خدمت گزاری کروں گا"
حضرت عروۃ الوثقیٰ۔ "تو بسم اللہ تشریف لیجائیے اور دہلی کے بادشاہ جلدتر بن جائیے"
اورنگ زیب۔ "آداب بجالاکر۔ ایک عرض اور بھی ہے"
حضرت عروۃ الوثقیٰ۔ "وہ کیا"

اورنگ زیب: جب یہ آپکا غلام اپنی مراد کو پہنچ جائے تو حضور بھی دارالخلافہ میں تشریف لاکر سرفراز فرمائیں ''

حضرت عروۃ الوثقیٰ: انشاء اللہ تعالیٰ ''

عالمگیر حضرت سے وعدہ لیکر رخصت ہوا اب اُسکا دل و ہاتھ کا تھا اور اُسے یقین کامل ہو گیا تھا کہ میں حضور کی دعا سے کامیاب اور مظفر و منصور ہوں گا۔ چنانچہ شاہ جہاں اور دارا شکوہ کی ایک نہ چلی۔ اور حضرت کی پیشین گوئی کی بموجب عالمگیر تخت طاؤسی پر بیٹھکر ہندوستان کا فرمانروا اور امیر بن گیا۔ دہلی سے سرہند شریف تک ڈاک بٹھادی۔ اور حضرت عروۃ الوثقیٰ صاحب اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہم کے اور صاحبزادوں کے پاس بھاری بھاری نذرانہ اور آرزو و اشتیاق سے لبریز نیاز نامے پہنچنے لگے۔ خواجہ محمد یحییٰ صاحب کو جو حضرت مجدد صاحبؒ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے اتنے گاؤں جاگیر میں دیئے کہ سرہند میں یہ مثل بن گئی۔ وَالْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْمُلْکُ لِیَحْیٰی۔ عالمگیر کی بہن گوہر آرا بیگم ہنسکر کہا کرتی تھی کہ بھائی جان نے بارہ ہزار روپیہ میں ہندوستان کی سلطنت خواجہ بزرگوار سے مول لی ہے۔ عالمگیر کے بار بار لکھنے پر کہ۔ شاہاں چہ عجب بنوازند گدا را۔ آپنے ایفائے وعدہ فرمایا اور دہلی تشریف لائے۔ اور عالمگیر نے آپکے سلسلہ عالیہ میں ارادت حاصل کی۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ صاحبؒ کے کمالات باطنی کا کیا ذکر کیا جائے۔ دوسرے مجدد تھے۔ نو لاکھ آپکے مرید اور سات ہزار صاحب ارشاد خلیفہ تھے۔ آپکی توجہ سے ایک ہفتہ میں مرید کو مقام فنا و بقا حاصل ہو جاتا تھا اور ایک مہینہ میں کمالات ولایت کو پہنچا دیتے تھے۔

اورنگ زیب نے عرصہ دراز تک آپکے فیضان صحبت کو حاصل کیا اور مبتدیوں حلقہ میں شریک ہو کر اور توجہ لیکر دلکو آئینہ بنایا۔ جب اُسکی آنکھیں کھل گئیں تو حضرت

کا رتبہ اُسے نظر آنے لگا۔ اور اُسکی یہ حالت ہو گئی کہ حسرت کی محفل میں جہاں جگر جلتی ادنے آدمیوں کی طرح ہو بیٹھتا۔ اور جو کچھ سنا سُنا ہوتا ادب سے مارے زبانی عرض نہ کرتا بلکہ لکھ کر پیش کرتا۔ اب خیال کر لیجئے کہ جو شیخ ایک ہفتہ میں مرتبہ فنا و بقا کو پہنچا دیتا ہو وہ ایک مہینہ میں ولایت کے خلعت سے سرفراز فرما دیتا ہو عالمگیر کو اُسنے بے بہرہ چھوڑ دیا ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ عالمگیر کو آپنے بالیقین کامل مکمل بنا دیا تھا۔ اور اسکا سینہ انوار حقیقت سے لبریز کر دیا تھا۔ جب حضرت عروۃ الوثقیٰ سرہند تشریف لیگئے تو عالمگیر نے آپکے برادر کلاں **خواجہ محمد شریف المعروف بہ خازن** رحمۃ اللہ علیہ کو سرہند سے بلایا۔ اور باطنی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت خازن رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں سخت علیل ہو گئے۔ عالمگیر نے آپ کی بڑی خدمت کی اور شاہی حکماء علاج کرتے رہے مگر آپ تندرست نہوئے اور سرہند کو تشریف لیچلے۔ سنیا کہ کے مقام پر ۲ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۰۸۰ ہجری میں آپنے رحلت فرمائی۔ اور نعش پاک پینس میں سرہند شریف پہنچائی گئی۔ اب چونکہ عالمگیر کامل فقیر ہو گیا تھا اور اسکے دل میں تجلیات ہر وقت اپنا جلوہ دکھاتی رہتی تھیں۔ اُسکا ذوق شوق حد سے بیحد ہو گیا تھا۔ اسلئے اُسنے حضرت عروۃ الوثقیٰ کو لکھا کہ میری پیاس تو ابھی بجھی نہیں۔ اور ظاہری کاروبار سے اتنی فرصت نہیں کہ سرہند آؤں اور دریائے کمال سے سیرابی حاصل کروں اسلئے امیدوار ہوں کہ صاحبزادہ والاجاہ **خواجہ سیف الدین** کو دہلی بھیجا جائے تاکہ وہ اپنے جام کرامت سے مجھ تشنہ جگر کا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ نے عالمگیر کی لجاجت اور عقیدت کے لحاظ سے صاحبزادہ موصوف کو دہلی روانہ فرمایا۔ عالمگیر نے بڑی دھوم دھام سے آپ کا استقبال کیا اور لال قلعہ میں ٹھیرانیکے واسطے آپ کو لیچلا۔ صاحبزادہ صاحب جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے

تو آپ نے دیکھا پھاٹک کے دونوں طرف سنگ سرخ کے دو ہاتھی کھڑے ہیں جن پر فیلبان بھی بیٹھے ہیں صاحبزادہ نے فرمایا۔ جہاں مورت ہوتی ہے وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ میں اس قلعہ میں جانا نہیں چاہتا۔ سواری روکو۔ عالمگیر نے فوراً ہاتھی تڑوا کر پھنکوا دیئے اور آپ قلعہ میں تشریف لے گئے۔ صاحبزادہ کے ہاتھ پر عالمگیر کی تمام بیگمات اور ساری اولاد مرید ہو گئی۔ اور خود اُس نے بھی تجدید بیعت کی۔ [illegible] ہے کہ جب شاہزادہ صاحب مراقبہ فرماتے تو ہزاروں آدمی حلقہ میں شریک ہوتے۔ اور شاہزادوں کو جوتیوں پر بیٹھنا نصیب نہ ہوتا۔ ایک دن عالمگیر کا لڑکا شاہزادہ معظم۔ جو صاحبزادہ معصوم کا مرید تھا آپ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ تو کسی شخص نے اسے ایسا دھکا دیا کہ اسکی جواہر دار دستار دس قدم پر جا کر پڑی۔ مگر اس نے خیال بھی نہ کیا۔ اور ادب کے ساتھ حلقہ میں شامل ہو گیا۔ عالمگیر نے جب صاحبزادہ صاحب کے کمالات اور مقامات باطنی کو معلوم کیا تو آپ کے پدر بزرگوار حضرت عروۃ الوثقیٰ کو آپ کی تعریف اور آپ کی تشریف آوری کے شکریہ میں ایک خط لکھا جسکے جواب میں حضرت عروۃ الوثقیٰ صاحب نے بادشاہ کو یہ تحریر فرمایا۔

"الحمد للہ والمنۃ کہ فقیر زادہ منظور نظر و قبول گشتہ واثر صحبت بحصول انجامیدہ و از امر معروف نہی منکر کہ شیوہ فقیر زادہ است اظہار شکر ورضامندی نمودہ وشکر خداوندے جل شانہ بجا آوردہ وسبب ازدیاد دعاگوئی نمودہ آمد چہ نعمتی است کہ باایں طمطراق بادشاہی ودبدبہ سلطانی حکم حق بسمع قبول افتد و گفتہ نامرادی مؤثر شود فقط"

صاحبزادہ کے اثر صحبت اور توجہات نے عالمگیر کے باطن کے ساتھ کیمیا کا اثر دکھایا اور آپ اُسکی کیفیات قلبی کو دیکھکر از بس محظوظ ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار کو اس کی اطلاع کی اور حضرت عروۃ الوثقیٰ نے اسکا جواب دہلی میں یہ بھیجا۔

"چنانچه [illegible] مرقوم نموده بودند [illegible] روز لطف
[illegible] طلب همه
[illegible] سلاطین این نوع
امور [illegible]
[illegible]

اس کے جواب میں حضرت عروۃ الوثقیٰ اپنے نور العین خواجہ سیف الدین کو تحریر فرماتے ہیں۔

"حمد و صلوٰۃ و ارسال تحیات مکتوب مرغوب رسید خوش وقت ساخت۔ انچہ از احوال بادشاہ دین پناہ مرقوم نموده بودند وضوح انجامید۔ در طبقۂ سلاطین این نوع امور از غرائب روزگار است اللّٰهم زِد۔" (جلد ثالث مکتوب صد و چہل و دوم)

اس سے زیادہ ثبوت حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات باطنی کا کیا ہوگا کہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور خود ان کے مشائخ اُن کے مقامات و مکاشفات کو حیرت و تعجب کی نظر سے ملاحظہ فرماتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی چند خرق عادات و کرامات کا بھی کچھ تذکرہ کریں گے۔

ناصر نذیر فراق دہلوی

رباعی

اندیشۂ جرمم چو بخاطر گذرد — از آتش سینہ آبم از سر گذرد
لیکن شرط است بندہ چون توبہ کند — مخدوم بلطف خویش از سر گذرد

(عمر خیام)

دائمی زندگی

(مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا)

یہ مضمون ہمارے کرم دوست مولانا حافظ احمد سعید صاحب نائب امام زینت المساجد دہلی کا خطبہ ہے۔ حافظ صاحب ایک جوان صالح اور علم دوست شخص ہیں۔ آپ کی تقریر بڑی اثردار ہوتی ہیں حلقہ اور پنجاب کی دیگر انجمنوں کے جلسوں میں اکثر اپنی فصیح البیانی سے لوگوں کو محظوظ کرتے رہتے ہیں تحریر میں بھی وہی رنگ ہے۔ ہم بڑی خوشی اور شکریہ کے ساتھ آپکا اس مضمون کو درج کرتے ہیں +

آجکل جسے دیکھو زیست کا شیدائی اور دلدادہ نظر آتا ہے زندگی کا پھل کچھ ایسا شیریں ہے کہ ہر ایک شخص اسکی محبت میں فرہاد کی مانند جفاکش بنا ہوا ہے۔ دنیاوی زیست سے کبھی سیری حاصل نہیں ہوتی۔ خواہ زمانے میں کسی کی عمر نوح علیہ السلام جیسی دراز کیوں نہو لیکن پھر بھی چلتے وقت اس کے منہ سے یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ہی نکلتا ہے۔ اس عالم کا وہ نشہ لہو ہے کہ آدمی کا کبھی دل ہی نہیں بھرتا۔ یہاں کی زندگی پر ہر شخص دنیا کی نعمتوں سے کچا ہے کتنی ہی تکلیف کیوں نہو۔ لیکن پھر بھی موت کے مقابلہ میں وہ راحت ہی خیال کرتا ہے +

ہمیں بسا اوقات پیر و جوان کی عیادت کا اتفاق ہوا ہے۔ لیکن ہر ایک بیمار کو صحت ہی کا متمنی پایا۔ ہر ایک بیمار نے (خواہ وہ کسی سن و سال کا کیوں نہو) دعائے صحت ہی کی فرمایش کی جسے دیکھا موت سے غافل پایا +

اسمیں شک نہیں کہ یہ دنیا فانی۔ اسکی ہر چیز آنی جانی۔ اور یہ کیوں نہو جب عالم

خود فانی ہے۔ اِسکے تغیرات خود اِسکے فنا پر شاہد ہیں تو یہ امر لازمی ہے کہ اِسکے سامان بھی ضرور سب فنا ہونے والے ہیں۔ ہکو صد ہا تجربے اور ہزار ہا مشاہدے رات دن یہ سبق دے رہے ہیں کہ یہ عالم جائے دلچسپی نہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم سطح غفلت کی میٹھی نیند سو رہے ہیں ؞

(۱) اموات طفلاں پر ہمیں اسلیئے توجہ نہیں کہ ہم اب اُس حد سے نکل گئے کوئی بچہ مرجاتا ہے تو ہم اپنی ناقص رائے میں اُسکے والدین کو بے احتیاطی کا جرم لگا کر الزام دیا کرتے ہیں ؞

(۲) اموات شیخاں سے اسلیئے بے توجہی ہے کہ جانتے ہیں جب بڈھے ہونگے دیکھا جائیگا مرنے کا وقت آئیگا تو مر بھی جائیں گے ؞

اور ہائے ہم نہیں جانتے کہ مرنے کا وقت کوئی معمولی بیاہ شادی کا سا وقت نہیں انسان شادی وغیرہ کا سامان بھی برسوں پہلے سے کیا کرتے ہیں ؞

لیکن افسوس۔ مرنا جو ضروری اور لازمی امر ہے۔ بدبخت انسان اُس سے کیسا غافل ہے

(۳) البتہ ہمیں جوانان وطن کی موت پر کچھ خفیف سا خیال ہوتا ہے اور اُسکی چند وجہ ہیں (۱) یا تو وہ اپنا دوست ہوتا ہے اور اس اعتبار سے اُسکی جدائی گونہ شاق ہوتی ہے (۲) یا اُسکا ہم محلہ ہونا باعث محبت ہوتا ہے اس وجہ سے اُسکے مرنے پر قدرتی خیال ہوا کرتا ہے۔ (۳) یا کم انکم وہ اپنا ہم عمر ہوتا ہے اور یہ بات زیادہ توجہ دلانے والی ہوتی ہے کیونکہ اُسکی موت ہمیں ایک قسم کا سبق دیتی ہے کہ دیکھ اے غافل! جوانی میں بھی موت کا مزہ چکھنا پڑتا ہے۔ یہ بچوں اور بڈھوں ہی کا حصہ نہیں فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالی سے ایک دن لوگوں نے عرض کیا کہ حضور آپکا وعظ سُننے کو جی چاہتا ہے۔ آپ باصرار تمام ممبر پر تشریف لیگئے اور فرمایا۔

اے میرے پیارے لڑکو! بچو! تم ابھی کم سن ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم ابھی جوان ہونگے

پھر بڑھاپے میں رہینگے سفید بال آئینگے کمر ٹیڑھی ہوگی۔ جب جاکر کہیں موت آئیگی لیکن صاحبزادو! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اکثر چھوٹی چھوٹی کونپلیں جو ابھی کسی بہار کی منتظر ہیں سردی کی انتہا ہی میں انہیں چڑیاں چُگ لیتی ہیں۔ معمولی سی دھوپ انہیں تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ پس اے بچو! تم اس مشاہدہ سے کیوں نہیں سبق حاصل کرتے۔ پھر فرمایا۔

اے جوانو! تم کو بھی اپنے بوڑھے ہونے کا گمان ہو۔ لیکن یاد رکھو۔ اکثر ہری بھری لہلہاتی کھیتیاں ژالہ باری سے تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ بسا اوقات گرم ہوا سے اُن پر مردنی چھا جاتی ہے۔ تمازت آفتاب کی بدولت جل بھن جاتی ہیں۔ پس اے نوجوانو! تمہاری عبرت کے لیے یہ نظارہ کچھ کم نہیں۔ پھر فرمایا۔

اے بوڑھوں کی جماعت! تم کو کونسی چیز نے غافل بنا رکھا ہے۔ تم تو پختہ کھیتی کے مانند ہو۔ کیا تم کو خبر نہیں کہ جب کھیت پک کر تیار ہو جاتا ہے تو درانتی سے کاٹ لیتے ہیں۔ تم پکے ہوئے کھیت ہو تمہیں لازم ہے کہ ہر وقت موت کے منتظر رہو۔ یہ فرما کر فضیل رحمہ اللہ ممبر سے اُتر آئے۔

بہرحال یہ باتیں ہیں جو جوانانِ وطن کی موت پر توجہ دلاتی ہیں۔ لیکن چند یوم کے بعد ہی ہماری حالت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جس دوست نے اپنی جان پر کھیل کر ہمیں ایک سبق دیا تھا۔ ہائے ہم نے اُس سبق کو سوم ہی تک یاد رکھ کر بھلا دیا۔ دنیائے ملعونہ کا دام مکر کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ سوائے بندگانِ مخلصین کے اس جال سے بچنا محال ہے۔ البتہ وہی لوگ جو خدا کے برگزیدہ ہیں جو حقیقت سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس زیست کا انجام موت ہے۔

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے ۔۔ زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

وہ دنیا کی خوبی اور رنگینی پر مائل نہیں ہوتے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ دُلہن جو

آہستہ آہستہ نظر آتی ہے۔ صد سالہ ضعیفہ سے بھی بدتر ہے۔ وہ ظاہری رنگ روغن پر توجہ
نہیں کرتے۔ وہ دنیا کو سرائے اور اپنے کو مسافر خیال کرتے ہیں پھر جو شخص سفر کی حالت
میں کسی سرائے کو اپنا وطن سمجھکر بود و باش اختیار کرتا ہے وہ سخت غلطی میں ہے۔ ایک
دن اُسے بڑا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اور دنیا کی مثال ایک مسافر سوا
ر کی ہے جو ایک درخت کے نیچے گری اور دوپہر کے باعث آرام لینے کے لیے ٹھیر گیا ہے
حقیقت میں دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں۔ یہاں سے تمام قافلہ کو ایک دن کوچ کرنیوالا ہے
سب سے اچھا وہ مسافر ہے جو ندائے رحیل سے پیشتر اسباب باندھے ہوئے تیار
رہتا ہے۔ خدا کے عاشق موت کو منزل مقصود سمجھتے ہیں۔ دنیا کی زندگی اُن کے خیال
میں ایک خواب ہے۔ وہ یہاں کے عیش و آرام کو پسند نہیں کرتے۔ یہاں کا عیش و
آرام کیسا بلکہ اُن کا تو یہ قول ہے۔

لو کانت الجنۃ نصیب العاشقین بدون جمالہ فواویلاہ + ولو کانت السقر نصیب المشتاقین مع لقاہ فواشوقاہ

اُنہیں خواہ کیسی تکلیف ہو اُنپر کیسی ہی مصیبت پڑے۔ لیکن وہ ہر حال میں رضا بالقضا
رہتے ہیں۔ وہ اپنے اور خدا کے درمیان زیست کو ایک حجاب سمجھتے ہیں۔ وہ ہر وقت
موت کے منتظر رہا کرتے ہیں۔ ہمارے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام (فداہ امی و
ابی) فرماتے ہیں کہ موت ایک پل ہے۔ خدا اور عاشق کے درمیان۔ عاشق اُس
پل کو طے کرتے ہی خدا سے ملجاتا ہے۔ ہر ایک مومن جو خدا کا سچا عاشق ہے اُس کے
لیے دنیا ایک تنگ و تاریک قید خانہ ہے۔ وہ موت کو زندگی سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ عالم
آخرت ایک حقیقی عالم ہے وہاں کی دائمی زندگی ہے۔ آخرت کی زیست جو عاشقوں کا
حصہ ہے اسپر دنیا کی تمام نعمتیں نثار کردینے کے لایق ہیں۔ اگر یہاں کسی کی ہزار سال عمر بھی ہو
تو پھر ایک دن موت کا سامنا ضرور ہے۔ خواہ دنیا کے تمام سامان مہیا ہوں لیکن جب

ایک موت کا کھٹکا ہی جملہ سامانِ عیش کے منغض اور برباد کرنیکے لیے کافی ہے +

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا دم کے جانے کا ہمیشہ غم رہا۔

پس جو دنیا کی زندگانی پر فریفتہ ہیں جو اپنے ناقص خیال میں یہاں کے عیش و آرام کو دائمی سمجھتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگو! اگر دائمی زندگی اور ابدی عیش کے شیدائی ہو۔ تو مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ اگر ہمیشہ کی زیست چاہتے ہو تو خواہشات نفسانی کو بالکل مٹادو۔ جو مرنے سے پیشتر مرجاتے ہیں وہ ہمیشہ کے لیئے آزادانہ حیات حاصل کر لیتے ہیں خود پروردگار عالم مجاہدین کی حیات پر شاہد ہے۔ پارہ ۲ رکوع ۳۔

دوسری آیت۔ فرماتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان نثار کردیتے ہیں اگرچہ تم انکو مردہ خیال کرتے ہو۔ لیکن نہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ انکی زیست تم سمجھ نہیں سکتے "یہی وجہ ہے کہ آج جن بزرگوں کو انتقال کیے ہوئے صدہا برس ہو چکے ہیں اُن کا نام صفحہ ہستی پر اسیطرح زندہ ہے۔ انکی قبروں اور مزاروں کا ادب اسطرح کیا جاتا ہے کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ بڑے بڑے شہنشاہ انکی درگاہوں پر ہاتھ باندھکر حاضر ہوتے ہیں۔ اگرچہ انکی مبارک صورتیں ہماری نظروں سے پوشیدہ کردی گئی ہیں۔ لیکن پھر بھی اُن کا دربارِ جلال خود انکی زندگی پر شاہد ہے۔ سعدی نے خوب کہا ہے

سعدیا مرد نکونام نمیرد ہرگز مردہ آنست کہ نامش بنکوئی نبرند

یہ وہی لوگ تھے کہ دنیاوی خواہشات کے لحاظ سے قبل از مرگ فنا ہو چکے تھے موتوا قبل ان تموتوا کے پورے پورے نمونہ بنے ہوئے تھے۔

مولٰنا روم علیہ الرحمۃ۔ موتوا قبل ان تموتوا کے ذیل میں ایک عجیب حکایت بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں "۔ ایک سوداگر کے ہاں طوطی پلی ہوئی تھی یہ طوطی بڑی خوش آواز تھی۔ اتفاقاً سوداگر جب سفر کو چلا تو اُس نے اُس طوطی سے کہا۔ طوطی میں

"خواجہ مستان شاہ کابلی"

طبقہ صوفیہ میں چشتیہ سلسلہ سوز و گداز اور مستانہ ولولوں کے اعتبار سے خاص شہرت رکھتا ہے۔ اگرچہ چشتیہ مشائخ کا طریق سلوک دیگر سلاسل کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن عشق و محبت کی چاشنی اور بے باکانہ روش نے چشتیوں کو ہندوستان میں تمام طریقوں سے زیادہ کامیاب اور ممتاز کر دیا ہے۔ ہر صدی اور ہر زمانہ میں اِن کے ہاں بعض فقرار ایسی مؤثر حالت کے پائے جاتے ہیں جو بغیر کسی ظاہری سبب کے خود بخود لوگوں کی طبائع میں کشش اور جذبہ پیدا کرتے اور ذوق عبودیت کی جانب کھینچتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اِن کی معمولی باتوں میں وہ تاثیر عطا فرماتا ہے کہ برسوں کے گمراہ قرنوں کے گنہگار آن کی آن میں راہ راست پر آجاتے ہیں۔ سب سے بڑی خوبی اِس سلسلہ کے طریق سلوک میں یہ ہے کہ دوسرے خاندانوں کی طرح مجاہدات و ریاضات پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا (یہ مطلب نہیں ہے کہ چشتیوں میں ریاضتیں۔ اور مجاہدے نہیں کرائے جاتے۔ کیونکہ ان کے ہاں بھی قریب قریب دیگر سلاسل کی مثل سلوک کا طریقہ ہے) بلکہ شیخ اپنی باطنی آگ سے مسافت سلوک کی جھاڑیوں کو جلا کر بہت جلدی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

تھوڑے دن کا ذکر ہے جبکہ تیرھویں صدی رخصت ہو رہی تھی ایک بزرگ کابل کے رہنے والے خواجہ مستان شاہ نام چشتیوں کے

نام لیوا پنجاب میں تشریف لائے اور عجب شان سے آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید احمد خاں نے اہل پنجاب کو زندہ دلی کا خطاب دیا تھا۔ اور اہل پنجاب اپنے تئیں اس خطاب کا اہل ثابت کرنے کے لیئے بڑی سرگرمی سے بروجہ مذکور رہے تھے اگرچہ ان کی دوڑ دھوپ زندہ دلی کا نمونہ محض مادی اور دنیاوی میدانوں میں تھا۔ لیکن بیداری نے تقاضی نے روحانیت کیطرف بھی ان کے دلوں کو مائل کر دیا تھا۔ اس لیئے خواجہ صاحب موصوف کا پنجاب میں داخل ہونا ہی تھا کہ چاروں طرف سے انگریزی تعلیم یافتہ پروانوں کی طرح ان کی طرف جھکے۔ چنانچہ اسوقت کے جسقدر نامور اور با اثر لوگ پنجاب میں مانے جاتے تھے یا جنکی ہونہاری پر لوگوں کی نظریں پڑ رہی تھیں وہ سب کے سب اس گیسو دراز کے دام زلف میں آ آ کر پھنسنے لگے۔ خواجہ صاحب کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے میں ایک خوش رو۔ خوش لباس امیر معلوم ہوتے تھے مگر سننے میں ایک مست استغنا درویش تھے جن کی زبان سے ہر وقت توحید کے ترانے اور عشق کے فسانے سنے جاتے تھے۔ جس نے ایک دفعہ ان کا حقانی نعرہ سنا بیچین اور بیتاب ہو کر گردیدہ او حلقہ بگوش ہو گیا لاہور جو زندہ دلی کا صدر مقام تھا بار بار خواجہ صاحب کی تشریف آوری سے مشرف ہوتا اور زندہ دلان پنجاب آپ کی مستانہ صحبتوں سے فیضیاب اور سیراب ہوتے عجیب اتفاق یہ تھا کہ جہاں سرسید احمد خاں کے فدائی خواجہ صاحب کے مرید اور معتقد تھے وہاں ایک وہ شخص بھی آپکے دائرہ ارادت میں شامل ہوا جو سرسید کے عقائد اور تمام کارروائیوں کا دلی مخالف تھا۔ اور زندہ دلان پنجاب اس کی

پرجوش اور دلیرانہ مخالفتوں سے کشیدگی اور پیچیدگی کے عالم میں پڑے ہوئے تھے۔ لیکن خواجہ صاحب کی مجلسوں میں ان بیرونی مخالفتوں کو بالکل فراموش کر دیا جاتا تھا۔ سب لوگ یکدل اور شیر و شکر ہو کر اس مجلس خیر کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے آخر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس کشیدگی کے مخالف یعنی منشی محمد علی چشتی نے خواجہ صاحب کی خاص منظور نظری حاصل کر لی۔ اور اپنی ذات کو اس خلوص و عقیدت سے خواجہ صاحب کے ساتھ وابستہ کیا کہ خواجہ صاحب نے امتیازی قبولیت کے آغوش میں منشی صاحب کو لے لیا۔

منشی محمد علی چشتی اعلیٰ درجہ کے دنیادار اور بڑے سمجھدار اخبار نویس تھے۔ لاہور اور اس کے نواح میں ان کی شہرت جس قدر تھی وہ محض دنیاوی ہوشیاری اور معاملہ فہمی پر مبنی تھی۔ مگر خواجہ صاحب کا مرید ہونے کے بعد ان کی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہوا۔ اگرچہ اس دور نے پہلا دور بدل نہیں دیا لیکن اپنے اثر سے ان کی کیفیت اور حالات کو دوسرے پیرایہ میں ڈھال دیا یعنی چشتی صاحب کا میلان فقراء اور اہل تصوف کی جانب اسقدر بڑھا کہ ان کی زندگی کا ایک خاص حصہ بن گیا۔

خواجہ صاحب نظامیہ نیازیہ سلسلہ کے درویش رہے تھے اس لئے دہلی میں بار بار حاضری دیتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے مزار مبارک سے ان کو ایک خاص لگاؤ تھا اور موقع عرس کے علاوہ ایام میں بھی متعدد دفعہ ان کو آستانہ حضرت محبوب الٰہی میں دیکھا جاتا تھا۔ عرس کے دنوں پر تمام شب باغ میں خواجہ مستان شاہ کی کیفیت نرالی اور مستانہ ہوتی تھی۔ رخصت کے وقت اپنے مریدوں کے

حلقہ کے ساتھ جب وہ مزار پاک کے سامنے حاضر ہوتے اور شجرہ خوانی کے
بعد وداعی اشعار پڑھتے تو در و دیوار سے آہ و بکا کی صدا آتی معلوم ہوتی تھی
اور ہر شخص کے قلب پر رخصتی وقت کا اثر مضطربانہ حالت پیدا کرتا تھا۔ خواجہ
صاحب کی علمی یادگاروں میں اُن کا دیوان ایسی اعلیٰ پایہ کی یادگار ہے
جس سے اُن کا درجہ چودہویں صدی کے حافظ شیرازی کی برابر شمار
ہونے کے قابل ہے اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کلام خواجہ
صاحب کا نہیں ہے۔ بلکہ کسی دوسرے مستان شاہ کا ہے۔ لیکن یہ وہ
لوگ ہیں جنکو خواجہ صاحب سے ملنے اور اُن کے فیض صحبت اُٹھانیکا
موقع نہیں ملا ورنہ یہ ناجائز بدگمانی پیدا نہوسکتی کیونکہ خواجہ صاحب کی
ہر بات میں وہی انداز اور مستانہ شان پائی جاتی تھی جو اُن کے چھپے
ہوئے دیوان آتشکدۂ وحدت میں نظر آتی ہے۔ خواجہ صاحب کا کلام
اس قابل ہے کہ اسپر شرح اور مفصل تنقید لکھی جائے۔ اِسوقت تو صرف
چند اشعار بطور نمونہ پیش کر دیے جاتے ہیں۔ آئیندہ اِن کے کلام پر
وضاحت سے رائے زنی کیجائے گی۔ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ
عراقی۔ ومغربی۔ حافظ۔ وسعدی۔ کے کلام سے صوفیوں کی محفلوں میں
جیسی گرمی پیدا ہوتی ہے اِسی کے قریب خواجہ مستان شاہ کا کلام
اثر رکھتا ہے۔ ہندوستان میں کوئی مقام ایسا نہوگا جہاں عرس ہو
اور خواجہ مستان شاہ کی غزلیں نہ گائی جاتی ہوں اور اُن سے وجد و
سرور پیدا نہوتا ہو۔ خواجہ صاحب کو چونکہ دہلی سے خاص الفت
تھی اسی سے اپنے آخری وقت یہیں تشریف لے آئے اور ناگہاں
رحلت فرمائی۔ اِن کی آرزو اور تمنا تو یہ تھی کہ حضرت محبوب الٰہی کے

آستانہ میں دفن کیئے جائیں۔ مگر لوگوں نے اپنی آسانی کو مد نظر رکھکر قدم شریف کی درگاہ میں دفن کر دیا۔ اب ہر سال اُن کے مرید صادق الاعتقاد منشی محرم علی چشتی عرس کرنے کے لیے ۱۶-۱۷- ذیقعدہ کو دہلی میں آتے ہیں اور بہت دھوم دھام اور تزک و احتشام سے عرس کرتے ہیں اس سے پہلے سوائے حضرت خواجہ قطب صاحب اور حضرت محبوب الٰہی کے دہلی میں کوئی عرس اس شان کا ہوتا تھا جس میں علاوہ رسمی تکلفات کے نامور مشائخ ہند اور کل عمائدین دہلی اور درگاہوں کے سب پیرزادے شریک ہوتے ہوں چشتی صاحب کئی روز تک عرس کی محفلیں جاری رکھتے ہیں جنمیں سماع۔ختم۔ قرآن خوانی۔ وعظ وغیرہ ہوتے رہتے ہیں اور نہایت سیرچشمی سے لنگر کا کھانا تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ بیرونجات سے دیوان صاحب پاکپٹن شریف۔ سجادہ نشین صاحب پیران کلیر شریف۔ سجادہ نشین صاحب ردولی شریف وغیرہ نامور مقامات کے مشائخ اس عرس میں شریک ہونے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور دہلی کے تمام ممتاز مشائخ خاصکر چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے رکن حضرت خواجہ میاں عبدالصمد صاحب اس عرس کے اہتمام میں خاص حصہ لیتے ہیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اجمیر شریف۔ خواجہ قطب صاحب۔ حضرت محبوب الٰہی اور حضرت چراغ دہلی کی درگاہوں کے پیرزادے نہایت کثرت سے اس عرس میں شریک ہوتے اور مراسم عرس میں اس طرح حصہ لیتے ہیں گو یا وہ اِن ہی کا ذاتی کام ہے۔ یہ بات خواجہ صاحب کی عام مقبولیت کی نشانی ہے۔ سب سے زیادہ عجیب اثر خواجہ صاحب کا یہ ہے کہ اس عرس میں نظامی اور صابری چشتی۔ اور قادری

نقشبندی اور سہروردی سب نہایت اخلاص مندی اور یگانگت سے متمتع ہوتے ہیں۔ [illegible] صاحب نے خواجہ صاحب کا مزار بہت خوبصورت بنوایا ہے اور ہر سال اس عرس میں ہزاروں روپیہ صرف کرکے اپنی مخلصانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ راقم الحروف کو موقع ملا تو خواجہ صاحب کی زندگی کے وہ حالات جن کا معلوم کرنا ناظرین نظام المشائخ کے لئے ضروری اور مفید ہے مرتب کرکے پیش کریگا۔ آخر زمانہ میں خواجہ صاحب وہ جھلک دکھا گئے جس کی ضرورت تھی اور رہے گی۔ اب یہاں خواجہ صاحب کے چند اشعار بطور نمونہ کلام درج کیے جاتے ہیں۔ یہ وہ اشعار ہیں جن پر اکثر مجالس سماع میں لوگوں کو وجد و سرور ہوا ہے۔

فرماتے ہیں:-

نمی دانم دلم دیوانہ کیست — بگوشم روز و شب افسانہ کیست
اگر خال و خط و زلف و رخت نیست — بگو این کعبہ ام بتخانہ کیست
شدہ گم طفل دل در کوچہ عشق — منادی در دبستان در خانہ کیست

چو مستان شہ نشد در محفل دوست
تبسم کرد کاین مستانہ کیست

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

دل بر گیسوی مشکین شانہ کردی عاقبت — این دل دیوانہ را دیوانہ کردی عاقبت
رمز عشق و حسن تو پنہان بدل میداشتم — ماہ من در عالمم افسانہ کردی عاقبت
دوش از شمع رخت پروانہ آسا سوختم — سوزش من دیدی و ویرانہ کردی عاقبت

از خم وحدت قدح نوشیدی آہ مستانہ شاہ
یک جہان را از نگاہ خم خانہ کردی عاقبت

المعذور مجبور

افسوس کہ نظام المشائخ کا یہ پانچواں نمبر باوجود غیر معمولی دیر کے ناقص ورادھورا شائع کیا جاتا ہے جسکی وجہ نہایت معمولی مگر نہایت تاسف انگیز ہے۔ رسالہ یکم ذیقعدہ کو آخر کے صرف ۱۶ صفحوں کے سوا جزو کل چھپ کر تیار ہوگیا تھا۔ باقی کے ۱۶ صفحوں کا مسودہ بھی موجود تھا صرف حلقہ کی کارگذاری نہیں تھی جو دبیر حلقہ حضرت مولنا خواجہ حسن نظامی صاحب کی سخت علالت کیوجہ سے اسوقت تک تیار نہو سکی تھی۔ حضرت موصوف ۱۲-شوال سے سرسام اور نمونیا کے خطرناک امراض میں مبتلا تھے اور ہم سب سخت سراسیمہ اور پریشان ہو رہے تھے لیکن اسی عالم انتشار میں خاکسار نے اسے (یعنی کارگزاری کو) تیار کیا اور بقیہ کل مسودہ پورا کر کے کاتب کو دیدیا تاکہ رسالہ میں دیر نہو۔ اگر کاتب صاحب فوراً اسے لکھدیتے تو یقیناً رسالہ چھٹی ساتویں تک شائع ہو جاتا۔ لیکن وہ حضرت مضمون لیکر سفر میں چلدیئے اور ایسے غائب ہوئے کہ آجتک پتہ نہیں۔ چودہ تاریخ تک تقاضے جاتے رہے لیکن نہ کاپیاں آئیں نہ مسودہ اور نہ جواب خط۔ آخر مجبور ہو کر اتنے دن انتظار کرنے کے بعد حافظ احمد سعید صاحب کا مضمون ۴۸ ویں صفحہ پر غیر مکمل اور ناقص چھوڑ کر ۴۹ ویں صفحے سے دوسرا مضمون (جو دیر میں وصول ہونے کی وجہ سے ذیقعدہ کے رسالہ میں درج ہوتا) ایک اور کاتب سے شروع کرادیا اور رسالہ کے ۵۶ صفحے پورے کیئے۔ ناظرین ۴۸ ویں صفحے کے اختتام پر "باقی آئندہ" لکھ لیں اور اس نقص اور دیر کو معاف فرمائیں حافظ احمد سعید صاحب کا بقیہ مضمون اگلے پرچے میں درج کر دیا جائیگا۔ اور یہ ۸ صفحوں کی کمی بھی اسمیں پوری کر دیجائے گی

جن لوگوں کو اہل مطبع اور کاتبوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ ہماری مجبوری کو اچھی طرح سمجھتے ہونگے۔ ہم اپنی طرف سے اشاعت میں دیر نہیں ہونے دیتے۔ خدا کے فضل سے مضامین کی ہمارے پاس کمی نہیں سال بھر کا ذخیرہ مضامین ہمارے پاس موجود ہے دقت صرف ان حضرات کے ہاتھوں ہوتی ہے جو بے پروائی اور وعدہ خلافی میں شہرہ آفاق ہیں۔

خاکسار **واحدی**۔ نائب مدیر

ھو الکل — یا معین

ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ — دسمبر ۱۹۰۹ء

جلد ۱ — نمبر ۶

(۷۸۶)

نظام المشائخ

درجہ دوم — قیمت سالانہ عہ

تمام سلسلوں کے صوفیہ مشائخ کی دینی و دنیاوی اغراض کا حامی اردو زبان کا ماہوار رسالہ

اعلیٰ مدیر۔ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح

نائب مدیر۔ خادم الفقراء سید محمد ارتضیٰ واحدی دہلوی

فہرست مضامین

(دنیا کی آبادی میں تین چوتھائی حصہ صوفی مشرب لوگوں کا ہے)

قیمت سالانہ مع محصولڈاک درجہ خاص صہ درجہ اول عہ درجہ دوم عہ درجہ سوم عہ تقریر

(نوٹ درجہ خاص اور درجہ اول کی آمدنی مصارف حلقہ نظام المشائخ میں خرچ کی جائے گی)

منشی فضل حسین کے ہلالی پریس دہلی میں چھپوا کر سید محمد ارتضیٰ واحدی مدیر نے منزلگاہ حلقہ نظام المشائخ دہلی سے شائع کیا

قیمت فی پرچہ ۴ر

رسالہ نظام المشائخ کے قواعد

(۱) یہ رسالہ ہر چاند کی چھٹی کو جو حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا یوم عرس ہے شائع ہوتا ہے ۔

(۲) اسکی قیمت ہر حال میں پیشگی لیجاتی ہے نمونہ کا پرچہ ۴ ر کے ٹکٹ بھیجنے سے ملسکتا ہے

(۳) مشائخ کی خدمت میں بلا طلب بھی بھیجا جاتا ہے ۔ انکو مناسب ہے کہ اسکا مطالعہ قبول فرمائیں ۔ اور دفتر رسالہ میں اسکی اطلاع بھیجدیں ۔

(۴) پرچہ چار قسم کا چھپتا ہے ۔ خاص ۔ اول ۔ دوم ۔ سوم ۔ دوم اور سوم کے پرچوں میں کاغذ کا فرق ہے ۔ باقی خاص اور اول دوم کے مثل ہیں ۔ ان تینوں میں کچھ فرق نہیں ۔ خاص اور اول کی عہ اور عہ روپیہ سالانہ قیمت محض حلقہ نظام المشائخ کی اعانت کے خیال سے مقرر کیگئی ہے جو لوگ یہ قیمت ادا کرینگے وہ حلقہ کے امور خیر کی مدد کرینگے ۔

اہل رسالہ عہ میں سے عہ اور عہ میں سے عہ روپیہ جدا کر کے حلقہ کے فنڈ میں جمع کر دینگے ۔ انکو صرف عہ ر لینے کا حق ہوگا جو دوم قسم کے پرچہ کی قیمت ہے ۔

(۵) اشتہار حتی الوسع وہی درج کیا جائے گا جسکا تعلق اہل تصوف سے ہو اور مہتمم رسالہ کو اسکی صداقت پر بھروسہ بھی ہو جائے تاہم رسالہ اشتہاری معاملات کا ذمہ دار نہوگا ۔

(۶) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر وغیرہ بنام سید محمد مرتضی واحدی نائب مدیر منتظم حلقہ نظام المشائخ دہلی کوٹھی نواب انصار جنگ بہادر کے پتہ سے ہونا چاہیے ۔

نائب مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

یاد اللہ

یہ چند لفظ خدا کی یاد میں جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی کی قلم سے نکلے ہیں قاری صاحب کو ہندوستان اور بیرون ہندوستان کی علمی اور اخباری دنیا میں جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں آپ کی اخلاقی تصانیف اور صوفیانہ مضامین امریکہ اور یورپ تک میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جا چکے ہیں جن دنوں ہندی مسلمانوں کو جاپان میں اسلام پھیلانے کا شوق ہوا تھا وہ زمانہ قاری صاحب کی خاص شہرت کا تھا کیونکہ آپ ہی اسوقت جاپانیوں کے میلان مذہب کو معلوم کرنے کے لیئے جاپان تشریف لے گئے تھے۔

آپ مدرسۃ العلوم علی گڈھ کے تعلیم یافتہ ہیں اور انگریزی زبان اور نئے فلسفہ پر خوب قابو رکھتے ہیں تصوف کی جانب آپ کا ابتدا سے رجحان ہے۔ ہندو ویدانت اور دیگر ہندوستانی فلسفوں کو خود

ہندوستان کے نامور فضلا کے قول کے موافق اچھی طرح سمجھتے اور سمجھا سکتے ہیں دنیا کے تمام مذاہب کے اصول سے باخبر ہیں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مرید ہیں اور اپنے طریقے کے احوال واذکار اشغال سے واقف ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے کسب اور عمل میں بھی حصہ دار ہیں۔ یہ مضمون تو آپ کے علمی ذوق شوق کا ایک معمولی نمونہ ہے۔ ناظرین عنقریب آپ کی فلسفیانہ باریکیوں اور دلچسپیوں سے لبریز تحریریں ان صفحات پر ملاحظہ کرینگے تو معلوم ہوگا کہ آپ کس قابلیت کے آدمی ہیں:۔

المعبود تیرے نام میں کیا مزا ہے تیری یاد میں کیا کیفیت ہے۔ تیرے ذکر میں کیا لطف ہے۔ تیرے عشق میں کیا چاشنی ہے۔ کہ مسجد۔ مندر۔ کلیسیا خانقاہیں شوالے۔ تکیے۔ سب تیرے دلدادہ لوگوں سے پُر ہیں۔ کہیں زاہد تہجد گذار تیرے شوق لقا میں مست تسبیح کے دانے پھیر رہا ہے۔ اور سجدہ پر سجدہ کر رہا ہے۔ کہیں تارک الدنیا سنیاسی۔ مہاتما پُرش۔ تار نفس پر تیرے ہی نام کی سمرن جپ رہا ہے۔ عیسائی کلیسیا اور خانقاہوں میں نفس کش رہبان۔ اور روح القدس کی پاک کنیزیں تیرے ہی خیال میں دنیا ومافیہا کو بھولے ہوئے ہیں۔ علی قدر ظرف ہر ایک فرد۔ خواہ کسی مذہب وملت کا ہو تیرے راستہ میں ثابت قدم رہنے کے لیئے۔ نفس کشی ایثار۔ حلم۔ عجز اور بردباری اختیار کرتا ہے۔ یہ سب جتن اسی لیے کیئے جاتے ہیں کہ شاید پیارے کو کوئی بات پیاری لگے اور بیڑا پار ہو جائے۔ واہ تیری شان یہ سب تماشا تیرے ہی لیئے ہوتا ہے اور تو ہی دیکھتا ہے۔ یہ تو تصویر کا روشن رخ تھا۔ پلٹو تو ملنگ۔ قلندر مست۔ رند۔ اگھور نقشبھی نشہ بازی کے متوالے اپنا آپا مٹے دیتے ہیں۔ اور ساری دنیا کی نظروں میں حقیر ہیں۔ مگر یاد اللہ موجود اللہ میں

میسے مگن ہیں کہ کسی کی پرواہ نہیں۔ یہ بھی اب تیرے ہی لیئے ہے اور تو ہی دیکھتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تو کس سے ملتا ہے اور کس سے نہیں ملتا مگر تیرے ملنے کی امید بلکہ یقین نہوتا تو یہ سب شور و شین نقش بر آب تھیں۔ انسان لذات کا مغلوب انسان شہوات کا غلام انسان جسمانیات اور نفسانیات کی پورت۔ غرور و غصہ بغض و کینہ کے خزانہ۔ ایسا انسان بھلا کہیں تیرے لیے یہ تکلیفیں اٹھاتا۔ دُنیا کہتی ہے کہ میرے نمروں کی پرستش کرو۔ یہ ہے چاہو۔ مجھے ڈھونڈو۔ میری الفت میں سب کچھ بھول جاو۔ مگر دیکھا یہ زاہد با خدا کن خیالات میں غرق ہے کہ اُس نے دنیا کو دو ٹوک جواب دیدیا ہے کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی۔ اِس سے بڑھکر اور کیا نعمت ہوسکتی ہے اُس کے دیدار اُس کے جلوہ کے نظارہ سے زیادہ اور کیا شئے قابل قدر ہوسکتی ہے۔ سب کا اتفاق ہے کہ وہ خود انسان میں موجود ہے۔ وعدہ ہے کہ جو ڈھونڈھے گا سو پائے گا۔ کیا اچھا کہا ہے سے

کہیں تجھکو نہ پایا گرچہ ہمنے اِک جہاں ڈھونڈا پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں سے تو نکلا

مگر یہ ٹیڑھی کھیر ہے سے

آنکھ ناک مُنہ موند کے نام نرنجن لے بھیتر کے پٹ جب کھلیں جب باہر کے پٹ دے

اِس کے معنی ہیں لذات حواس اور خواہشات نفسانی سے مُنہ موڑنا۔ اتنے میں بھی یہ کام ہو جائے تو بہت سستا ہے۔ آخر دنیا فانی ہے۔ اُس کی لذتیں بھی فانی ہیں۔ حواس خود ایک دن جواب دیتے ہیں۔ یہ تو روزمرہ کے تجربہ کی بات ہے کہ لذتوں کو پورا کرنے سے سیری اور تسکین نہیں ہوتی سے

گھٹ دیکھے یوں خواہش دل شام و سحر بڑھتی ہے جس طرح ہوکے قلم شاخ شجر بڑھتی ہے

اب دو راستہ کھلے ہوئے ہیں۔ یا تو یہ کہ لذتوں اور خواہشوں کی کشاکش

میں انسان مبتلا رہے اور خر خوش نہ خاوند خوش لشتم پشتم اس کیچڑ میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ آخر اس کا انجام کیا ہوگا۔ بھلا اس سے قلب کا تصفیہ اور روح کا انجلا کیونکر ممکن ہے۔ یونہیں ایک دن مر جانا اور گسٹ گھٹ کر قبر کا کونہ سنبھالنا۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ لذتوں سے منہ موڑ کر۔ خواہشات پر لات مار کر۔ گوشہ عافیت اختیار کرنا چاہیئے۔ اور اپنے مالک کی یاد اور اوسی کی تلاش میں اپنے آپ کو میٹ دینا چاہیئے۔ وہ تو ہر جگہ موجود حاضر ناظر ہے۔ اُسے تلاش ہی کہاں کرنا ہے۔ بس حجاب ہستی۔ بلکہ حجاب نفس اور حجاب قلب کا دور کرنا ہے پھر میاں ہی میاں کا جلوہ ہے۔ اس کے بعد نہ زندگی کی کشمکش ہے نہ موت کا خوف دربار یار۔ دیدار یار۔ سرکار کی حضوری ہر وقت میسر ہے سبحان اللہ کیا اچھا راستہ ہے۔ یہی اختیار کرنا چاہیئے۔ بس اسی پر فیصلہ ہے۔ ؎

مشتاب اے غم دنیا کہ بگردم نہ رسی ۔۔۔ کین از دور و داعم کہ شتاباں رفتم

اے خواہشو! بہتر تو یہی ہے کہ خود مر جاؤ ورنہ میرے ہاتھوں تمھاری بُری گت ہوگی۔ جسمانیت! خدا حافظ۔ نفسانیت الوداع۔ اے قلب! اب خیالات مرجہائی کو خیر باد کہہ۔ آمیں یار کا ڈیرہ ہے۔ اے عقل اپنی جہل مرکب کا بوریا بدھنا باندھ لے دیکھ کہیں روحانی انوار کی چکا چوند تیری آنکھوں کو خراب نہ کر دے۔ دھن دولت۔ بیٹے۔ پوتے۔ مال و اسباب! اپنے اپنے ٹھکانے ہو جاؤ۔ اب یہاں شہنشاہ جاں اور روح رواں کا دُور دورہ ہے تمہیں کون پوچھتا ہے۔ تم نے ہمیں اور ہم نے تمہیں دیکھ لیا۔ یہ آتش بازی چھٹ چکی ہے۔ اچھا خدا حافظ ؎ مست گشتم از دو چشم ساقی پیمانہ نوش الوداع اے ننگ و ناموس الفراق اے عقل و ہوش +

عسکری۔ دہلوی

کھٹکہ

مندرجہ ذیل مضمون تقدس مآب حضرۃ مولانا خواجہ حسن نظامی مدیر اعلیٰ رسالہ نظام المشائخ نے ایڈیٹر صاحب رسالہ صوفی کی درخواست پر صوفی کے لیئے لکھا تھا جو اسمیں شائع ہوا، لیکن گروہ فقراء اور بدید تعلیم یافتہ جماعت میں یہ مضمون اسقدر پسند کیا گیا اور اس کا اسقدر چرچا ہوا کہ اکثر ناظرین نظام المشائخ نے ہمیں لکھا کہ ہم اسے نظام المشائخ میں بھی درج کریں۔

امید ہے کہ ناظرین ہمارے جدت طراز پیشوا کے ادراک و احساس سے متاثر ہونگے کہ کس طرح نئے زمانہ کی چیزوں میں عرفان کی منزلیں تلاش کی گئی ہیں :-

لوگ کہتے ہیں زندگی وہ اچھی جسمیں کسی بات کا کھٹکہ نہو۔ بلکہ ایسی زندگی کو بہشت سے تشبیہ دیجاتی ہے کیونکہ بہشت میں فکر و تردد کا کھٹکہ نہو گا مثل ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

ہر شخص کا اپنے کام میں مست و سرشار رہنا اور کسی سے کچھ علاقہ نہ رکھنا بہشتی زندگی ہے مگر اِس جہان کو اختلاف سے زیبائش ہے ایسے آدمی بھی اِس دنیا کے پردہ پر رہتے ہیں۔ جو بے کھٹکہ رہنا عیش سمجھتے ہیں اور ایسا گروہ بھی موجود ہے جو

کھٹکہ دار گزران

کا شیدائی ہے۔ اسکو جینا مرنا۔ چلنا پھرنا۔ ہنسنا بولنا۔ کھانا پینا۔ الغرض کوئی بات ہو کھٹکہ کے بغیر بے مزہ اور پھیکی معلوم ہوتی ہے۔ اور انصاف یہ ہے

کہ کھٹکا پسند جماعت حق بجانب ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ زمین دنیا کا کارخانہ کھٹکے پر چل رہا ہے۔ موجودات محسوسات۔ ذرا اور آگے بڑھکر حیوانات وغیرہ کی تمام نوعیں کھٹکے سے ظاہر ہوئیں۔ کھٹکے سے قایم رہتیں اور کھٹکہ ہی سے فنا ہوجاتی ہیں۔ حیوانات میں انسان کو دیکھئے کھٹکہ اسپر بھی محیط ہے۔ ہر سانس میں کھٹکہ کا سلسلہ موجود ہے۔

کھٹکہ کی خارجی مثالیں

کسی بڑے تار گھر میں چلے جائیے ہزاروں کھٹکے سنائی دینگے۔ انسانی انگلیاں حرکت کر رہی ہیں ہونگی اور کھٹکہ کی گونج ان سے نکلتی ہوگی۔ آواز سب کی ایک انگلیوں کی حرکت بھی یکساں۔ لیکن کاغذی نقوش کو ملاحظہ کیجئے یہاں آکر یہ کھٹکہ رنگ برنگ کی صورتیں اختیار کرلیتا ہے۔ کہیں لکھا ہے زید کو لاکھ روپے کا فائدہ ہوا۔ کسی میں درج ہے عمرو ہلاک ہوگیا۔ الغرض ایک کھٹکہ کے مختلف ظہور اور نتیجے کاغذ پر ہویدا ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو اِس

برقی کھٹکہ کا عرفان

ہے۔ وہ تو صرف آواز سنکر نیک و بد کا فرق محسوس کرلیتے ہیں۔ مگر ناواقف حیران ہوتے ہیں اور بعض اوقات شک وشبہ کرتے ہیں کہ ایک ہی کھٹکہ سے مختلف خبریں کیونکر بن گئیں۔ جو کھٹ کھٹ خوشی کے تار میں سنائی دی تھی وہی غم کی اطلاع میں سنی گئی اتنا بین فرق کس طرح ہوگیا حقیقت آشنا تار بابو ان نادان لوگوں کے شک وشبہ کی کچھہ پرواہ نہیں کرتے اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔

اِسی تار کے کھٹکہ میں وحدت وکثرت کا سبق موجود ہے جس میں آجکل کے بعض کم فہم انسان الجھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ واحد کثرت میں ظاہر ہوکر واحد

کیونکر رہ سکتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ دہلی سے کلکتہ تک دو سو تار گھر ہیں۔ ایک بابو دہلی میں بیٹھکر کلکتہ کو تار دیتا ہے پس جس وقت اسکی انگلی حرکت کر کے ایک کھٹکہ پیدا کرتی ہے۔ کلکتہ تک ہر تار گھر میں وہ کھٹکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہی کھٹکہ دہلی میں وہی کلکتہ میں۔ اور وہی درمیانی تار گھروں میں کسی کھٹکہ میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کھٹکے سے دو سو کھٹکے پیدا ہو گئے۔ مگر حقیقت میں وجود ایک ہی ہے۔ احمق سے احمق آدمی بھی جس کو تار کے معاملہ سے تھوڑی سی آگاہی ہے نہیں کہہ سکتا کہ کھٹکا تقسیم ہو گیا۔ اور اسکی وحدت میں کچھ فرق آگیا۔ پھر ذات واحد کے کثرتی ظہور سے اس کی وحدت میں کیا نقصان ہو سکتا ہے۔

گھڑی کا کھٹکہ

یہ سامنے دیوار کے سہارے دم لینے والی گھڑی بھی دیکھی سانس کا کھٹکہ چل رہا ہے اور سوئی کی گردش وقت کاٹ رہی ہے ہر کھٹکہ فنر کی پیچیدہ طاقت کو ایک حصہ کم کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایکدن یہی نشا مٹتا کھٹکہ گھڑی کی سب طاقت ختم کر کے اسکو خاموش کر دے گا۔

رات کے اندھیرے میں جب کوئی مونس و غمخوار پاس نہو کھٹکہ دار گھڑی کو پاس رکھ لیجئے۔ دیکھئے یہ کھٹکہ کیا لطف دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ گھڑی کی زندگی بھی کھٹکہ سے معلوم ہوتی ہے اور موت کا باعث بھی یہی کھٹکہ ہوتا ہے۔ انسان کو گھڑی سے تشبیہ دیجائے تو مشابہت بہت ہی ٹھیک اور موزوں ہو گی گھڑی کی بناوٹ اور کل پرزے سب انسانی اعضا کی ساخت سے نکلے ہیں۔ پھر بھلا نقل تو کھٹکے سے جئے۔ کھٹکے سے مرے۔ اور اس کے کھٹکے سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور اصل یعنی انسان کھٹکے سے محروم سمجھا جائے اور بے کھٹکہ زندگی کو بہشتی کہا جائے

یہ کہاں کی عقلمندی ہے ؟

گراموفون کا کھٹکہ

غیبی آواز سے خود بخود بولنے والا باجہ گراموفون جو نئے زمانہ کی لاثانی اور عجیب ایجاد تصور کیا جاتا ہے۔نوکدار کھٹکہ سے بولتا ہے۔ایک سوئی کی نوک ریکارڈ کے چکرانے والی تختی پر کھٹکہ وار ضربیں لگاتی ہے اور مومی پیکر کی مخفی آواز کو عیاں کر دیتی ہے۔پھر دیکھئے کہ کیا کیا عجیب وغریب صدائیں نکلتی ہیں آجکل کے خوش باش انسان گراموفون کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے مگر ان میں کسی کو اُس کھٹکہ پر توجہ نہیں ہوتی جس کے طفیل باجہ کا کاروبار چلتا ہے۔حالانکہ ہر بار سوئی انسان خود ہی بدلتا ہے۔اگر وہ ادھر توجہ کرے تو اپنے وجود کے کھٹکہ کا حال بھی ایک دن معلوم کرلے۔

انسانی کھٹکہ

اِن خارجی مثالوں کے بعد خود انسان کے اندرونی کھٹکہ کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ نادان بے کھٹکہ زندگی پر مرا جاتا ہے۔حالانکہ زندگی بغیر کھٹکہ کے بالکل نکمی اور بیکار ہے۔آدمی کے تمام دینی و دنیاوی افعال کسی سبب سے ہوتے ہیں۔نوکری کرتا ہے تاکہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالے۔اسی طرح دنیا کے سب دھندے کسی سبب کے ماتحت ہیں۔تو یہ سبب اس شخص کے لیئے ایک کھٹکہ ہے۔بظاہر تو یہ کھٹکہ اسکو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔مگر حقیقت میں یہ یہ کھٹکا نہو تو جاہل آدمزاد ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جائے اور کچھ کام نہ کرے۔

دینی امور کا بھی یہی حال ہے۔دوزخ کے خوف۔بہشت کے لالچ۔خدا کی رضامندی کی طمع غرض اس کے اعمال کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے

یہ بھی اسی کے لیے کھٹکا ہے جس کے بغیر یہ سب اعمال جن سے انسان کی روحانی زندگی وابستہ ہے چل نہیں سکتے

کھٹکے کے باطنی اسرار

جو اسرار کھٹکے کے وجود میں پائے جاتے ہیں اُن تک رسائی ممکن ہے مگر اُنکا بیان کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ ان کا تعلق زیادہ تر کیفیت اور حال سے ہے جو قال و الفاظ میں نہیں سما سکتی اس لیے ہم باطنی کھٹکے کا صرف ایک حصہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

زندگی کا مسلسل لطف

آدمی جگہ جگہ تلاش کرتا پھرتا ہے اور اپنے اندر کی طلسماتی زنجیر کو حاصل نہیں کرتا جس میں اسکو ساری دنیا کی مزیدار کیفیتیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ ہر سانس جو جسم کے اندر جاتا اور باہر آتا ہے اگر اسکی قدر کیجائے تو لازوال نعمت ہے۔ بشرطیکہ اس میں لوچ دار کھٹکا پیدا ہوجائے۔

جوگی حبس دم وغیرہ طریقوں سے اس سانس کو اپنے قابو کا بنا لیتے ہیں اور پھر ساری خلقت سے بے پروا ہوکر جنگل میں منگل کرتے ہیں اور آنند کے تار بجایا کرتے ہیں مسلمان درویش باوجود فقر و فاقہ کے مست و سرشار رہتے ہیں محض اس سانس کی بدولت جسمیں ذکر الٰہی لہرایا کرتا ہے اور اُن کو ہر وقت مسرور رکھتا ہے۔

پوچھا جائے گا کہ کس طریق سے سانس میں لوچ پیدا ہوتا ہے اور کیونکر بہ مزیدار کھٹکا حاصل ہوسکتا ہے مگر یہ سوال بھی ایسا ہی ہے

جیسے باطنی کھٹکہ سے بے خبری۔ اخباروں کے مضمون میں یہ باتیں لکھنی دشوار ہیں مختصر یہ ہے کہ ذکر جہر اور ذکر خفی جس کو پاس انفاس بھی کہتے ہیں سانس میں پُرلطف کھٹکہ پیدا کر دیتا ہے اور پھر انسان مسلسل لطف کی زندگانی میں داخل ہوجاتا ہے۔

جس وقت یہ کھٹکہ انسان کے دم سے وابستہ ہوجاتا ہے پھر زندگی بے کھٹکہ گذرنے لگتی ہے جبکی اکثر لوگوں کو خواہش ہے +

حسن نظامی

لطائف و ظرائف

خوش طبعی اور ظرافت زندگی کا ایک ضروری حصہ مانا ہے حضور سرور کائنات علیہ التحیہ والصلوٰۃ اور بزرگان دین و مشائخ صوفیہ نے جائز مزاح میں ہمیشہ حصہ لیا ہی مگر جاہل اور بے تمیز لوگوں نے ایسی غیر مہذب ظرافت جاری کی ہے کہ یہ لفظ ہی متانت سے گرا ہوا سمجھا جانے لگا مولوی محمد عباس صاحب ایم اے کی کوشش قابل داد و شکر ہے کہ انہوں نے چار سو تیس کتابوں سے چھانٹ کر وہ لطائف جمع کئے ہیں جو حضور رسول خدا صلعم اور تمام بزرگان دین کی زبان سے صادر ہوئے نیز غیر مسلم نامور حکما کے لطائف بھی لکھے گئے ہیں۔ کتاب اس قابل ہے کہ ہر شخص اسکا مطالعہ کرے اور ان سنجیدہ مگر دلخوش کن لطائف سے فائدہ اُٹھائے۔ ہم گروہ مشائخ اور اُن کے متوسلین سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس دلچسپ اور پاکیزہ چیز کو ضرور منگائیں +

ایکسو باون صفحہ کی کتاب ہے قیمت غیر مجلد کی آٹھ آنے اور مجلد کی بارہ آنے رکھی ہے جو بہت کم ہے۔ مولوی محمد عباس صاحب ایم۔ اے۔ پروفیسر سنیٹ زیویر کالج بمبئی کے پتہ سے طلب کی جائے۔

نورِ عشق

مولانا فتح الٰہی شاہ صاحب کے آجتک جسقدر مضامین نظام المشائخ میں شائع ہوئے وہ ہر خاص و عام کی دلچسپی کا حصہ رکھتے تھے مگر نورِ عشق جسکا سلسلہ اِس پرچہ سے شروع ہو کر غالباً محرم میں ختم ہوگا محض ذی علم مشائخ اور علما و خواص اہل اسلام کے ملاحظہ کے قابل ہے۔ کیونکہ مسئلہ نہایت مشکل اور عوام کے فہم سے اعلیٰ ہے۔

مضمون میں فارسی و عربی عبارتیں زیادہ ہیں جنکا ترجمہ محض اسی لیئے نہیں کیا گیا کہ جو اس مضمون کے سمجھنے کے اہل ہیں وہ عربی۔ فارسی۔ پر کافی عبور رکھتے ہیں۔

وحدت وجود کے مسئلہ کو شاہ صاحب نے جس زبردست پیرایہ سے بیان کیا ہے اور مشائخ متقدمین کے اقوال جس کثرت سے نقل کیئے ہیں وہ انکی قابلیت اور وسعت مطالعہ کی دلیل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ ناظرین کی معلومات میں مفید اضافہ کا باعث ہوگا۔

تفسیر آیۂ قرآنی

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِى الْقُرْاٰنِ الْمُبِيْنِ مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

ہر کہ ایں جا ندید محروم است   روزِ محشر ز لذتِ دیدار

لہ جو تفسیر اِس آیت کی حقائق پناہ معارف دستگاہ حضرت مولانا شیخ رکن الدین ابن قطب العالم

جسمیں مسئلہ وحدت الوجود کی تحقیق آیت حقیقت محمدیہ کا اظہار عشق و عاشقی کے مدارج علیا۔ انسان کامل کی جامعیت و قربت بعض شطحیات و اقوال صوفیۂ کرام کی وضاحت شیخ کامل کی متابعت کی تحریص و ترغیب کہ وہی انسان معنوی پیغمبر وقت ہے۔ بعض صوفیۂ کرام کا شیخ کی نسبت بہ صدق ارادت و فور محبت کلمات نبی و خدا کہنا وغیرہ وغیرہ بہت سے امور نافعہ کی تصریح کی گئی اور دکھایا گیا ہے کہ شریعت عین طریقت اور طریقت عین شریعت ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اهل الجنة مشغولون بالجنة واهل النار مشغولون بالنار واهلی مشغولون بی۔

در عشق تو از ملامتم ننگے نیست　　بے خبران درین سخن جنگے نیست

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہم نے بیان فرمائی ہے مناسب مقام ہونے کے باعث تحریر میں آئی اعمیٰ را چہار مرتبہ است یکے اعمیٰ کافر است کہ مطلق نابیناست فردا روز جزا مطلق نابینا باشد و محجوب از حق تعالی باشد قولہ تعالی کلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون دوم اعمیٰ مومن مقلد است کہ نابینا از استدلال است کہ ایمان خود را محکم باستدلال نکرد۔ ایمان ضعیف دارد۔ فردا روز جزا بر حسب آں نابینا و محجوب از مراتب اہل استدلال باشد سوئم اعمیٰ مومن مستدلال است کہ امروز نابینا از کشف مشاہدہ است ایمان وے بہ تحقیق اہل کشف نرسیدہ است۔ فردا روز جزا بر حسب آں نابینا و محجوب از مراتب اہل کشف و مشاہدہ باشد چہارم اعمیٰ دو بینان اند کہ قایل بہ کثرت وجود اند بہ ایمان اہل وحدت نہ رسیدہ اند۔ فردا روز جزا ہر چند در جنت بوند از مراتب اہل وحدت نابینا و محجوب باشند ۲-۱۲-

از بادۂ عشق تو ہمہ مردان مست ‌ ‌ ‌ نامردان را ازیں قدح رنگے نیست

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔ باقی وہی جو فنا فی اللہ ہو موجود میں مرتبہ اعلیٰ بجز ہستی مطلق اور کسکو ہے کہ خود بخود ہے۔ اور غیر ہستی مطلق عدم محض۔ وغیرہ لاشئے۔ شیخ رکن الدین شیرازی قدس سرہ در نصوص خصوص فی شرح الفصوص و شیخ ابراہیم شطاری قدس سرہ در آئینہ حقایق نما شرح جام جہاں نما میفرمایند۔ الوجود عدم العدم والعدم عدم الوجود ؎

وجود حیثیت عدم العدم ‌ ‌ ‌ عدم حیثیت عدم الوجود ای عم

نماندہ درین بحث الا وجود ‌ ‌ ‌ کہ غیر وجود ست بشک عدم

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ہر چیز ہالک و نابود ہے مگر ذات مطلق نہ کہ جیسا اہل ظاہر نے خیال کیا کہ ہر شے بروز قیامت ہلاک ہو جائے گی صاحب گلشن راز قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

ہر آنکس را کہ اندر دل شکے نیست ‌ ‌ ‌ یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست

دو چشم فلسفی چوں بود احول ‌ ‌ ‌ ز وحدت دیدن حق شد معطل

وجود ممکن کو غیر واجب اعتقاد کیا ایک حقیقت کو دو تصور کیا۔ اور نہ سمجھا کہ

سلہ اول و آخر توی کبست حدوث و قدم ظاہر و باطن توی بحیثیت وجود و عدم اول بے انتقال آخر بے ارتحال ظاہر بے چند و چوں باطن بے کیف و کم صاحب بحر الحقایق فرمائید کہ اول ہست در عین آخریت و آخر ہست در عین اولیت و بہمین منوال ظاہر است در عین باطنیت و باطن ہست در عین ظاہریت حضرت شیخ ابو سعید خراز قدس سرہ را پرسیدند کہ خدائے تعالیٰ را بہ شناختی فرمودند بآنکہ میان اضداد جمع کردہ پس این آیہ خواندند و فرمودند کہ متصور نیست جمع اضداد الا از حیثیت واحدہ و اعتبار واحد در آں واحد ؎

اولی و ہم در اول آخری ‌ ‌ ‌ باطنی و ہم در آن دم ظاہری

تو محیطی بر ہمہ اندر صفات ‌ ‌ ‌ وز ہمہ پاکی و مستغنی بذات

نور وجود جو اعیان ممکنہ پر چمکا وہی نور وجود حبیب ہے اور غیر وجود مطلق کوئی موجود نہیں لاجرم وحدت حقیقی حق نہ دیکھا اور ذوق شہود توحید سے محروم رہا

نظر بر ہر چہ افگندیم واللہ　　نیامد در نظر ما را بجز اللہ

خواجہ حسین منصور حلاج نے کیا خوب فرمایا اللہ مصدر الموجودات اسے مظہر الموجودات والیہ المصیر منہ بدر والیہ یعود۔ حضرت شیخ محب اللہ قدس سرہ میفرمایند کہ "وجود اضافی کہ وجود عالم است موہوم محض است وجود حقیقی و موجود حقیقی حضرت حق تعالے است وبس۔ پس در میان نماند مگر وجود واحد حقیقی پس کجا گنجائش اینکہ واجب تعالے کلی باشد چہ جائے کلی طبعی کہ ممتنع الوجود است در خارج"۔ جب وجود واحد مطلق نے مراتب تنزلات میں جلوہ فرمایا متعین بہ تعین و متقید ہوا۔ یہی متقید جزی اور مطلق کلی کہلایا۔ مطلق شامل مقید کلی شامل جزی ہے اور مقید جزی بجہت تقید۔ کلی سے محجوب رہی نسبت اشیائے موجودہ متعینہ بہ وجود مطلق کہ حق اسی سے عبارت ہے نسبت جزی یا کلی ہے۔ وجود موجودات بہ حیثیت نسب و اسمار کثیر ہے وہ وہ بہ حیثیت ذات کہ وجود ہے واحد ہے۔ کیونکہ غیر وجود عدم محض۔ ذات واحد باعتبار تکثر نسب و صفات متکثر نہیں ہوتی اور نمود کثرت اسمار میں ہے نہ ذات میں حضرت مولنا نور الدین جامی قدس سرہ در شرح رباعیات فرمودند

در مذہب اہل کشف و ارباب خرد　　ساریست احد در ہمہ افراد عدد
زیرا کہ عدد گرچہ برون است ز حد　　ہم صورت و ہم مادہ اش ہست احد

حضرت عین القضاۃ ہمدانی قدس سرہ میفرمایند۔ "ای عزیز کارے کہ با غیر منسوب بینی بجز از خدائے تعالے آن مجازی میدان نہ حقیقی۔ فاعل مطلق حقیقی خدا را دان آنجا کہ گفت قل یتوفکم ملک الموت الذی مجازی میدان

حقیقتش آن باشد اللّٰہ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا۔ مگر موسے علیہ السلام از بہرِ این میگفت اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ۔ موحد کے نزدیک قایم بہ جملہ اشیار خواہ اجسام ہوں یا ارواح وجود مطلق ہے اور وہی قیوم عالم۔ ذکر روح محض عبادت سے زیادہ نہیں۔ و فی الحقیقۃ لیس الا الحی الحی القیوم۔ یہاں نکتہ یہ کہ ہستی مطلق سے ہر مرتبہ میں جملہ قیود کے ساتھ اوسی مرتبہ کے مناسب فیض و تجلی کا اظہار نہیں ہوتا۔ کبھی ارواح لطیف کا ظہور۔ کبھی کسوت اجسام کثیف کا جلوہ۔ و موحد ذات منزہ عن الکل۔ اور نادان اسی روح کو ذات حق کہتا بندے کو خدا جانتا ہے والعیاذ باللّٰہ من ذلک معنے توحید کے یہ ہیں یکے دانستن و یکے گفتن[۱] کما قال اللّٰہ تعالےٰ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا اٰخَرَ الآیۃ و معنے اتحاد یکے شدن است۔ اور یکے شدن سے یہ غرض نہیں جیسا کہ قاصر نظروں نے حلول کا توہم کیا۔ تعالےٰ اللّٰہ عن ذلک علوا کبیرا۔

مولنا عطار قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

اینجا حلول کفر بود و اتحاد ہم ‏ ‏ ‏ این وحدتیست لیک بہ تکرار آمدہ

---

[۱] یہ دانستن و گفتن ابتدائی مراتب ہیں ورنہ توحید صرف دیدن ہی دیدن ہے نہ دانستن و گفتن بلکہ دیدن بھی اصل توحید نہیں۔ کیا خوب فرمایا حضرت پیر ہرات اور آن کے پیر و مرشد نے ارشاد ہوتا ہے توحید یہ نہیں کہ حق کو یگانہ جان سے بلکہ یہ ہے کہ تو اسیکا یگانہ ہو جائے ان کے پیر و مرشد کا ارشاد ہے۔ اے بیٹے جہان میں ایک کہنے والے تو بہت ہیں مگر ایک کو جاننے والے کم اور ایک جاننے والے بہت۔ ایک کو دیکھنے والے کم۔ ایک کو دیکھنے والے بھی بہت۔ مگر ایک ہی ہو جانے والے کم بہت کم ہیں ۱۲۔

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکست اینجا
چوں وصل درنگنجد ہجراں چہ کار دارد

حضرت مولانائے روم قدس سرہ کا ارشاد ہے "مقصود از اتحاد آن ست کہ چون سالک بر جمیع مقامات عبور کردہ باشد وبہ قوت مجاہدات و ریاضات مس نفس خود را اکسیر اعظم ساختہ و باز تمامت اعمال خود را ناکردہ انگاشتہ و قابل صفات احدیت شدہ بعد ازاں از سر جمیع ارادت روحانی و جسمانی صوری و معنوی برخیزد وبہ ارادت او متصل گردد تا بہ صفت او موصوف شود چنانکہ شیخ ربانی اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ میفرمایند ؎

چندان بروایں رہ کہ دوئی برخیزد	در ہست دوی بہ رہ روی برخیزد
تو او نہ شوی و لیک اگر جہد کنی	جائے برسی کز تو توی برخیزد

معرفت ذات باعتبار صفات یہی کہ عالم صفات حق ہے۔ ظہور کنندہ ذات مطلق ہے حقیقت واحد کا طور۔ نہ کچھ فکر نہ کچھ غور ؎

سرمد اگرش وفاست خود مے آید	در آمدنش رواست خود مے آید
بیہودہ چرا در پے او میگردی	بنشیں اگر او خداست خود مے آید

مالا جپوں نہ کر جپوں اور مکھ سے کہوں نہ رام
مورا رام مُجھ کو جپے تو میں پاؤں بسرام

تجلی ذات وصول الی الذات (واصل باللہ) کا یہی مقصد کہ جو جب تھا اب بھی ہے الان کما کان۔ نہ کہ معرفت کنہ کہ ممتنعات سے ہے۔ رہی توحید احسانی اُس کا یہی منشا کہ باقی اب بھی موجود ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا

لا موجود الا اللہ[1] ظاہر ساجد باطن مسجود اللہ اللہ اللہ ؎

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر	سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

ما رأیت شیئاً الا و رأیت اللہ فیہ۔ بقا باللہ کہ کاملوں کو حسب حال حاصل ہے

[1] معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یک ست اینجا	چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار دارد ۱۲

اسی کا نام کہ سالک تجلی ذاتی میں فنا بہ بقائے حق باقی اپنے کو مطلق بے تعین جسمانی و روحانی دیکھتا۔ اسکا علم کہ علم کل ہوا تمام ذرہ کائنات پر محیط سب کا مشاہدہ کرتا جمیع صفات الٰہیہ کے ساتھ متصف قیوم و مدبر عالم ہوتا اور کوئی چیز سوا اپنے نہیں دیکھتا ہے۔ یہی کمال توحید عیانی ہے ؎

آں کہ سبحانی ہمیں گفت آں زماں | ایں معانی گشتہ بود او را عیاں
ہم ازیں رو گفت آں بحر صفا | نیست اندر جبہ ام غیر خدا
آن انا الحق کشف این معنی نمود | گر بصورت پیش تو دعوی نمود
لیس فی الدارین ہر کو گفتہ است | در این معنی چہ نیکو سفتہ است
چوں نماند از تو ہستی با تو اثر | بے گماں یابی ازیں معنی خبر

پس مصطفےٰ علیہ السلام چوں پیش وجود حق خود را ندید وانچہ دید ہمہ حق دید لاجرم گفت من رانی فقد رای الحق قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... حکایۃ عن اللہ تعالیٰ انا اقرب بک منک کلہم یطلب رضای وانا اطلب رضائک یا محمد۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ شان نزول ایں حدیث در محبوب الٰہی الکبین چنیں بیان فرمودہ اند کہ وقتے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا در نزد حضرت سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرمودند من انت فرمودند انا عائشہ باز فرمودند من عائشہ فرمودند بنت ابی بکر باز فرمودند من ابو بکر فرمودند صدیق محمد باز فرمودند من محمد حضرت صدیق دانستند کہ حضرت علیہ السلام در عالم دیگر اند و چوں حضرت علیہ السلام بہوش آمدند حضرت عائشہ ماجرا

ما در لوز پندار تو ہستی باقی است | میدان بیقین کہ بت پرستی باقی است
گفتی بت پندار شکستم رستم | این بت کہ تو پندار شکستی باقی ست

اظہار نمود ندم آنحضرت علیہ السلام فرمودند لی مع اللہ وقت الخ بدانی جائیکہ محمد از محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خبر ندارد و از عائشہ (رضی اللہ عنہا) چہ خبر دارد اب جامعیت انسان کامل کا ظہور ہے۔ قربت کا اظہار نورٌ علی نور ہے۔ ونفخت فیہ من روحی۔ روح انسان کی اضافت اپنی طرف کرنا صرف تخصیص کا صاف قرینہ کہ خصوصیت[1] کامل شامل ہے

نفس زنفخۂ حق ست جسم تولاشے — مگر کہ جیستی اے گم شدہ نکوشناس
عوام کے بتواند شنید نکتۂ من — نسیم مشک تحمل کجا کند کناس

قال اللہ تبارک وتعالےٰ واذقال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ قطب العالم حضرت بندگی شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں "ترا شاید کہ درخود بنظر کنی کہ کیستی وجیستی واز کجائی دباید دانست کہ خلیفہ قائم مقام مخلف شود ماد ام کہ اوصاف مخلف در خلیفہ متجلی نے فرمایند خلیفہ نباشد قولہ تعالیٰ وعلم ادم الاسماء کلہا یعنے بیاموخت وبنماید نمود آدم علیہ السلام را جملہ اسمائے خود را۔ وجملہ صفات کمالات خود را در و تعبیہ کرد الاالقدم والوجوب پس گشت آدم خلیفۂ حق تعالےٰ" صاحب فصوص الحکم کا ارشاد ہے ومن شرط الخلیفۃ ان یکون علی صورۃ المستخلف۔ مولوی معنوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:-

نے غلط گفتم کہ نائب یامنوب — گر دو پنداری قبیح آید نہ خوب
نے دو باشد تا توئی صورت پرست — پیش او یک گشت کز صورت برست
چوں بصورت بنگری چشمت دو دست — تو بنورش در نگر کاں یک تو است

[1] اسیطرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں المسجد بیت اللہ والمسجد بیت کل تقی تخصیص و اضافت کرامت مکان کے لیے ہے ورنہ اللہ تعالےٰ مکان سے منزہ و پاک ہے

لاجرم چوں بریکے افتد بصر آں یکے باشد دو نایید دلنظر

مکتوبات جوابی حضرت مخدوم الملک شرف الحق والدین یحیٰی منیری قدس سرہٗ میں ہے "معلوم است کہ یک عالم جوہر فرشتہ مقدس ومطہر خاک تیرہ را چوں سجدہ کنند وخاک ملوث ومظلم خلیفہ چوں بود ان اللہ خلق آدم علی صورتہ چوں کشف شود این ہمہ ذوق گردد۔ باقی آئندہ

محمد نذیر الحسن فتح الٰہی

بقیہ حاشیہ ص ۱۸) مثنوی شریف کے اس شعر کی شرح میں ؎

آں موسے کو دریغا تا کنوں عابدان عجل را ریزند خون۔

مولنا بحر العلوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ اگر قبلہ کہ کعبہ شریف است خالی ازاں نور بودے قبلہ نبودے بلکہ مثل صنم بودے خلاصہ آنکہ قبلہ مظہر الہ است والہ با جمیع اسماء وصفات خود دراں مشہود میشود براسے ہمیں قبلہ عبادت گردیدہ واگرنہ این چنیں بودے کس حق در ہمہ جہات است وعبادت سوے ہمہ جہات شروع نیست مگر بسوئے کعبہ شریف ۱۲

اخلاق النسواں۔ اردو زبان میں نسوانی محاسن اخلاق پر ایک جامع اور نہایت دلچسپ کتاب ہے جسکو مولوی محمد عباس صاحب ایم۔ اے نے چار سو پچاسی کتابوں سے اخذ کرکے لکھا ہے اسمیں خصوصیت سے قریباً تمام نامور وبیدار مستورات اسلام کے وہ پُرلطف معارف آمیز حالات جمع کیئے گئے ہیں جنکا مطالعہ ہر شخص کو فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ صوفیانہ خیالات رکھنے والی مستورات کا حال اس کتاب سے زیادہ دوسری جگہ اس خوبی کے ساتھ یکجا ملنا مشکل ہے۔ مولف کا علمی احساس و ادراک قابل داد ہے جنہوں نے عورتوں کے اخلاق لکھنے میں نہایت ہی کارآمد اور دلچسپ پیرایہ اختیار کیا ہے۔ کتاب شروع کرنے کے بعد چھوڑی نہیں جاسکتی۔

قیمت مجلد کی (۱۲) غیر مجلد کی (۸)

مولوی محمد عباس صاحب ایم۔ اے۔ پروفیسر سنیٹ زیویر کالج۔ بمبئی سے منگائی جائے۔

فلسفہ اور تصوف

صلائے عام نام کوئی رسالہ ہے جسکا کام شعر و شاعری اور اردو زبان کی اصلاح بیان کیا جاتا ہے۔ مگر صوفیوں کی صلح کل و گوشہ نشینی کے سبب جہاں ہر اہل اور نا اہل انپر حملہ کرنے کی جرأت کرنے لگا ہے وہاں صلائے عام نے بھی اپنی روش کے خلاف اہل تصوف کے مقابلہ میں قلم اٹھایا ہے۔ چنانچہ اسکی دوسری جلد کے نویں نمبر میں تصوف و فلاسفی کے عنوان سے ایک سربریا مضمون نکلا ہے جس میں حضرت مولانا روم اور حکیم بوعلی سینا کا فلسفہ اور تصوف پر مباحثہ دکھایا ہے۔ اور مولانا کو بوعلی سینا سے زک دلوانے کی کوشش کی ہے۔

اس غیر منصفانہ تحریر کو پڑھکر نواب عبد الرشید خاں صاحب رئیس بریلی ڈپٹی کلکٹر الہ آباد نے کچھ فاضلانہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں جو ذیل میں درج کرکے امید کی جاتی ہے کہ صلائے عام آیندہ ایسی دل آزار مضمون نویسی سے احتیاط کرے گا۔

فلسفہ وہ چیز ہے جس سے اشیاء کی ماہیت جہانتک قوت انسانی کے امکان میں ہے معلوم ہوسکے جبپر محض حواس قدرت نہیں رکھتے اس کے دو طریقہ ہیں۔ ایک استدلال یعنی اُن مقدمات بدیہیہ یقینیہ سے جنپر قوت حواس سے یقین ہوگیا ہو۔ ایسا صحیح نتیجہ پیدا کیا جائے کہ اُس امر کے واقعی یا غیر واقعی ہونیکا یقین ہوجائے جس سے حواس قاصر ہے۔ مثلاً محض حواس کے ذریعہ سے ہم نہیں جان سکتے کہ مثلث متساوی الساقین کے قاعدہ کے

زاویہ آپس میں کم و بیش ہونگے یا برابر ان کے مساوی یا غیر مساوی ہونے پڑیں
شک پڑ گا۔ لیکن جب استدلال اوس کا برابر ہونا ثابت کرے گا تو اطمینان
ہو جائے گا کہ وہ غیر مساوی نہیں ہو سکتی۔ اِس کا نام فلسفہ مشائیہ رکھا گیا ہے
اِس کے سبب بہت علوم پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے جہاں تک اس کے
قواعد و علوم پیدا ہوتے ہیں اُسیقدر بعض امور کی یقین کرنے کو اُن سے
کچھ مدد ملتی ہے۔ لیکن جب مقدمات یقینیہ بدیہیہ کے قایم کرنے اور طریقہ
نتائج میں غلطی ہوتی ہے تو دھوکہ پڑ جاتا ہے اور انسان واقفیت کی بنا بنے میں
غلطی کرتا ہے اسیکے واسطے لکھا گیا کہ پائے استدلالیاں چوبیں بود۔
دوسرا طریقہ اشراقین کا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے آئینہ عقل کو وہم خیال
کے زنگ سے پاک کیا جائے اِس میں جسقدر قوت ادراک قدرت نے
رکھی ہے اُسیقدر بصیرت پیدا کر کے اصلیت امور معلوم کرے بس یہی
تصوف ہے فرق اسقدر ہے کہ اشراقی مختلف امور کی واقفیت دریافت
کرنا چاہتا ہے اور صوفی محض امور ضروریہ کی اشراقی چاہتا ہے۔ مثلاً
جس شئی کی وہ یوں شکل آنکھ سے دیکھکر واقعی اسکا علم حاصل کرلیتا ہے
اسکا محض نظر عقل سے کچھ اثر بھی دریافت کرسکے اِس کے واسطے
حواس کافی نہیں ہیں۔ لیکن صوفی کو صرف اصول مذہبی اور امور تہذیب
کے واقفیت سے غرض ہوتی ہے جس سے وہ احکام شرعی کی پابندی
اپنے شوقِ طبیعت سے کرسکتا ہے اور منہیاتِ شرعی سے اوسکو طبعاً نفرت
پیدا ہو جاتی ہے جسکا نتیجہ اعلیٰ سب جانتے ہیں۔ مثلاً ایک مہربان باپ
جسکو اسکا دو سالہ لڑکا سچا مہربان جانتا ہے اوس سے کہتا ہے کہ یہ
کونین مکسچر پی لو جس سے آیندہ بخار تمکو نہ ستائے گا۔ تمہاری تکلیف

جاتی رہے گی وہ اپنے باپ کے کہنے پر یقین کر کے نہایت نفرت کر کے مجبوراً اوسکو پیتا ہے۔ لیکن پہر باوجود اس علم کے دوسری خوراک پینا نہیں چاہتا جبتک کہ پہر باپ جبر نہ کرے ایسی حالت میں مرض کا پورا دفعیہ مشکل ہے لیکن ایک ڈاکٹر جسکو کونین کی خاصیت کا ذاتی علم ہے خود وہ بغیر کسی کے جبر کے اپنے شوق سے کونین پی کر خوش ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ مرض دفع ہوگا۔ پہر وقت معین پر اپنے شوق سے مکسچر بنا کر پی لیتا ہے اس شوق میں وہ بدمزگی کونین کی بہی اسکو محسوس نہیں ہوتی جو نادان بچہ محسوس کرتا اور اوبکائیاں لیکر پیتا تھا۔ اسیطرح عالم تصوف کو احکام شرعی کی خوبیاں علم ذاتی کے طور پر معلوم ہو کر ان کی پابندی کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور منہیات سے ذاتی نفرت ہو کر وہ اُنسے بلا لحاظ سزائے عدالتی کے محفوظ رہتا ہے۔ پس اگر صفائی قلب کے ہزار طریقے جدا گانہ ہوں تاہم اسکا نتیجہ ایک ہوگا اور جب ہر علم کے واسطے وقت درکار ہے اوس کے واسطے بھی وقت درکار ہوگی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ علوم ظاہر اس کثرت سے ہیں کہ ان سب کو میں تمام عمر میں بہی حاصل نہیں کر سکتا اس لیئے مجھکو کچھ بہی حاصل کرنا نہیں چاہیئے جاہل محض رہنا بہتر ہوگا۔ ایسا ہی کیا یہ کہہ سکیگا کہ تصوف انتہا تک حاصل کرنے کو جب عمر کافی نہیں ہے تو میں کچھ بہی نہیں حاصل کرتا بلکہ انسان جو علم جسقدر حاصل کرتا ہے اُسیقدر اوس سے فائدہ اُٹھاتا ہے +

عبدالرشید

مردے بولنے لگے

مرنے کے بعد روح میں کچھ طاقت باقی رہتی ہے یا نہیں؟ اس میں مختلف عقیدے ہیں۔ بعض کے نزدیک روح جسم سے نکلنے کے بعد بیکار و معطل ہو جاتی ہے اور اسکو دنیا و اہل دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ بعض کا خیال ہے کہ نہیں، روح قفس جسمانی سے آزاد ہونے کے بعد اپنی پرواز کی قوت اور ادراک و احساس میں اور بڑھ جاتی ہے۔ اور جن حالات میں اسنے جسمانی زندگی گزاری اُن سے بھی اسکو آگاہی و خبرداری رہتی ہے۔

ایک زمانہ میں نئی روشنی کے آدمی روحانی عجائبات کے بالکل منکر تھے اور عالم ارواح کے کرشموں کو جہالت کا وہم اور تخیل کی کائنات سمجھتے تھے انکا خیال تھا کہ موت کے بعد روح سے کسی قسم کا نفع اور ضرر نہیں ہو سکتا، اسلیئے اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا اور ان کی ارواح سے فیوض و برکات کا طالب ہونا بیکار و فضول ہے۔ مگر اب جبکہ امریکہ و یورپ میں ارواح کی طاقت کا بدیہی اور علانیہ انکشاف ہونے لگا۔ اور مدت کے مرے ہوئے آدمیوں کی روحوں نے بات چیت کی تو ہندوستان کے گروہ جدیدہ کو بھی اس غیبی طاقت کے وجود کو تسلیم کرنا پڑا۔

یورپ میں ہزاروں آدمی علم باطن کی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ اور اس معاملہ پر ان کے ہاں متعدد اخبار و رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں مراقبہ سے جس قسم کے مشاہدے و مکاشفے ہوتے ہیں ان کی شان تو اعلیٰ ہے اور اہل یورپ کو ابھی اس طریقہ کی ہوا بھی نہیں لگی۔ لیکن جسطرح

بعض عامل حاضرات وغیرہ سے ارواح کو حاضر کیا کرتے ہیں اسطرح وہاں بھی کچھ رواج ہوا ہے اور جگہ جگہ اس قسم کے تجربوں کے لیئے حلقے قائم ہو رہے ہیں۔ ذیل میں لندن کے ایک حلقہ کا ذکر انگریزی سے ترجمہ کیا جاتا ہے جنہوں نے بعض مرے ہوئے انگریزی وزرا اور مدبرین کی ارواح کو طلب کیا اور ملکی معاملات میں اُن سے بات چیت کی گنجائش ہوئی اور ناظرین نے پسند بھی کیا تو آئندہ اِس قسم کے واقعات کا انگریزی سے ترجمہ ہوتا رہیگا نیز حضرت مُدیراعلیٰ مولانا خواجہ حسن نظامی سے درخواست کی جاسے گی کہ ہندوستان کے ہندو و مسلمانوں میں اِس فن کے متعلق جو کچھ پایا جاتا ہو اسکو قلم بند فرمائیں اِس طریقہ سے ناظرین کو قدیم و جدید حالات میں اندازہ کرنے کا اچھی طرح موقع ملے گا۔

مسٹر سٹیڈ نے فورٹ نائٹلی ریویو میں ایک دلچسپ مکالمہ درج کیا ہے جو بجٹ کے معاملہ اور ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز کی موجودہ جنگ کے متعلق اِن کے اور لارڈ بیکنسفیلڈ مرحوم وزیراعظم انگلستان کے درمیان ہُوا۔ نیز مسٹر گلیڈسٹون اور مسٹر جان برایٹ اور دیگر مردہ برٹش مدبروں سے مسٹر سٹیڈ نے بات چیت کی۔

وہ کہتے ہیں کہ ۵ ستمبر کی صبح کو جب حلقے نے نشست کی اور دروازہ کھولا گیا تو میں نے آرزو ظاہر کی کہ اگر مسٹر گلیڈسٹون یا مسٹر جان برائٹ کی روح یہاں موجود ہو تو وہ براسے مہربانی ہمیں بتلائیں کہ موجودہ حالت کی نسبت اِن کی رائیں کیا ہیں ؟۔

معمول نے کہا۔ اِن دونوں شخصوں میں سے میں کسی کو نہیں دیکھتا؟ اِس کے بعد میرے بیٹے کا پیغام آیا۔ اور پھر معمول نے دفعتہً کہا "تعجب ہے" اِس شخص کو

یں نے کبھی نہیں دیکھا۔ مسٹر بنجمن ڈزرائیل (لارڈ بکنسفیلڈ) آپ کے قریب کھڑے ہیں
نہایت مجھے یہ سنکر خوشی ہوئی۔ لیکن یہ وہ آخری شخص ہیں جن سے مجھے
ملاقات کرنے کی توقع تھی کیونکہ وہ ہماری پارٹی کے سخت دشمن تھے۔"

لارڈ بکنسفیلڈ نے جواب دیا "میں جانتا ہوں کہ اس وقت ہم باہم مخالف
تھے مگر جب سے میں یہاں آیا ہوں میرے خیالات بالکل بدل گئے ہیں۔ تاہم
انگلینڈ کے موجودہ پالٹیکل معاملات میں مجھے بیحد دلچسپی ہے۔"

مسٹر سٹیڈ "مسٹر ڈزرائیل! بجٹ کے متعلق ہم آپ کی رائے سننے
کے بہت مشتاق ہیں۔"

لارڈ بکنسفیلڈ "میرے لیے زمین پر آنا مشکل ہے شاید یہ سنکر
تمہیں تعجب ہوگا کہ پولیٹکل دنیا سے میرا تعلق آجکل لارڈ رابرٹ سسل کی
وساطت سے ہے۔"

معمولی آہستگی سے بولتا تھا گویا کہ وہ بہت دور سے آنے والی آواز کو
بڑی کوشش سے سنکر بولتا تھا۔

مسٹر سٹیڈ "کیا آپ لارڈز کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ بجٹ کو نامنظور
کریں یا نہیں؟"

لارڈ بکنسفیلڈ "یہ جنگ میرے لیے نہایت فرحت انگیز ہے۔ آپ کو
معلوم ہے کہ میں کسی قدر ظرافت کا مادہ رکھتا تھا۔ میں بخوبی دیکھتا ہوں۔ کہ
موجودہ گورنمنٹ نے دارالامرا کو کیسی سخت مشکل میں پھنسا دیا ہے جس کا میں
ممبر تھا۔ میری ہمدردی میری جماعت کے ساتھ ہے اگر میں آجکل ہوس آف
لارڈز میں ہوتا تو میں یہ صلاح دیتا کہ بجٹ کو پاس کر دیں اور اس کے بعد جنرل
الیکشن کیا جائے۔ تاکہ ہوس آف لارڈز کی ہستی کا سوال الیکشن میں پیش ہوتا

اور صرف ٹریڈ ریفارم کا مسئلہ متنازعہ باقی رہجاتا"

مسٹر سٹیڈ "جب آپ زندہ تھے تو کیا اسوقت آپنے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ محاصل تحفظ کی پولیسی نہ صرف مرگئی ہے بلکہ ملعون ہوگئی ہے"

لارڈ بیکنسفیلڈ "ہاں بیشک میں نے کہا۔ اور یہ سچ تھا لیکن میں سچائی کا ذکر نہیں کرتا بلکہ اپنی پارٹی کی پولیسی کا تذکرہ کرتا ہوں"

مسٹر سٹیڈ "کیا تم دیکھ سکتے ہو کہ کیا ہونے والا ہے بلا لحاظ اس امر کے کہ کیا ہونا چاہیئے؟ ظاہر ہے کہ ہوس آف لارڈز بجٹ کو ضرور نامنظور کریگا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ در اصل کیا ہونے والا ہے"

لارڈ بیکنسفیلڈ "اس معاملے میں کوئی صاف رائے نہیں دے سکتا لیکن میری یہ رائے ہے کہ آخر کار بجٹ پاس ہوگا۔ گلیڈسٹون کی بھی یہی رائے"

مسٹر سٹیڈ "کیا مسٹر گلیڈسٹون اور آپکے درمیان آجکل دوستی ہے"

لارڈ بیکنسفیلڈ "ہاں ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں لیکن ہماری ملاقات شاذونادر ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک اور دنیا میں ہے"

مسٹر سٹیڈ "آپ کو یاد ہے کہ کسی زمانہ میں مجھے آپسے کسقدر نفرت تھی۔ اور میں تین سال تک ہر روز ایک آرٹیکل آپکے خلاف لکھا کرتا تھا جسمیں یہ خواہش ظاہر کیجاتی تھی کہ آپ جہنم رسید ہوجائیں تو بہتر ہو"

لارڈ بیکنسفیلڈ "لیکن تمہیں بڑی مایوسی ہوگی کہ تمہاری آرزو پوری نہوئی جب کل رات تم گفتگو کر رہے تھے تو لارڈ سالسبری تمہارے پیچھے کھڑے تھے اور تمہارے الفاظ پر اثر ڈال رہے تھے۔ وہ بھی اس امر کے خلاف ہیں کہ لارڈز بجٹ کو رد کریں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ دیوانگی ہوگی۔ دوران الیکشن میں جو عنقریب ہونے والا ہے بہت سی

روحیں زمین پر آئیں گی۔اسوقت تمہیں ان کے ساتھ بات چیت کرنے کا اچھا موقع حاصل ہوگا۔"

مسٹر سٹیڈ۔"اگر بجٹ پاس ہوا تو جنرل الیکشن جلدی کیوں ہوگا"؟

لارڈ بیکنسفیلڈ۔"میں خیال کرتا ہوں کہ تم دیکھو گے کہ الیکشن بہت جلد ہوگا۔اچھا سلام۔

اب مجھے جانا ضروری ہے۔

۳۔اکتوبر کو جولیا کے دفتر میں مسٹر سٹیڈ نے پھر حلقہ کیا۔اس روز نہ صرف لارڈ بیکنسفیلڈ بلکہ مسٹر گلیڈسٹون۔لارڈ سالسبری مسٹر جان برائٹ۔مسٹر بریڈلا۔مسٹر چیمبر ڈ۔زکہ یڈن کی روحیں بھی یکے بعد دیگرے آئیں مسٹر بریڈلا نے اپنے مکالمہ کے شائع کرنے کی بھی بڑی خوشی سے اجازت دی کیونکہ انہوں نے کہا کہ مادہ پرستی کی غلطی مجھپر کھل گئی اور اب میں روحانیت کا قایل ہوگیا ٭

محمد ارتضےٰ۔احمدی

سعود برزگ کو پیچانکر اس کا حق عبادت ادا نکرنا۔" کلام الٰہی پڑھکر اسپر عمل نکرنا۔" نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کر کے سنت سے سروکار نرکھنا۔" شیطان کو اپنا دشمن جاننا اور اس کے کہنے پہ چلے جانا۔" اپنے تئیں اہل جنت سمجھنا اور جنتیوں کے سے کام نکرنا۔" موت کو برحق جاننا اور اسکے لیے مستعد نرہنا۔" دوزخ سے اپنے آپ کو بری سمجھنا مگر اس سے بچنے کے کام نہ کرنا۔" دوسروں کے عیب تلاش کرنا اور اپنے عیبوں سے بے خبر رہنا۔" پروردگار کی نعمتوں کا شکریہ ادا نکرنا۔" لوگوں کو مرتے دفن ہوتے دیکھکر عبرت حاصل نکرنا۔" ایسے عیوب ہیں کہ حضرت ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انکے کرنیوالے کا دل مردہ ہوجاتا ہے اور اسکی دعا مشکل سے قبول ہوتی ہے۔

حقوق اللہ

(۱) عجز و انکسار

جب ہم باری تعالیٰ کو خالقِ کل اور شہنشاہِ دوجہاں سمجھکر اسکی عبادت کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری امیدوں کا پورا کرنے والا ہے اور بہرحال ہمارا نگہبان و محافظ ہے۔ تو ہمارے دل میں سب سے پہلا خیال اسکی بزرگی کا اور اپنی چھٹائی کا آنا چاہیئے۔ جب ہم اس زبردست خدائے واحد کی عظمت اور جلال کا انسان کی صفات سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو انسان کیسا ضعیف اور حقیر معلوم ہوتا ہے۔ فی الحقیقت انکساری عجیب شے ہے۔ اور یہ انسان ہی کے شایاں ہے۔ انسانی طبیعت پر اگر غور کیا جائے تو اسمیں غرور سے بڑھکر اور کوئی صفتِ بد نہیں پائی جاتی۔ پلاٹنی کا یہ قول کہ "دنیا میں انسان سے بڑھکر ناقدر اور متکبر کوئی نہیں ہے" بالکل درست اور ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انسان کو غرور کس بات کا ہے؟ صرف اسکا کہ اسکی ابتداء خاک سے ہے۔ اور اس کے اعلیٰ سے اعلیٰ ایجاد کردہ اور حاصل کردہ علوم و فنون ناپیدا کنار سمندر کے چند قطرے ہیں۔ اور انجام کار وہ قبر میں جاکر سو رہتا ہے ع "یہ خاک سے بنا ہے پھر خاک میں ملیگا"

آدمی را کہ خلقت از خاک است
بسر انجام خاک خواہد شد

انسان کے کل کام کاج اور ارادے خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہیں۔ اسکی اعلیٰ مرضی کے بغیر وہ ایک سانس بھی نہیں لے سکتا۔ پروردگار عالم ایک ہی

لمحہ میں اس سے اس کے دوستوں کو جدا کر سکتا ہے۔ اس کی لازوال دولت کو اپنی زبردست طاقت سے اڑنے کے پردے کر ایک سے دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے اس کی تندرستی کو پل بھر میں بیماری سے بدل سکتا ہے بھوک اور پیاس۔ دکھ اور بیماری۔ غم اور مایوسی خدائی حکم سے ہر وقت اسے گھیر سکتے ہیں۔ انسانی علم بہت ہی محدود ہے۔ اس کے قصور۔ اس کے گناہ بے شمار۔ اور خوب روشن ہیں۔ باری تعالیٰ کے پیدا کردہ چیزوں میں انسان ذرہ بے مقدار سے کم حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم عاجزی اور انکساری کے تمام اسباب کے ہوتے ساتے شکسپیئر کے قول کے مطابق "انسان مغرور انسان ایسے ایسے حیرت خدا کے سامنے کھیلتا ہے۔ کہ اسکے ان ذلیل افعال پر فرشتوں اور پاک روحوں کو بھی رونا آ جاتا ہے" یقیناً جب ہم اس زبردست ذات کے حضور میں کھڑے ہوں۔ تو ہمارا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ ہم عجز اور انکساری کام میں لائیں سب لوگوں کے نزدیک وہ شخص عزیز ہے جس کا مرتبہ اس کے علم اور عجز کے سبب بلند ہے اور اسی طلسم کے آگے بہشت کے دروازے وا ہو جاتے ہیں" جس ولی کے سر پر بارگاہ خداوندی سے رحمت کا تاج پہنایا جاتا ہے اس کی پشت عاجزی کے سبب جھک جاتی ہے۔ اور رحمت کے بوجھ سے اس کی عاجزی کا سر زمین پر ٹک جاتا ہے۔ پھر جوں جوں روح کو بلندی کی جہت سے قرب الٰہی ہوتا جاتا ہے۔ ووں ووں وہ مجسم عاجزی بنتی جاتی ہے"

(مونٹ گومری)

تواضع کلید در جنت است — سرافرازی و جاہ راز نیست است

تواضع عزیزت کند در جہاں — گرامی شوی پیش دلہا چو جاں

سعدی

(۲) ادب

خدا کو (جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے) خالق کل، اور زبردست حاکم ماننا ہی ہمارے دلوں میں خوف اور ادب کا گہرا احساس پیدا کر دیتا ہے۔ تمام دُنیا کے مذاہب کی جڑ اور بنیاد اس ذات لم یلد ولم یولد کے ادب کرنے پر قایم اور برقرار ہے۔ لیکن پورے طور پر اور کامل جوش کے ساتھ اُس کا ادب کرنے کے لیے اُس کی ذات کی نسبت کچھ جاننا ضروری ہے اور اُس کی بابت واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس کے کاموں پر جس کے ذریعے اُس نے ہم پر اپنی شان ظاہر کی ہے غور و خوض کرنا چاہیئے۔ لوگوں کے خدائے برحق کا کامل طور پر ادب نہ کرنے کے سبب بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کی شان و شوکت۔ اس کے عظمت و جلال اس کی بڑی طاقت۔ اس کے ہر وقت حاضر و ناظر ہونے کے وجود کی اصلیت کو بہت کم جانا ہے۔ اور وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتے۔ اس لئے کہ وہ باری تعالیٰ کو اُس کے کاموں میں دیکھنے کے عادی نہیں ہیں۔ اس لیئے ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے آپ کو نفس کے پنجے سے چھڑائیں اور اپنی ننھی ننھی جانوں کی حفاظت کا خیال ذرا کم کردیں۔ اور زیادہ وقت خدا تعالیٰ کے کاموں پر غور کرنے کے لیے صرف کریں۔ اسطرح ہمیں نسبتاً خدا تعالیٰ کی بابت ذرا واقفیت زیادہ ہو جائے گی اور ادب اور بزرگی کا خیال ہمارے دلوں میں پختہ ہو جائے گا۔ انسانی روح ایک بے جان چیز کی عزت و احترام نہیں کرتی بلکہ وہ عجز و انکساری کا سر اس ذات کے سامنے جھکاتی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والوں پر یکساں حکومت کرتا ہے۔ ایک قابل ادب مصنف لکھتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو جاننے کے بغیر

ہمارے خیالات اگرچہ وہ اعلیٰ اور پاکیزہ ہی کیوں نہوں۔ ہمارے دلوں میں اس ذات کا پورا پورا رعب نہیں بٹھا سکتے۔ جتنا کہ معمولی خیالات اپنے آپ کو جاننے کے بعد بٹھا سکتے ہیں

(۳) محبت اور شکر

لیکن خدا تعالیٰ کو صرف خالق اور محافظ مخلوق ہی نہیں بلکہ کل کائنات کا اصلی شہنشاہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ باری تعالےٰ نے نہ صرف تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ بحیثیت ایک خدا کے اپنی خاص بخشش اور رحمت کے سبب خلقت کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اور تمام ارادوں کو خوش اسلوبی سے نیک انجام پر پہنچاتا ہے۔ پدرانہ خبرداری اور محبت سے بڑھکر وہ ہماری خبرگیری کرتا ہے۔ ہمارے حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ ہمیں دکھہ درد سے نجات دیتا ہے تکلیف اور مصیبت کی گھڑیوں میں ہمارا ساتھہ دیتا ہے۔ قصہ کوتاہ وہ اسقدر مہربان ہے۔ کہ اکثر ہمارے گناہوں پر معافی کا قلم پھیر دیتا ہے۔ وہ نیکی کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اس سے بڑھکر وہ سب سے زیادہ محبت کرنے کے قابل ہے قدرتاً اور فطرتاً نیکی سے ہر ایک محبت کرتا ہے اور جب ہم اسے کسی آدمی میں دیکھتے ہیں۔ تو خواہ مخواہ ہمارے دل نہایت جوش کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

لیکن جب کبھی ہم ایزد برحق کی لا انتہائی حقیقت اور اصلیت کو جان جائیں۔ تو ہمکو چاہیئے کہ ہم کامل محبت کے ساتھہ اس کی طرف رجوع کریں۔ یہانتک کہ ہمارے دل اس کی دلسوز محبت کے احساس سے جل جائیں خدا تعالےٰ کی محبت انسانی زندگی کی جان اور نیکی کی سرچشمہ ہے۔

پروفیسر فلیمنگ کہتا ہے۔ اور بہت سے ایسے احساس ہیں۔ جو ہمکو

بسا اوقات اطاعت اور عبادت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس قسم کی عبادت خلوص دل سے ہونی ممکن نہیں۔ اِس لیے یہ احساس زندگی کی عام روش کے لیئے بالکل نا قابل ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے بذریعہ خوف مجبور کیا جاتا ہے۔ لیکن جب ڈر اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اس کا جوش اپنے مقاصد کی انجام دہی میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اور پھر پہلی سی بیوقوفی یعنے کاہلی کا مرتکب ہوتا ہے۔ بعض اوقات چال چلن کا خیال بہتوں کو برملا گناہ کرنے سے روک دیتا ہے۔ لیکن خفیہ طور پر گناہ کرنے سے روکنے میں قاصر ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ کی محبت ہی ایک ایسا زبردست اصول ہے۔ جو ہر وقت اور ہر ایک حالت میں راہِ راست کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بات کسی خاص موسم تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر ایک موسم۔ ہر ایک عمر۔ ہر ایک حالت میں یکساں اثر رکھتا ہے۔ دوسرے اصولوں پر بھی عملدرآمد کیا جاتا ہے۔ لیکن اسوقت تک جبکہ خواہش کا طوفان یا جوشِ ناجائز کی زیادتی اِن اصولوں کے وسیع اختیار میں سدِ راہ نہ ہوں۔ لیکن صرف خدا کی محبت ہی ایک ایسا قانون ہے۔ جو آزمائش کی ہر ایک حالت میں اپنا یکساں اختیار برقرار رکھتا ہے۔

خدا کی محبت زبردست سے زبردست خواہش کے طوفان کو تھما دیتی ہے۔ خوفناک جوش اور ناجائز غصے پر غالب آجاتی ہے۔ اور ہمیں پہلے سے زیادہ غائبانہ طاقت کے ساتھ نیکی کے راستے پر چلنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ جو شخص محبت کے کوچے سے آشنا ہے۔ وہ منزل مقصود کو اس مزدور کی طرح جو ناقابلِ برداشت بوجھ سے دبا جاتا ہو۔ آہستہ آہستہ اور لڑکھڑاتا ہوا طے کرتا ہے۔ لیکن برخلاف اِس کے محبت کی شراب سے

لبریز ہے۔ وہ اس کٹھن منزل کو نہایت آسانی اور خوشی سے طے کر لیتا ہے۔ ؎

مے لعل دہ ساغر زر نگار بود در جہان پرور چو لعل نگار

اور اسے زندگی کے فرائض کے انجام دینے میں ایک قسم کا حظ اور لطف
حاصل ہوتا ہے۔ اس سے بڑھکر وہ اپنی قسمت کی گردشوں کے آگے نہایت
عاجزی اور دل خوش کن صبر سے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اور تکلیف کے وقت
بھی وہ پورے اور کامل بھروسے کے ساتھ تمام کاموں کو اپنے مولا کی رضا پر
چھوڑ دیتا ہے۔ کامل اعتقاد کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا پر بھروسہ کرنا
جو صرف اس کی محبت کا نتیجہ ہے۔ سب سے اعلیٰ اور شریفانہ کام ہے۔ جو
انسان ہی کے شایاں ہے۔ اور جو اسکا مرتبہ حاکم عادل کی نظر میں بڑھا دیتا
ہے۔ خدا تعالیٰ صرف دل کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا عجز و انکسار چاہتا ہے
اگر انسان کا دل عاجزی پر مایل نہیں تو وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں اپنی قدر و منزلت
کھو بیٹھتا ہے ✣

ہم کتنا ہی مذہبی ارکان اور رسوم کے میدان میں بے صبری کے قدم
بڑھا بڑھا کر چلیں۔ اور کتنا ہی ہم خشوع و خضوع کے ساتھ الفاظ کی تکرار
کریں۔ لیکن اگر ہم میں محبت کی چنگاری جو فی الحقیقت عبادت کی جان ہے
شعلہ زن نہیں ہے تو وہ جسمانی عبادت کسی مصرف کی نہیں۔ اور ہمیں کچھ
فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ نہ تو وہ ہمارے دلوں کے واسطے کچھ اطمینان بخش
ثابت ہو سکتی ہے اور نہ خدا کے نزدیک قبولیت کا شرف حاصل کر سکتی
ہے۔ ہم چاہے کتنا ہی اس دنیا میں آن بان سے رہیں۔ لیکن اگر
خدائے پاک کی کبریائی کا احساس (جس پر اعتقاد رکھنا ہمیں ہرگز ہرگز چاہ ضلالت
میں نہیں ڈالتا) نہ کریں۔ تو ہماری نیکیاں یا تو بالکل برباد کر دی جائینگی

یا انہیں اکارت سمجھکر ان پر کچھ التفات نہیں کی جائیگی۔

یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اگر ہمارے نیک کاموں کیوجہ سے ہماری تعریف کریں اور شاید ہم ان کی تعریف کے مستحق بھی ہوں یا وہ لوگ جو ہم پر دراز سا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور کبھی ہم سے فیض حاصل کرنے میں ناامید نہیں ہوئے۔ شاید وہ اپنے دوستوں کے سامنے ہماری تعریف کرتے ہوں۔ یا لوگ ہمیں معزز خیال کرکے ہمیں سلام کریں۔ اور کبھی وہ اس فعل (یعنی سلام کرنے) سے نادم نہ ہوئے ہوں یہ سب کچھ سہی لیکن جب کبھی ہم اس کی بارگاہ سبحانی میں حاضر ہوتے ہیں تو ہم دل سے پوچھتے ہیں کہ تونے خلاق عالم کو راضی کرنے کے لیے کیا کیا اور کیا تو دنیا میں اس کے احکام کے بموجب عمل درآمد کیا کرتا تھا۔؟ اسوقت ہم یہ دیکھکر کف افسوس ملتے ہیں۔ کہ دنیا میں ہمارے رہنما صرف تعریف و تحسین خلائق تھی اور بس اِس لیے لوگوں کا حسن ظن ہی ہمارے ظاہری اور پُرازریا عبادت کا ثمرہ ہے۔ جو ہم نے دنیا ہی میں پالیا۔ اگر ہم محض اپنی ظاہری شان و شوکت کا پاس رکھتے ہوئے اِس ذات والا کے اخلاق حسنہ سے بالکل اثر پذیر نہوں۔ اور خداتعالی کی قدرت کے نشانات دیکھنے کے باوجود اس پاک اور بے ہمتا ذات کی صناعی اور خوبصورتی۔ اس کا جاہ و جلال اور حاکم عادل کا نور جس سے ہمارے تاریک دل روشنی پاتے ہیں۔ اور جو ہمارے شاہراہ کے آگے آگے صاف نورانی روشنی کا عکس ڈالتے ہیں دیکھنے کے لیے ہم اپنی آنکھیں آسمان کی طرف نہ اٹھائیں۔ تو لوگوں کا یہی حسن ظن ہمیں آخر کار مورد عذاب بنا دیگا۔ اور ہم نافرمان بندوں میں شمار کیے جائیں گے +

یہ دیکھکر کہ صرف خداتعالی کی محبت ہی صرف ایسا زبردست احساس ہے

جو ہمارے مردہ جسموں میں جان ڈال سکتا ہے۔ اسلئے ہمیں اپنے میں ایسا احساس پیدا کرنے اور پھر اسے مضبوط کرنے کے ہمہ تن کوشش کرنی چاہئیے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم نہایت غور و فکر کے ساتھ خدا تعالیٰ کے کاموں پر غور کریں۔ اور خصوصاً اپنی زندگی کی تاریخ میں ان کمالات پر جو معرفت باری تعالیٰ کی خوشنودی۔ اور رضا کا نتیجہ ہیں۔ کامل غور و فکر کرتے رہیں۔ ہمیں لازم ہے۔ کہ ان آرام پر نگاہ جو ہمکو شب و روز مہیا ہیں۔ اور ان کا بعث اور خطرات کا جن سے ہمیں اسلئے نجات دی ہے شکر کرتے ہیں۔ اور ان صعوبتوں کا خیال کرتے وقت ہمارے دلوں کے سمندر میں اس خدائے پاک کی محبت اور شکر کی موجیں جس نے ہمیں سلامتی کے ساحل پر پہنچایا اور اپنی برکت کا پیالہ پلایا۔ خیزاں رہنی چاہییں۔ بہر حال ہمیں اپنے حقیر اور ادنے تعلقات خدا تعالیٰ سے ہمیشہ وابستہ رکھنے چاہییں۔ اور ہمارے تمام محبت کے احساس کا مرکز صرف خدا کی ذات ہی ہونا چاہیئے۔ جو اس بات کے شایاں ہے کہ ہم ہر وقت اس کی عبادت دل سے کرتے رہیں۔

ہر ایک انسان کے کیرکٹر میں کسی نہ کسی قسم کا نقص رہتا ہی ہے اور اگرچہ اس کے دوستانہ تعلقات نہایت شریف اور پاک ہی کیوں نہ ہوں تاہم انجام کار مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے دوست اس محبت اور اخلاص سے جو ہم ان کی نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ ہم سے پیش نہیں آتے بعض اوقات ہماری امانتوں میں خیانت کر جاتے ہیں اور جب دوستی انتہا پر پہنچ جاتی ہے۔ اسی وقت سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ سوائے تکلیف اور تصرف کے اور کچھ نہیں ہوتا +

مکن با دوستاں از آشنائی ملت افزوں
چو مژگان اندرون دیدہ آید خار میگردد　　صائب رح

دنیا کی وہ چیزیں جنسے ہمیں محبت سی ہو جاتی ہے حقیقت میں ہم ان کے شایاں نہیں ہیں۔ وہ بسا اوقات ان لوگوں کو جو ان کے دام محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ان کاموں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ جن کا انسان۔ عاقل اور صاف انسان ہرگز ہرگز شایاں نہیں۔ بہت سے ایسے بھی ہیں۔ جنہوں نے خطروں میں پڑکر کامیابی اور شہرت کی کوشش کی۔ لیکن بالآخر ان کی تمام کامیاب کوشش بالکل بے سود ثابت ہوئی بہت سے خدا کے بندے ایسے بھی ہیں۔ جنہوں نے دولت کے سمیٹنے میں جو انسان کو اطمینان کامل نہیں دے سکتی۔ اور جو کسی شخص کے پاس ہمیشہ ہمیشہ نہیں ٹکتی۔ اور جسکا انجام یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک کے قبضے سے نکل کر دوسرے کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ اپنی بیش قیمت عمریں ضائع کیں۔ یہ تو دنیاوی دوستی کی انتہا ہے کہ وہ ہمیں ہرگز ہرگز گوہر مقصود حاصل کرنے نہیں دیتی۔ بلکہ وہ ایک حد تک گمراہ کرنیوالی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی محنت کے اثر کو جس نے ہمیں اصلی گمراہی کا راستہ دکھلایا ہے۔ خیال میں بھی نہ لائیں۔ اور اسکی نسبت غلط رائے قایم کریں۔

ہم جانتے ہیں۔ کہ اگرچہ دنیاوی محبت درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ و علاوہ ازیں وہ گمراہ کرنے والی ہے۔ لیکن خدا تعالی کی محبت اطمینان کامل اور فرحت پائدار بخشتی ہے۔ اس سے بڑھکر وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے جو نہ صرف ہمیں اس زندگی کے دشوار گذار راہوں میں فرحت بخش ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ دنیا ہی میں ابدی راحت کا دروازہ کھولدیتی ہے۔ اگرچہ موت کے صدمے سے دنیاوی تعلقات کی گرہ کھلجاتی ہے اور وہ تعلقات مرنے والے

کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن موت کا صدمہ آسمانی محبت کو اسی طرح قایم و برقرار رکھتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ رشتہ محبت غیر فانی ہے۔

اے خدا۔ او ذوالجلال! میرے خیالات میں تو ہی تو بسا ہوا ہے تیری ہی رضا کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ میری محبت تیری محبت کی مشتاق ہے۔ اور صرف یہی ایک آرزو میرے دل میں ہے۔ اے آرزوؤں کے پورا کرنے والے! میں تیرے ہی خاطر اس دنیا کو الوداع کہتا ہوں"

(ترجمہ از انگریزی) برنی۔ بلونا

خیالی زندگی

اس عالم کی زندگی کو ہماتا ئیدہ رنج والم کی زنجیر کہہ گئے ہیں مگر غور کرو تو انکا ارشاد حقیقت کی شان میں نہیں رہتا۔ کیونکہ حقیقت میں ہمارے خیالات آرام و آلام کا موجب ہوتے ہیں۔ ہم انہی خیالات کے ذریعہ سے دکھ بھی سہتے ہیں اور سکھ بھی اٹھاتے ہیں" خیالات میں قناعت کا استقلال اور استغنا کا جذبہ پیدا کر لیا جائے تو ناداری سے مطلق تکلیف نہو۔ اگر حلم اور عفو کا اصلی رنگ ہمارے خیالات کو رنگدے تو بغض و مخاصمت کا وجود معدوم ہو جائے۔ جن مردان خدا کے خیالات ان کے قبضہ میں آگئے ہیں گویا ان کی زندگی ان کے قبضہ میں آگئی ہے۔ وہ جیسی دنیا چاہتے ہیں خود ہی پیدا کر لیتے ہیں۔ اس دنیا میں انہی کی حکومت اور انہی کے قوانین جاری ہیں۔ دیکھو! وہی اصلی خوش نصیب ہیں +

معاش و معاد

شمس العلماء خان بہادر مولانا محمد ذکاء اللہ صاحب نے معاش و معاد کے ضروری مضمون پر کچھ خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ ایک صوفیانہ رسالے کا موجودہ زمانے میں نہایت اہم فرض ہے کہ اہل تصوف کے سامنے معاش اور معاد کے عقائد کا صحیح معیار پیش کرے۔ مولنا ذکاء اللہ صاحب نے اگرچہ یہ مضمون نوٹ مکمل لکھا ہے اور اسکا پیرایہ ہماری رائے کے بالکل خلاف ہے تاہم یہ نیک ابتدا قابل شکر گذاری ہے۔ امید ہے کہ مشائخین عظام اور دیگر ذیعلم حضرات [illegible] سے اپنے اپنے خیالات ظاہر فرمائینگے تاکہ کوئی صحیح نتیجہ پیدا ہو:۔

انسان اپنے سارے کاروبار میں معاد یا معاش کی کوشش کیا کرتا ہے معاد [illegible] عبارت مذہبی خیالات سے ہے جنسے کہ تحصیل ثواب اور قطع عذاب ہوتے ہیں۔ معاش اسکا نام ہے کہ روزانہ زندگی بسر کرنے کے لیے ضروریات اور مایحتاج کا بہم پہونچانا آسائش و آرام و تنعم و تعیش کا سامان مہیا کرنا جنسے کہ جذب منفعت و دفع مضرت ہوتی ہیں۔ انسان ہمیشہ معاد کو معاش پر ترجیح اور فوقیت دیتا ہے اور اسی کو مقدم جانتا ہے۔ مگر معاش کیلئے جتنے فکر و تردد وہ کرتا ہے اسکی ادھیڑ بن میں رات دن لگا رہتا ہے اور بہت وقت اپنا اسمیں صرف کرتا ہے وہ یہ باتیں اور دھندے معاد کے لیے نہیں کرتا۔ معاد کے لیے نہ ایسے فکر و تردد کی ضرورت تھی۔ خدا کی طرف سے جتنے جھگڑے معاش کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اتنے معاد کے لئے نہیں۔ معاد کے لئے دو بڑی باتیں اور کار عظیم نہایت بیدردی سے [illegible] ہیں ایک اعتقاد دوسری عبادت۔ اعتقاد توحید [illegible]

ے زبانی اقرار کرنا ہوتا ہے اس کے جاننے میں محنت کی ضرورت
قت کی حاجت ہے عبادت الٰہی بھی آسانی سے بے تکلف آجاتی ہے مگر
ہے۔ معاش بڑی ٹیڑھی کھیر ہے اس کے لیے عرق ریزی اور جانفشانی
کرنی پڑتی ہے اس کے لیے سونکڑ و تردد دامنگیر ہوتے ہیں اس
یاقت اور استعداد کا امتحان ہوتا ہے۔ اس کے حالات کی
ہوتی ہے اسکی اخلاقی و تمدنی معاشرت کی حقیقت کھلتی ہے۔
سارے دن لوہا پیٹتا ہے تورات کو روٹی ملتی ہے مگر نماز پنجگانہ
تھوڑی دیر میں فارغ ہو جاتا ہے۔ معاش سے معلوم ہوتا ہے کہ
کن چیزوں کا احساس ہوتا ہے اپنے عزیز و اقارب دوست و
سے کیا تعلقات رکھتا ہے اپنے ہم پیشوں سے کیا سلوک کرتا
اپنے کاریگروں سے کیا برتاؤ برتتا ہے۔ غرض یہ معاش ہی خصائل
اخلاق انسانی کی بانی مبانی ہے۔ معاش کے معاملات میں راستی بڑی
جہاد ہے۔ جب آدمی معاد کے کاموں کو پیشہ بنا کر اپنی معاش بناتا ہے
تو اسکو وہی سارے کام کرنے پڑتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ بار بار
حج کو جاتا ہے۔ وظیفے بہت سے پڑھتا ہے۔ ریاضتیں کرتا ہے۔ اَلْحَقُّ یُعْرَفُ
بِالْمُعَامَلَۃِ۔ انسان کے اخلاق پر معیشت پردہ اٹھا کے دکھا دیتی ہے
کیسے ہیں۔ انسان کے کھوٹے کھرے پرکھنے کی کسوٹی اور برائی
کا معیار معاملہ معاش ہے۔

معاش کے حرام و حلال ہونے میں بہت اختلاف ہے جب
رشید الدین خاں اور مفتی صدر الدین خاں۔ اور اکابر مولویوں نے
کری تو دلی کی خانقاہ کے علما نے اعتراض کیا کہ

انگریزی نوکری کی کمائی حرام ہے۔ان کے گھر کا پانی پینا اور حصہ بخرہ لینا ترک کردیا۔ اسپر مولوی رشید الدین خاں نے فرمایا کہ ہم اپنی معاش کسب حلال سے حاصل کرتے ہیں اور ہمارے مخالف خیرات و صدقات سے کسب معاش کرتے ہیں اس لیے ہماری معاش انکی نسبت زیادہ شرعاً حلال ہے۔ مولوی محمد سمیع اللہ خاں نے جب مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندیؒ کو اپنے عربی مدرسہ کی رئیس المدرسی کے لیے پچاس روپے ماہوار پر لکھا تو مولوی صاحب نے ارقام فرمایا کہ میں تنخواہ لوں گا جس کے معنے یہ ہیں کہ جتنا تن چاہے۔اس کے واسطے پچاس روپیہ کی ضرورت نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس میں ایک پھوٹی کوڑی انگریزی ملازمت اور وکالت کی آمدنی کی نہو۔ اب بھی مسلمان ان خیالات کے موجود ہیں غرض معاش کے حلال و حرام ہونے کا بڑا طول طویل مباحثہ ہے معاش کے کسب حلال پر عبادت کا مقبول ہونا بھی موقوف ہے۔ میں پھر اس پر ایک جدا مضمون لکھونگا جس میں معاش و معاد کے متحد ہونے کو بیان کروں گا۔　　**ذکاء اللہ**

تحقیق السماع ۔عربی۔ فارسی زبان میں بزرگانِ متقدمین نے مخالفین سماع کی تردید میں متعدد اور معقول رسالے لکھے ہیں لیکن اردو میں اسوقت تک اس مضمون کی کوئی ایسی محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی جیسی کہ "تحقیق السماع"، جناب مولوی سید محمد فائق صاحب نظامی نیازی؛ ایک فاضل صوفی نے لکھی ہے مولوی صاحب موصوف کا بیان نہایت برجستہ مسکت اور پیرایہ بالکل آزادانہ ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیا ہے جسکا لطف کتاب کے مطالعہ ہی سے خوب حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کی قیمت چھپی ہوئی نہیں ہے تقطیع ۲۰-۲۶- اور صفحہ ۹۰ ہیں۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ مولوی احسان الحق صاحب رئیس دلال کرتی، میرٹھ یا مصنف موصوف کے پتہ (ہسوہ ضلع فتحپور) سے ملسکتی ہے۔

حسین بن منصور حلاج دو شخص گذرے ہیں

ہم مولوی محمد کاظم الحسنی صاحب کے مشکور ہیں جنہوں نے ذیل کے علمی اور تاریخی مضمون
نظام المشائخ کے لئے تحریر فرمایا ہے یہ مضمون قابل ہے اور نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو [illegible]
نقل کئے گئے تھے وہ منصور سے منسوب ہیں جن کو منصور کہا جاتا ہے۔ وہ دوسرے
منصور تھے [illegible] نہیں پایا گیا کہ ان دوسرے منصور کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا۔
انہیں [illegible] ان شاء اللہ تعالے ذی الحجہ کے پرچے میں حضرت منصور حلاج کے حالات
کی تشریح اور توضیح کے ساتھ شائع ہونگے جب یہ معلوم ہوسکیگا کہ منصور [illegible]
ایک منصور [illegible] ہے۔ اور مشہور منصور حلاج کے بعد [illegible] اور منصادر
ان کا علیہ [illegible] انا الحق کہکر دار پر کھینچے گئے۔

میں جب اس بات کو کتب تصوف میں دیکھتا تھا کہ بعض کاملین نے حلاج کو رد کیا ہے
اور بعض نے قبول کیا ہے تو سخت تعجب ہوتا تھا کہ ایک ایسے بزرگ میں جن کا مقام قلبی ہے
اور روح پاک رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بالذات فیض یابی کا ذریعہ رکھتے ہیں۔
یہ اختلاف کیوں ہے بڑی تحقیق کے بعد کتب اہل سنت اور امامیہ سے ثبوت کو
پہنچا کہ منصور دو شخص گذرے ہیں ایک منصور ساحر و ملحد دوسرے منصور ولی اللہ

پہلے مجھکو اسکی تحقیق بھی بیان کردینا چاہیے کہ ان کا اصلی نام حسین ہے یا منصور بعد
اسکے دوسرے حالات بحث کرنا چاہیئے۔ مجاز کی ایک قسم ہے کہ جسمیں مضاف کو حذف
کرکے صرف مضاف الیہ کو مذکور کرتے ہیں اور جسمیں داخل ہے یہ بھی کہ باپ کے نام کا
اطلاق بیٹے پر کرنا جیسے ابراہیم بن ادہم کو ادہم بولتے ہیں اور سعد بن وقاص پر
وقاص کا اطلاق کرتے ہیں اور آدم بولتے ہیں مراد اولاد آدم ہوتی ہے۔ اسیطرح

حسین بن منصور کو منصور کہتے ہیں پس بیٹے کا لفظ عبارت سے حذف کر دیتے ہیں
جو مضاف ہوتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ معنی مجازی نے مشہور ہو کر حقیقت کا حکم حاصل
کر لیا ہے صاحب بیضاوی نے سورۂ فجر کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اولاد عاد بن
عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کو عاد کہا جاتا ہے جیسا کہ بنی ہاشم
کو ہاشم ؛

شیخ فرید الدین عطار تذکرے میں کہتے ہیں کہ حسین کو ساحر یا حلولی جاننا
تحقیق کے خلاف ہے وہ پکے موحد تھے حسین منصور حلاج ساحر ایک اور شخص
تھا جس نے بلخ میں اونکی تقلید کر کے ظہور کیا تھا اور وہ مارا گیا اوس کا
مذہب حلول تھا اور یہ منصور ولی کامل تھے شہر بیضا ملک فارس کے
باشندے تھے خواجہ عمر بن عثمان مکی کے مرید تھے خواجہ جنید اور خواجہ
سہل بن عبداللہ تستری وغیرہ کے ساتھ مدتوں صحبت رکھی تھی۔ امامیہ کے
فقیہ شیخ ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ عقائد میں کہتے ہیں
کہ غلاۃ شیعہ میں ایک فرقہ حلاجیہ بھی ہے جن کا اعتقاد یہ ہے کہ خدائے
تعالیٰ بندوں پر بسبب عبادت کے تجلی فرماتا ہے پھر باوجود اس کے
دین انکا ترک نماز و روزے وجملہ فرائض ہے اور دعوے کرتے ہیں کہ ہم
خدائے تعالیٰ کا اسم اعظم جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدائے تعالےٰ
بندوں میں حلول کرتا ہے اور ان کا یہ بھی زعم ہے کہ خدائے تعالےٰ
کا ولی جبکہ مخلص کامل ہوا اور اپنے دین کو پہنچ گئے تو وہ انبیا سے فضل ہے
سو یہ حلاجیہ فرقہ حسین بن منصور حلاج کے فرقوں سے جدا ہے جیسا کہ اس
رسالہ کی شروح میں شرح ہے اس ساحر کے حق میں فرمان لعنت بھی حضرت
صاحب الزماں کی طرف سے کتب امامیہ میں منقول ہے یہ شخص فن سحر میں

نہایت مہارت رکھتا تھا عبد الصمد بن افلاک کوفی کا شاگرد تھا اور وہ ورقانی
یمامہ کا شاگرد تھا اور ورقانی وہ شخص تھا جسنے سجاح بنت حارث بن سوید تمیمیہ
سے جادو سیکھا تھا یہ عورت فن کہانت میں مشہور روزگار گذری ہے ایکبار
اسنے نبوت کا دعوے بھی کیا تھا یہ شخص بھی زہد و تصوف ظاہر کرتا تھا گرمی کا
میوہ سردی کے موسم میں سردی کا گرمی کے موسم میں لوگوں کے واسطے
موجود کرتا اور کہتا یہ میری کرامات ہے یہ جو مشہور ہے کہ کلمہ انا الحق کے
سبب سے پر مارا گیا یہ بات درست نہیں بلکہ ایک اور بات پر مارا گیا تھا۔ کیونکہ
دعوے خدائی کا ثبوت باضابطہ اس کے ذمے ہو سکا تھا۔ ان کے مارے
جانے کا واقعہ یوں ہے کہ بغداد میں جب یہ آیا تو حامد وزیر مقتدر عباسی
سے لوگوں نے بیان کیا کہ حلاج خدائی کا دعوے کرتا ہے اور کہتا ہے
میں مردے کو زندہ کرتا ہوں جن میری خدمت کرتے ہیں۔ جب حلاج کو
بلا کر وزیر نے دریافت کیا تو اوسنے انکار کیا اور کہا کہ جو کچھ میری
نسبت لوگ مشہور کرتے ہیں وہ باطل ہے میں بندہ خدا کا ہوں۔ اور
نماز روزہ اور خیرات کرتا ہوں وزیر کو اسبات کا خوف ہو گیا تھا
کہ اگر اس شخص کی یہ ہنگامہ آرائی رہی تو سلطنت عباسیہ کی
چولیں ڈھیلی کر دے گا۔ اس لیئے قاضی ابو عمر اور ابو جعفر اور فقہا ر
کی ایک جماعت کو بلا کر اسکے قتل کے باب میں فتوے چاہا سب نے
کہا کہ جب تک ہمارے نزدیک اس کا دعوے کرنا خدائی کا ثابت
نہو گا ہم اس کے قتل کا حکم نہ دیں گے۔ وزیر نے اوس کے
اصحاب کو طلب کیا۔ حمید اور سمیری اور محمد بن علی قبائی کہ ایک خواص حلاج
کے گھر میں چھپے ہوئے تھے پکڑے گئے اور اوسی گھر میں ایک

کتاب بھی دستیاب ہوئی جو آبِ زر سے لکھی ہوئی اور پارچۂ دیبا میں لپٹی ہوئی تھی اوس میں حلاج کے اصحاب کے نام بھی لکھے ہوئے تھے یہ شخص حلاج کی الوہیت کی دعوت خلق کو کرتے تھے خراسان میں بھی ایسے لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ حلاج کی کتاب میں کئی خط تھے کہ حلاج نے اپنے داعیوں کو اور داعیوں نے اوسکو لکھے تھے حلاج نے داعیوں کو حکم دیا تھا کہ میری طرف لوگوں کو دعوت اِس طرح پر کرنی چاہیئے اور ہر شخص سے موافق اوس کی عقل کے کلام کرنا چاہیئے ان خطوط کے مطالب ایسے رمز و کنایات میں بیان کیئے گئے تھے کہ بغیر اوس شخص کے کہ جس نے لکھا اور اوس شخص کے جسکو لکھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وزیر کو حلاج کے قتل پر بڑا اصرار تھا اسلیئے اوس سے وزیر نے بہت بحث کی مگر کوئی بات اوس کے منہ سے ایسی نہ نکلی جو شرع اسلام کے خلاف سمجھی جاتی آخر کار اوسکی کتاب میں کئی ورق ایسے پائے جن میں مرقوم تھا جب مسلمان حج کا ارادہ کرے اور وہ اوس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنے مکان میں سے ایک کوٹھری پاک صاف منتخب کرلے اور اوس میں کوئی شخص نہ گھسے جب حج کے دن آئیں تو یہ شخص اوس کا طواف کرے جو کچھ حجاج عمل کرتے ہیں وہ یہ بھی کرے پھر تیس یتیم اوس کوٹھری میں جمع کر کے اچھا کھانا جو اوس سے ہو سکے اونکو کھلائے اور کپڑے پہنائے اور ہر ایک کو سات درہم دے یہ شخص بمنزلے اوس شخص کے ہوگا جس نے حج کیا ہے وزیر نے یہ کتاب قاضی ابو عمر کو سنوائی قاضی نے حلاج سے دریافت کیا کہ یہ تو نے کہاں سے لکھا ہے اوسنے جواب دیا حسن بصری

کی کتاب اخلاص سے قاضی کے مُنہ سے نکل گیا کہ اے حلال الدم یہ
وہ کتاب کیسے میں پڑھی ہے اوس میں یہ کہاں ہے۔ وزیر نے قاضی کے اِس
لفظ کو دستاویز قتل حلاج کی سمجھ لیا اور اصرار کرکے اُس کے مباح الدم
ہونے کا فتوے لکھا لیا جب حلاج کو خبر ہوئی کہ میرے قتل پر فتوے
لیا گیا ہے تو بولا میرا خون تمکو حلال نہیں میرا دین اسلام ہے اور مذہب
سنت ہے اور میری اسباب میں کتابیں موجود ہیں میرے خون سے
درگذر کرو۔ اور خدا سے ڈرو مگر وزیر نے حلاج کی ایک بات نہ مانی
او خلیفہ سے اجازت لیکر اول اوس کے ہزار کوڑے لگوائے پھر چار دن
ہاتھ پاؤں کٹواکر سر کٹوایا اور بدن کو جلاکر راکھ کو دجلے میں ڈلوادیا
سولی دینے کا قصہ بھی غلط ہے۔ یہ بیان تو منصور ساحر کا تھا۔

منصور ولی نہایت برگزیدہ شخص گذرے ہیں مشائخ کو ایک دوسرے
کے حالات میں اشتباہ ہوگیا ہے اسلیے کسی نے منصور ساحر کے
حالات سنکر نفرت کی کسی نے دونوں میں فرق معلوم کرکے منصور
ولی کی تعریف کی عباس بن عطا اور ابو عبداللہ خفیف اور ابوالقاسم
نصرآبادی۔ اور شبلی اور ابو العباس شریح نے جن منصور کو قبول کیا ہے
وہ وہی ہیں جو کاملین سے تھے۔ اِسی لئے خواجہ جنید اور ابو القاسم
قشیری بھی اون کے صحت حال کے مقر ہیں۔ قشیری نے اپنے رسالے
میں اون کے تزکئے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اون کا عقیدہ اہل سنت
کے مطابق بتایا ہے شیخ ابو سعید ابوالخیر اور شیخ ابو القاسم گورگانی۔
اور شیخ ابو علی فارمدی اور شیخ یوسف ہمدانی اِسی اشتباہ کی
وجہ سے منصور کے حالات میں متوقف ہیں لوائح الانوار میں قطب

شعرانی نے جو بیان کیا ہے کہ زیادہ تر مشائخ نے حسین کو رد کیا ہے اوسکو تصوف سے کوئی لگاؤ نہیں تو وجہ اوسکی یہ ہے کہ دونوں کے حالات میں اشتباہ ہوگیا ہے۔ سید محمد بن جعفر مکی حسنی کہ چراغ دہلی کے خلیفہ ہیں اور بحر المعانی اور بحر الانساب اون کی تصنیفات سے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ابن عربی صاحب فصوص کہتے ہیں کہ حسین منصور حلاج کو تجلی ذات حاصل تھی اور انفراد کا مقام رکھتا تھا۔ بعد اسکے سید محمد کہتے ہیں کہ اگر اوسکو تجلی ذات ہوتی تو ہرگز انا الحق نہ کہتا۔ کیونکہ تجلی ذات میں محویت ہوتی ہے اور محو کو کیا معلوم کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ میں ان سب باتوں کا جواب یہ دیتا ہوں کہ دعوے خدائی والا منصور ساحر تھا اور منصور ولی اللہ نے یہ دعوے ہرگز نہیں کیا۔ پس یہ بحث ہی فضول ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جو عوارف لدنیہ میں کہا ہے کہ غلبۂ حال سے پہلے کفر و اسلام میں تمیز نکرنا جس طرح اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے اہل حقیقت کے نزدیک بھی کفر ہے۔ اگر کوئی اختلاف ہے تو غلبۂ حال کی صورت میں ہے۔ اہل شریعت ایسے مغلوب الحال کو جو کفر و اسلام میں تمیز نکرتا ہو کافر جانتے ہیں اور اہل حقیقت کے نزدیک وہ کافر نہیں یہی وجہ ہے کہ فقہا ر منصور حلاج کو کافر بتاتے ہیں۔ اور اہل حقیقت تکفیر نہیں کرتے تاہم یہ بھی اوسے ناقص جانتے ہیں عوارف لدنیہ کا مضمون یہاں تک تھا۔ مگر میں پھر اوسی قول کا اعادہ کرتا ہوں کہ فقہار نے جسمیں منصور کی تکفیر کی وہ منصور ساحر ہے اسی کے اشتباہ سے بعض

اہل حقیقت نے بھی اوسکو ناقص جانا اور جنھوں نے اوسکو اچھا جانا وہ منصور ولی کامل ساکن ملک فارس مرید خواجہ عمر بن عثمان مکی ہیں مولانا جلال الدین رومی نے انہی کی نسبت اپنے مریدوں سے اپنی وفات کے وقت کہا تھا کہ میرے مرنے سے غمگین نہونا کہ منصور کے نور نے ڈیڑھ سو برس کے بعد شیخ فرید الدین عطار کی روح پر تجلی کی تھی۔ فقط

محمد نجم الغنی۔

عشق کی چنگاریاں

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حزیں نہو
میرا ہی حال دیکھ لے جسکو یقیں نہو

گرم نظارہ ہر اک سمت سرِ راہ نہو
رہزنِ عقل کوئی صورتِ دلخواہ نہو

شارحِ معنیٔ حسنِ بتِ دلخواہ نہ ہو
فہم قاصر ہے دلِ خلقت کہیں گمراہ نہو

یار کے دل میں اثر ہو یہی مقصودِ کلام
اسکی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہو

یہ چمک اسکی ہی ایجان تمہارے دم سے
تم جو پہلو میں نہو لطفِ شبِ ماہ نہو

قلقلِ شیشہ کو سنیئے تو ذرا حضرتِ شیخ
دیکھیئے تو کہیں اس قُل میں ہو اللہ نہو

جانتا ہوں میں شبِ وصل کی کوتاہی کو
یہ دعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون۔
میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہو

اِک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف
اسکا باعث ہے جو شاید وہی آگاہ نہو

بے رخی اس بت کمسن کی نہیں باعث یاس
نظر شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کی عوض پہنا ہی جوڑا کاہی
طعنہ زن گل پہ مری جان کہیں کاہ نہو

شیخ کہتا ہی برائی بت خوش رو کی کرو
دل دھڑکتا ہی کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشم کافر کا اشارہ ہے کہ ایماں کیسا
چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو

اک ترحم کی نظر یار نے کی ہے آخر
دل سے نکلے تو کہاں تک اثر آہ نہ ہو

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جام شراب ق
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند
غالباً جاڑے میں یوں بھی انہیں اکراہ نہ ہو

جوشش گریۂ پیہم کا ہے باعث رخ یار
جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو نمود اور حسینوں کی چلے جائیں جو آپ
رونق آجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہ ہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہو جو۔ وہ مرا دشمن ہے
نہ ملے مجھسے وہ۔ اسکا جو بہی خواہ نہو

سالک راہ محبت کو خرد سے کیسا کام
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی فدا باد صبا بھی صدقے
صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو

نرگس مست تری قاتل عالم نکلی
کہیں صیاد اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

پھر جو آئی ہی شب ہجر تو آجائے اجل
ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو

فتنوں کی ادھر افراط ادھر کھٹکوں کی
ڈھونڈ دل وہ شہر کہ جسمیں کوئی درگاہ نہ ہو

زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کر دے ہندی
لام کی جا کہیں لا اے مرے اللہ نہ ہو

مرد آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا۔
بس مرے ساتھ تو یہ واللہ نہ ہو

اکبر الہ آبادی

دائمی زندگی

(گزشتہ اشاعت کے صفحہ ۴۰۸ سے اِس کو ملحق کرلیں)

سفر کو جاتا ہوں۔ اگر تجھے کوئی چیز پسند ہو تو لیتا آؤں۔ طوطی نے کہا میرے آقا! صرف ایک خواہش ہے مت ہمیں ایک بہت بڑا باغ ہے۔ اُسمیں ایک درخت پر کثرت سے طوطیاں بیٹھی ہوں گی جب تم وہاں جاؤ تو انکو میرا سلام پہنچانا۔ نیز مجھ مصیبت زدہ کی محبوسانہ حالت کا فوٹو کھینچ دینا۔ سوداگر جب اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو طوطی کی فرمایش کے بموجب اُس باغ میں گیا۔ اور تمام طوطیوں کو مخاطب کرکے کہا کہ ایک طوطی جو میرے ہاں قید ہے تم سب کو سلام کہتی ہے۔ طوطیوں نے جب قید کا نام سُنا تو سب درخت سے گر گر کر مر گئیں بیچارہ سوداگر حیران و ششدر واپس آیا۔ جب اپنے وطن پہنچا تو طوطی نے بھی مبارکباد دیکر اپنی سوغات طلب کی سوداگر نے درد بھرے لہجہ سے طوطیوں کی موت کا قصہ سنا دیا۔ جب طوطی نے یہ واقعہ جانکاہ سُنا تو خود بھی تڑپ کر دم دیدیا۔ اسوقت سوداگر کو بڑا صدمہ ہوا اور ناچار پنجرے کی کھڑکی کھولی اور مردہ طوطی کو نکالکر پھینکدیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد طوطی اُڑکر دیوار پر جا بیٹھی۔ اب سوداگر بہت گھبرایا۔ اور طوطی سے پوچھا ظالم تُونے یہ کیا بیوفائی کی۔ طوطی نے کہا۔ اے عقلمند سوداگر! تو نے یہ بھید نہ سمجھا۔ میری ہموطن طوطیوں نے مجھے آزادی کا سبق دیا تھا کہ اگر قید قفس سے آزادگی چاہتی ہے تو قبل از مرگ بمیر۔ میں نے اُنکی نصیحت پر عمل کرکے آزادانہ زندگی حاصل کی۔ اگر تو بھی دائمی حیات اور بقائے زیست کا شیدائی ہے تو اپنے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کر۔ اے انسان! اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا نام ہمیشہ زمانہ کی زبان پر جاری رہے تو آج اپنے نام کو مٹادے۔ خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی۔ اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تجھے بزرگ سمجھیں۔ تیرا نام مخلوق کی زبان پر عظمت کیساتھ یاد کیا جائے تو عاجزی اور تواضع اختیار کر۔ دانہ جبتک اپنی آبرو خاک میں نہیں ملاتا کبھی سرسبز نہیں ہوتا۔ عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے ؎ در بہاراں کے شود سرسبز سنگ۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ۔ حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے موتوا قبل ان تموتوا کی تعلیم اسی لیے

نالۂ طور

دل میں اسرار نہانی ہیں چھپاؤں کیونکر؟ (۱) بات کہنی کی جو ہو۔ لب پہ نہ لاؤں کیونکر؟
دل دیوانہ ہے متمنیِ شورش لیکن شورِ محشر ترے کوچہ میں مچاؤں کیونکر؟
عین ہستی ہے جو ہستی میں فنا ہو جانا خاک میں خاک پھر اپنی نہ ملاؤں کیونکر؟
مرنا۔ جینا ہی ہے مجھے۔ جلنا۔ چمکنا مجکو پھر میں یہ مزرعہ ہستی نہ جلاؤں کیونکر؟
تجھ میں سو بجلو ہیں اسنے نقش محبت اپنا لوحِ دل سے تری تصویر مٹاؤں کیونکر؟
لطف سے تیرے ہوئی جادہ شناسی حاصل تجکو اے عشق! نہ سینہ سے لگاؤں کیونکر؟
رنجِ ہجرت کا تقاضا ہے اٹھاؤں صدمے کوہ کی طرح نہ سینہ کو بناؤں کیونکر؟
وہ بیش بہا ہے میرے یہ متاعِ ہستی پھر تری راہ میں اسکو نہ لٹاؤں کیونکر؟
تُند ہے جامِ تولا کی شراب ای ساقی! پھر زمانہ کو میں بھر بھر کے پلاؤں کیونکر؟
خیرہ کر دیں نگاہوں کو تجلی اُس کی یارب! اس داغِ محبت کو دکھاؤں کیونکر؟
مشقِ تسلیم سے حاصل ہی رضامندیِ دوست پھر اشارہ پہ میں گردن نہ جھکاؤں کیونکر؟
تو نے استادِ ازل! واقفِ اسرار کیا تیرے احسان بھلا دل سے بھلاؤں کیونکر؟
کہتے ہیں عشق کی پابندی میں آزادی ہے پھر میں اِس دام میں گردن نہ پھنساؤں کیونکر؟
تیری فیاضی سے ہے زندگی دل کی قائم اے غم یار! بھلا تجکو نہ کھاؤں کیونکر؟
میری قسمت میں ترنم جو خدا نے لکھا پھر میں دنیا کو ترانے نہ سناؤں کیونکر؟
مژدہ اے اہلِ جہاں! درد مرے گھر آیا ایسے مہماں کو نہ آنکھوں پہ بٹھاؤں کیونکر؟
خیر مقدم ترا اے جوشِ جنوں! تیرا سپاس تیری راہوں کے میں قربان نہ جاؤں کیونکر؟
روزِ اول سے نمکخوار ہوں اے حضرتِ عشق! اس لئے وقت پہ بھی کام نہ آؤں کیونکر؟

لطف دیتا ہے مجھے تجھ پہ فدا ہو جانا
زندگی جزو کی ہے کل میں فنا ہو جانا

المدد! نارِ محبت! مجھے سوزاں کر دے (۲) صورتِ شمعِ سرِ بزم فروزاں کر دے

سوز اور درد کا مسکن ہو وجودِ خاکی   جو ملائک سے بھی برتر ہو وہ انساں کر دے
چھوڑ باقی نہ تو اے پنجۂ وحشت! اک تار   یعنی شیرازۂ دل میرا پریشاں کر دے
تجھ میں اے عارضِ الفت! ہیں نظارے لاکھوں   صورتِ آئینہ ہر آنکھ کو حیراں کر دے
عینِ ہستی ہے فراموشیِ ہستی اے دل!   کاش اس ہستی سے کوئی مجھے ناداں کر دے
باغِ الفت ہے جو ہے رشکِ ریاضِ جنت   مدعی! اس سا کوئی سامنے بستاں کر دے
بیج بو نخلِ محبت کا زمینِ جاں میں   یہ وہ دانہ ہے جو گلزار نمایاں کر دے
رہنما منزلِ جاناں کا ہے بننا مشکل   صرف گو راہروی میں کوئی صدیاں کر دے
بحرِ الفت کا کنارہ نہ ملا پر نہ ملا   یہ وہ دریا ہے جو سو خضر کو حیراں کر دے
کیوں تڑپتا ہے دلِ زار بسانِ سیماب   ابنِ مریم کوئی اس درد کا درماں کر دے
چشمِ جاں کون سی محفل کے لیئے ہے جویاں   عالم الغیب! مجھے اس سے خبرداں کر دے
شوق کی راہ میں یارب! ہو حرارت ایسی   تا بہ تابِ تپیدن مجھے بیجاں کر دے

مثل خورشید بنوں اور ضیا ہو جاؤں
بھولے بھٹکوں کے سرِ راہ دیا ہو جاؤں

ہو مسیحا سے نہ اچھی ہو وہ بیماریِ دل (۳) جو رہائی کو نہ جانے ہے گرفتاریِ دل

نہ تو سرمایۂ سودا۔ نہ متاعِ وحشت   قابلِ حسرت و افسوس ہے ناداریِ دل
حجِ کعبہ کی جزا مفت تجھے مل جاتی   کاش! غافل تو کبھی کرتا تو دلداریِ دل
نکہتِ گل کی صفت باغِ عدن سے نکلا   کیا تاسف کی حکایت ہے گنہگاریِ دل
داستاں سننے کے قابل نہیں محروموں کی   باعثِ کاہشِ صد جان ہے اک زاریِ دل
زاہدِ خشک! ہے کیا حاصلِ شب بیداری؟   گر میسر نہیں ناداں! تجھے بیداریِ دل
کوئی کس سمت بھلا اس سے نکل کر جائے؟   پھیلی اقطارِ جہاں میں ہے عملداریِ دل

دلکو دشواری ہو راہ طلب میں یا رب لاکھ دشواری کی دشواری ہے دشواریِ دل
اس رہِ رہت سے ای فتنہ گرو باز رہو رہبرِ منزلِ مقصود ہے پرخاریِ دل
آتشِ عشق سے جل بجھنا۔ تڑپنا تپنا یہ ہی ایمان مرا اور یہ دیں داریِ دل
تو ہی مونس ہے گرفتاروں کا بے یاروں کا کون ہے تیرے سوا کرنیکو غمخواریِ دل

آمدم نزد تو اے شہ اپے درماں طلبی
"سیدی انت حبیبی وطبیب قلبی"

اللہ اے سیدِ کونین! کہ بیدل ہوں میں (۴) کشتۂ تیرِ ازل۔ طائرِ بسمل ہوں میں
دم لبوں پر ہے مرا نبضیں چھٹی جاتی ہیں اس پہ طرہ کہ ابھی درد سے غافل ہوں میں
تیرہ جاں۔ تیرہ زباں اور سیاہ قسمت ہوں مرے خورشید! ترے لطف کے قابل ہوں میں
پائے رفتن نہ مجھے اور نہ جائے ماندن سخت حیران ہوں۔ زندانیٔ مشکل ہوں میں
چشمِ جاں تکتی ہر آن نظارے تیرے میری قسمت کہ ہوا پردۂ حائل ہوں میں
بندہ پرور ہے تری نگہِ تلطف کا اثر مزرعہ سوختۂ طور کا حاصل ہوں میں
مثلِ محرابِ عبادت ہوں سیہ کاری سے تیرے قربان کہ بہر درخورِ محفل ہوں میں
منزلِ راہ طریقت سے ہوں گو گم گشتہ تیری اُمت کی جماعت میں تو داخل ہوں میں
میرے کاشانۂ دل ہی میں تھی منزل تیری اُف رے نادانی کہ اس بات سے غافل ہوں میں
میں کھنچا آیا ہوں یہاں بوئے عطا ریزی سے تیرے دروازۂ انعام پہ سائل ہوں میں

مے عرفاں سے پُر دل کا پیالہ ہو جائے
خانۂ تار میں بیشہ اُجالا ہو جائے

جان آجاتی ہے اک جاں میں پر اسنگر ہو کر (۵) ہوش آجاتا ہے انسان کو مضطر ہو کر
ہیں شہادت گہِ الفت میں مصائب لاکھوں کوئی اس دشت سے نکلا کبھی جاں بر ہو کر
خاکساری سے ہی الفت میں سرافرازی ہے دیکھ غافل! کبھی خاکِ رہِ دل بر ہو کر

بعدِ دوراں مری مٹی نہ کبھی ہو برباد
دستِ ساقی میں الٰہی! رہوں ساغر ہوکر

تو بھلا زاہدِ سجادہ نشیں! کیا جانے!
لطف آتا ہے جو زیرِ دمِ خنجر ہوکر

کافرِ عشق ہوں بس تنگ کرے ناصح!
خود پہنچ جاؤں گا اسلام کو کافر ہوکر

وہ ذبیح ہوں کہ دمِ ذبح اگر لب ہلیں
دستِ قاتل میں چھپوں تیغ کا جوہر ہوکر

اے رسولِ عربی! باعثِ ایجادِ جہاں!
اے کہ تو آیا یہاں نورِ مطہر ہوکر

ہادیِ راہِ ہدیٰ! سرورِ ہر دو عالم!
اے کہ اس راہ میں نکلا ہے تو رہبر ہوکر

مظہرِ ذاتِ خدا! منبعِ احسان و عطا!
اے کہ آیا ہے زمانہ کا تو سرور ہوکر

سیلِ عصیاں نے تغریقِ جہاں ہی کی تھی
تو بچانے کو نہ آتا جو شناور ہوکر

کوئے گم گشتگی میں کب کے بھٹکتے پھرتے
تو چمکتا نہ اگر راہ پہ اختر ہوکر

دائرہ ہستی کا کب یونہی کھنچا جاتا تھا
تو ٹھہرتا نہ اگر مرکز نیچہ ہوکر

روزِ اول ترے رخ سے جو شرارے چمکے
نکلے عالم میں نجوم و خورِ خاور ہوکر

شبِ معراج سنی قدسیوں نے جب آمد
بچھ گئے راہ میں تری دامن و چادر ہوکر

شکر صد شکر ترے در کی گدائی پائی
مجکو کیا لینا تھا دارا و سکندر ہوکر

میرے جیسوں کی شہنشاہا! کہاں گنتی ہے
تیرے خدام پیمبر ہیں پیمبر ہوکر

تو خدا جانے گیا کتنی بلندی آگے
رہ گئے سدرہ پہ جبریل تو بے پر ہوکر

...نزدیک پہ ہے لطف برابر تیرا
بھول کب جائے کسی کو تو تونگر ہوکر

تو اٹھاتا تھا دتا دوں نگونساروں کو
اس لیے گر پڑے ہم حشر میں لاغر ہوکر

ہادیِ ہر دو جہاں! مجکو دکھا دے منزل
میں تری راہ میں نکلا ہوں مسافر ہوکر

المدد ختمِ رسل! شاہِ رسولاں مددے
مونسِ جانِ غریبان و ملولاں مددے

لے چلا جوشِ جنوں عشق کا سودا مجکو (۶) رہبرِ راہ ہے ہر خارِ کفِ پا مجکو

آگئی کس کی نظر برقِ تجلی مجکو ۔ اِک پتنگا سا ہُوا طور کا شعلہ مجکو
جی کبھی سکتے ہیں مژگانِ محبت کے قتیل؟ ۔ تنگ کیوں کرتا ہے آکر کے مسیحا مجکو
کب ڈبوئے گا بھلا عشق کا دریا مجکو ۔ آب کشتی ہے مجھے موج سفینہ مجکو
تھی مرے جام میں خمخانۂ حضرت کی شرآب ۔ کس لیئے ناصح ناداں نے چھیڑا مجکو
طائرِ روضۂ حضرت ہوں فرشتو! جاؤ ۔ نہیں منظور ہے طوبےٰ پہ بسیرا مجکو
حسرتِ دید کی رگ رگ میں خلش ہے پیدا ۔ کیا ہی خوش چبھتا ہے یہ خارِ تمنا مجکو
تکیۂ اعمال پہ نیکی کا ہو دعوےٰ مجکو؟ ۔ ایک تیری ہی شفاعت کا ہے بھروسا مجکو
ہے فنا ہی میں بقا مجکو بہ نگِ مشعل ۔ یہ سمجھاتا ہے مری ہستی کا نقشا مجکو
دیدۂ دل کی عبادت ہی نمازی رہنا ۔ راز بتلاتا ہے یہ دیدۂ بینا مجکو
جیسے جاں دیتے تھے قرنیؓ و بلالؓ و قنبرؓ ۔ یا الٰہی! ہو میسر وہی پھندا مجکو

اے شہِ ہر دو جہاں آیا میں فریادی ہوں

ہمہ فریاد ہوں ۔ فریادیِ ۔ بربادی ہوں

دوش پر بارِ رسالت کے اُٹھانیوالے! (۷) جانبِ راہِ ہُدےٰ جگ کو بُلانیوالے!
آس مایوسوں کو بخشش کی دلانیوالے! ۔ حرف "لاتقنطوا" عالم کو سنانیوالے!
شبِ معراج میں افلاک پہ جانیوالے! ۔ قابَ قوسین کی مسند کے سجانیوالے!
بحرِ انوارِ الٰہی میں نہانے والے! ۔ خلعتِ جامۂ لولاک کے پانے والے!
ابر بنکر سرِ کونین پہ چھانے والے! ۔ سیلِ رحمت تہ و بالا پہ بہانے والے!
ہفت اقلیم کے سوتوں کو جگانیوالے! ۔ چار سُو نوبتِ وحدت کے بجانیوالے!
نقشِ باطل کو زمانہ سے مٹانیوالے! ۔ خرمنِ کفر و ضلالت کے جلانیوالے!
شدّتِ حرّتِ دوزخ سے بچانیوالے! ۔ حق سے فرمانِ شفاعت کے لکھانیوالے!
اہلِ عالم کو رہِ حق پہ لگانے والے! ۔ رستہ منزلِ مقصد کا بتانے والے!

شمعِ توحیدِ الٰہی کے جلانیوالے! خانۂ دہر کی ظلمت کے گنوانیوالے!
ہر اسیری سے زمانہ کو چھڑانیوالے! قدر انسانوں کی انساں کو بتانیوالے!
اپنے خالق سے خلائق کو ملانیوالے! وعدۂ روزِ ازل یاد دلانے والے!
بادۂ غیر جنسیم دل سے گرانے والے! مئے حقیقت کی زمانہ کو پلانے والے!
بیکسوں۔ بے بسوں کو دُکھ سے چھڑانیوالے! کام اندوہ و غم و یاس میں آنے والے!

اپنی امت کی ذرا دیکھ تو حالت کیا ہے
یہ قیامت جو نہیں۔ اور قیامت کیا ہے

عرضِ حالت سے حجاب آتا ہی گیا ہمکو (۸) تابِ تقریر نہ خاموشی کا مارا ہمکو

اس تباہی میں فلک نے ہی گھسیٹا ہمکو موجِ دریا ہی ہر اک اشک کا قطرہ ہمکو
اس بیابان میں وحشت نے نکالا ہمکو سنگِ خارا ہے ہر اک ریگ کا دانہ ہمکو
عالموں۔ جاہلوں۔ زردار کا۔ نادار کا تیرے آگے پڑا کس کس کا ہے رونا ہمکو
باوجود علم کے عالم نے بھلایا ہمکو اور جاہل نے جہالت سے جلایا ہمکو
پوچھ زردار کی مت۔ انکو جنون ہے اپنا انہیں لوگوں کی نحوست نے تو مارا ہمکو
عیش و عشرت ہی میں یہ غرق رہا کرتے ہیں اُن سے کچھ آس نہ اُمید ہے اصلا ہمکو
ہیں جو نادار مشقت سے وہ گھبراتے ہیں کس ترقی کی ہو پھر ہائے تمنا ہمکو
صورتِ نقشِ قدم مٹ ہی نہ جائیں آخر یہی کھٹکا ہے ہمیں۔ اور یہی خدشا ہمکو
جاں تن زار میں ہے سد رمق تک باقی بس کرائے آتشِ دل! اب تو نہ پگھلا ہمکو
ہو گلا اپنا کہ ہو چرخ کا شکوہ ہمکو نت نیا درد ہو اور نت نئی ایذا ہمکو
قافلہ راہِ ترقی پہ رواں ہو کیونکر؟ مانعِ راہ ہو جب آبلۂ پا ہمکو
فرقہ بندی نے کیا قوم کا خانہ ویراں ہائے اس سنگ نے ٹکڑوں میں ہے توڑا ہمکو
خودسری۔ بیدلی۔ بیدینی و سوءِ ظنی انہیں چیزوں نے تو یہ دن ہے دکھایا ہمکو

نہ رہائی ہے میسر نہ فغاں و فریاد — کس بلا کا دیا صیاد نے پھندا ہمکو
دن زمانہ نے پر آشوب دکھایا کیسا! — کہ پرایا ہوا ہر اپنا پرایا ہمکو
حال اپنا تجھے شاہا نہ سنائیں کیونکر؟ — تجھ پہ امید ہے اور تجھ پہ ہی دعوی ہمکو

کرو عاق سے تجھے شاہ امم کہتے ہیں
کرم وت کہ تجھے بحر کرم کہتے ہیں

مر کے بھی سوختہ جانوں کا نشاں باقی ہے (۹) تو وہ خاک میں بھی سوز نہاں باقی ہے
قوم کا جینا نظر آتا نہیں دنیا میں — جب تلک معرکۂ سود و زیاں باقی ہے
پھر دکھا ہمکو وہی بزم قرون اولے — یارب! آنکھوں میں ابھی اگلا سماں باقی ہے
گلشن ہند میں ہے نرگس خفتہ بیدار — دیدۂ قوم میں پھر خواب گراں باقی ہے
دل کے پردوں میں عداوت کو نہاں رکھتے ہیں — یہ اگر سچ ہے تو اسلام کہاں باقی ہے
فصل گل آئی پڑوسی کے چمن میں یارب — رونق قوم میں پھر رنگ خزاں باقی ہے
قوم کا باغ ہوا باد خزاں سے ویراں — کیا دلا! خواہش گلگشت جہاں باقی ہے

وقت آنست کہ فریاد و فغاں جنبیریم
ابر اشکیم بہ بریں گلشن ویراں ریزیم

وقت اب ایسا شہ عرش نشیں آیا ہے (۱۰) دیں ثریا پہ جو تھا زیر زمیں آیا ہے
نور ہی نور تھا اطراف جہاں میں جس کا — ابر کے پیچھے وہ اب ماہ مبیں آیا ہے
جس نے بیدار کیا جگ کے گراں خوابوں کو — آج آغوش میں غفلت کے وہ دیں آیا ہے
جوہری جسکے نظارے سے تھے محو حیرت — پاس ناا ہلوں کے وہ در ثمیں آیا ہے
تھیں جہاں بارش باران کرم کی جھڑیاں — ٹوٹ کر ابر ستم بار وہیں آیا ہے
ذروۂ عرش سے مینار تھے اونچے جسکے — قصر اسلام وہ گرنے کے قریں آیا ہے
حق میں اس قوم کے غیروں کے گئے جنسے سکو — اب زبانوں پہ چناں اور چنیں آیا ہے

شبِ تار ہے اور رہِ وادیِ ایمن درپیش — جس سے کافور ہو ظلمت وہ قمر کون سا ہے؟
جس کے کھانے سے ہو یکجہتی و الفت پیدا — تیرے قربان بتا دے وہ ثمر کون سا ہے؟
قوم ویرانہ کے سر پہ ہو جو سایہ افگن — سائباں کیا ہے وہ؟ اور ایسا شجر کون سا ہے؟
جس میں ہو داخلہ سے جان سلامت اپنی — وہ سرا کونسی ہے؟ ہائے وہ گھر کون سا ہے؟
جسکی رگ رگ میں اخوت کا لہو ہو جولاں — آج دنیا میں بتا دے وہ بشر کون سا ہے؟
ہے سرِ قوم میں سودائے غرور و نخوت — جس میں سودائے محبت ہو وہ سر کون سا ہے؟
تو ہی بتلا مجھے اے ساقیِ میخانۂ عشق! — مستِ پیمانۂ الفت ہو جو۔ سر کون سا ہے؟
منزلِ فوز و نجاح کی طرف جو لیجائے — راہ وہ کونسی ہے؟ ایسا سفر کون سا ہے؟
جس سے عاجز ہوئے جگ بھر کے اطبا سارے — دشمنِ جاں ہے جو۔ وہ دردِ جگر کون سا ہے؟
تو ہے سالارِ جہاں! قافلہ سالار اپنا — کھٹکا پھر کیا ہے ہمیں خوف و خطر کون سا ہے؟
قوم اے مالکِ کوثر! ہے پیاسی مرتی — تشنگی دے جو بجھا۔ شربتِ تر کون سا ہے؟
باغِ قومی ہے خداوندا! اُجڑ جانے کو — جس سے سرسبز ہو وہ چشمۂ تر کون سا ہے؟
جسکے نعرہ سے ہو بنیادِ جہاں متزلزل — شیر دل کون ہے اب؟ آج وہ نر کون سا ہے؟
جسکے سُننے سے دلِ قوم پگھل جائے وہ — گریۂ نیمشب و وقتِ سحر کون سا ہے؟
قوم کی راہ میں ہے خرمنِ جہل و طغیاں — جو جلا ڈالے اسے وہ شرر کون سا ہے؟
اِک غمِ قوم نصیبوں میں ہو اپنے شاہا! — مدعا اور ہمیں پیشِ نظر کون سا ہے؟
کاسۂ مہر و وفا کا جو تمنائی ہو — آج وہ تشنہ دہاں تشنہ جگر کون سا ہے؟

چاٹ اس مئے کی ہر اک دل کو لگا دے آقا!
یاد سے کوثر و تسنیم بھلا دے آقا!

غلام محمد طور

سبزۂ بیگانہ

بابو مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی ایک نوجوان جنٹلمین ہیں لیکن طبیعت آپنے ایسی پائی ہے کہ بڑے بڑے کہنہ مشق استاد آپکے کلام کی تعریفیں کرتے ہیں۔

نظمیں آپ کی اکثر صوفیانہ رنگ میں ہوتی ہیں۔ ہم آپکے بیحد ممنون ہیں کہ آپ نے عین علالت کی حالت میں ہمارے رسالہ کے لیئے نظم لکھکر بھیجی ہے۔ خدا پاک آپکو صحت عنایت فرمائے۔

او مستِ ناز! روند نہ زیرِ قدم مجھے ظالم! بنا نہ تختۂ مشقِ ستم مجھے

ٹھنڈی ہوائیں لینے دے بیدردِ دم مجھے اتنا نہ کر اسیرِ عذابِ الم مجھے

ٹھکرا نہ اس طرح کہ گیاہِ حزیں ہوں میں

خود فرطِ انکسار سے فرشِ زمیں ہوں میں

مستِ خرامِ ناز۔ قدم رکھ سنبھالکر افتادگانِ خاک کا بھی کچھ خیال کر

ناچیز کاہ ہوں میں۔ ذرا دیکھ بھالکر مجکو نہ تو خدا کے لیئے پائمال کر

میرے لیئے ہیں آفتِ جاں شوخیاں تری

ڈھاتی ہیں مجھپہ قہر یہ اٹکھیلیاں تری

مجھ زار و ناتواں پہ گراں بار تو نہو میں نیم جاں ہوں درپے آزار تو نہو

پامال ہوں میں۔ او خبردار تو نہو اتنا بھی محوِ شوخیِ رفتار تو نہو

مجھپر ستم نہ ڈھائیں یہ انداز چال کے

مستِ مئے شباب! ذرا دیکھ بھال کے

اٹھلا کے چل نہ او ستم ایجاد خیر ہے ۔ مجھ خستہ جاں خراب کیا تجھ کو بیر ہے
تجھ کو یہ لطف باغ ہے اچھی یہ سیر ہے ۔ میرا سر نیاز ہے اور تیرا پیر ہے

آیا ہے باغ میں پئے گلگشت باغ تو
پژمردگی کا دے نہ مرے دل پہ داغ تو

مجھ پر یہ ظلم اور ستم ایجاد تو نہ کر ۔ ٹھوکر سے میری خاک کو برباد تو نہ کر
مجھ سوختہ نصیب کو ناشاد تو نہ کر ۔ پامال ٹھوکروں سے بیداد تو نہ کر

یہ مشق جور ہے ستم انگیز کس لئے
کرتا ہے بے زباں پہ چھری تیز کس لئے

کیوں ناتواں پہ دست تعدی دراز ہے ۔ بیدادگر ستم کا تجھے کیا مجاز ہے
کس بات پر غرور ہے تجھے کینہ ساز ہے ۔ کیا ہست و بود ہی تری جس پر یہ ناز ہے

ہستی ہی کیا جہان میں تیری بقا کی ہے
تو مشت خاک شکل مجسم فنا کی ہے

سمجھا ہے تو کہ مجھ کو بقائے دوام ہے ۔ شہرہ تمام دہر کا میرے ہی نام ہے
لیکن یہ بے خبر ترا سودائے خام ہے ۔ آئی اجل تو آن میں قصہ تمام ہے

عقدہ کھلے گا زندگی بے ثبات کا
دم بھر میں ٹوٹ جائے گا رشتہ حیات کا

بیجا ہے ناز ہستی موہوم پر تجھے ۔ درپیش ایک دن ہے عدم کا سفر تجھے
روز جزا کا خوف بھی ہے کینہ ور تجھے ۔ آخر مآل کار پہ بھی ہے نظر تجھے

زنجیر نیستی ہے گلے میں پڑی ہوئی
ہر وقت موت ہے ترے سر پر کھڑی ہوئی

نازاں نہ ہو تو زندگی مستعار پر ۔ تکیہ عبث ہے ہستی ناپائدار پر

بارِ گراں گنہ کا نہ لے جسمِ زار پر　　چلنا رہِ عدم میں ہے خنجر کی دھار پر

منظور ہے جو خیر تجھے جان و مال کی

تقلید کر جہان میں میری مثال کی

وابستہ دل نہیں ہے اپنا روزگار سے　　نا آشنا ہوں فکرِ خزاں و بہار سے

دلبستگی ہے گل سے نہ تماشائے خار　　آئینہ ہے صاف ہر گرد و غبار سے

محوِ جمالِ گل ہوں نہ شیدائے بوستاں میں

باغِ جہاں میں سبزۂ بیگانہ خو ہوں میں

کب یہ خیال تھا مرے وہم و گمان میں　　دو حرف ہیں جو ڈال دیئے تیرے کان میں

پورا اترنا چاہے اگر امتحان میں　　تو بھی رہ لطف سے بسر کر جہان میں

نیرنگِ روزگار کا شائق نہ ہو کبھی

غافل - اسیرِ دامِ علائق نہ ہو کبھی

جور و ستم نہ توڑ کسی ناتوان پر　　بیفائدہ عذاب نہ لے اپنی جان پر

دارِ فنا میں پھول نہ تو عز و شان پر　　او مشتِ خاک اڑ کے نہ چل آسمان پر

اتنا ہوا میں بھر نہ جوانی کے جوش سے

ہستی میں اپنی رہ - نہ گزر عقل و ہوش سے

دل دے نہ تو کسی کو جہانِ خراب میں　　ہو کر اسیرِ زلف نہ پڑ پیچ و تاب میں

جانِ حزیں نہ مفت پھنسا تو عذاب میں　　گم کردہ ہوش ہو نہ تماشائے خواب میں

ہشیار ہے تو دہر میں دیوانہ بن کے رہ

باغِ جہاں میں "سبزۂ بیگانہ" بن کے رہ

برق دہلوی

از سناور (شملہ)

حلقہ کی کارگزاری

بابت شوال ۱۳۲۷ھ

حضرت دبیر الحلقہ مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب نے پچھلے پرچہ میں تحریر فرمایا تھا کہ اب کے مرتبہ میں حلقہ کی کارگزاری کے علاوہ ویسے بھی مضمون لکھنے شروع کرونگا۔ لیکن افسوس کہ اس مہینے میں پہلے سے بھی زیادہ پریشانیاں لاحق رہیں حضرت کے اہلخانہ کا انتقال ابھی کچھ عرصہ ہوا ہوچکا ہے۔ ۱۲۔ شوال کو غلام حسن بصری مرحوم کی آخری یادگار نے بھی مہینہ ڈیڑھ مہینہ دنیا کی ہوا کھاکے اصلی وطن کی راہ لی۔ اب ۲۰۔ شوال سے خود سخت علیل ہیں۔ بیچ میں کئی دفعہ حالت اندیشہ ناک ہوگئی۔ آج اچھے کل بیمار۔ یہ تو مہینوں سے کیفیت تھی لیکن کچھ تو علاج معالجہ سے غفلت اور کچھ اسی حالت میں دن رات کی محنت مزید برآں یہ پریشانیاں۔ ان سب باتوں نے مرض کو مدد دی اور اُس نے ایک دفعہ ہی آن دبایا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ جیسے جیسے عرصے سے وہ بات تو دو ایک دن سے جاتی رہی ہے جس سے اندیشہ سا ہوجاتا تھا۔ اور حالت رو بصحت معلوم ہوتی ہے۔ اب مشائخ عظام و بزرگان کرام اور جملہ ناظرین "نظام المشائخ" سے میری درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے اوقات خاص میں حضرت خواجہ صاحب کی صحتیابی کے لیئے دعا فرمائیں۔

اِس ماہ میں صرف دو باتیں لکھنے کے قابل ہوئیں۔ ایک تو ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء مطابق ۱۳۲۷ھ کا جلسہ جو بصدارت حضرت شاہ سید امیر حسین صاحب چشتی صابری سجادہ نشین خانقاہ صابریہ دہلی حلقہ کی چوتھی غرض کی انجام دہی کے لیئے منزلگاہ حلقہ میں منعقد ہوا۔ اسمیں حضرت صدر جلسہ صاحب کے علاوہ دہلی اور نواح دہلی کے اکثر مشائخ اور عمائدین تشریف فرما تھے مثلاً خواجہ میاں عبد الصمد صاحب چشتی نظامی فخری۔ پیرجی سید مظفر علیشاہ صاحب چشتی نقشبندی سجادہ نشین حضرت خواجہ باقی باللہ رح سید حسن علیشاہ صاحب پیرزادہ درگاہ حضرت محبوب الٰہی رح سید علاء الدین صاحب نصیری پیرزادہ درگاہ حضرت چراغ دہلی۔ مولانا شاہ مشتاق احمد صاحب حنفی چشتی۔ حاذق الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب۔ سید جالب صاحب اڈیٹر اخبار وکیل امرتسر وغیرہ اول سید جالب صاحب نے واضح طور پر غرض جلسہ بیان فرمائی اور اسکے بعد حضرت صدر صاحب کی تحریک

اور حضرت خواجہ میاں عبدالصمد صاحب کی تائید سے یہ تجویز منظور ہوئی کہ "سرکاری کاغذات میں بعض خانقاہوں مسجدوں مقابر کو شاملات دِہ لکھ رکھا ہے جو خلاف حقیقت امر ہے۔ مسلم لیگ گورنمنٹ کو اس پر متوجہ کرے اور یہ اندراج بدلوائے"۔ جو اسیوقت صاحب سکرٹری پنجاب پراونشل مسلم لیگ لاہور کی خدمت میں بھیجدی گئی۔ + دوسری بات "سترھویں شریف کی کارروائی"۔ شوال کی سترھویں کو حضرت امیر خسرو رح کا عرس ہوتا ہے۔ اس سے کچھ دن پہلے حلقہ کی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا گیا جسمیں لوگوں کو اسطرف توجہ دلائی گئی کہ اس موقعہ پر طوائفوں کے وہاں آنے سے جو خلاف ادب و تہذیب کیتیں سرزد ہوتی ہیں اُنسے احتراز کیا جائے۔ نیز لکھا گیا کہ اگر طوائفیں حقیقت میں ہاں محض اپنا اشتہار کرنیکی غرض سے نہیں آتی ہیں اور ان بزرگان دین کی محبت ہی اُنہیں کھینچ لاتی ہے تو انہیں چاہیئے کہ ایسے موقعہ پر جب کہ حضور میں چھوٹے بڑے بڈھے جوان ہر قسم کے لوگ جمع ہوں تو گانے بجانے کو جانے دیں اور ایسا موقع ندیں کہ لوگ بجائے فیض و برکت حاصل کرنیکے ان کے دام گیسو میں پھنسیں۔ اس اشتہار کا جو کچھ اثر ہوا وہ آگے آتا ہے لیکن افسوس خانقاہ حضرت محبوب الٰہی رح کے بعض حضرات نے جو حضرت خواجہ صاحب سلمۂ کی ان نئی نئی تحریکوں کو اپنے نقصان کا باعث سمجھتے ہیں اسپر سخت برہمی کا اظہار کیا۔ اور دوسرے دن اس مضمون کا ایک اشتہار دیدیا کہ عرس جسطرح ہوتا آیا ہے اسیطرح ہوگا۔ گویا رنڈیاں آئیں اور خوب رنگ لیاں کریں لیکن اس بات پر زیادہ زور نہیں دیا۔ اور اسکے بدلے ایک دوسری بات لیکر گڑبڑ مچادی۔ +

چونکہ عید کا چاند ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں ڈیڑھ دو دن تک ۲۹ کا مانا گیا تھا۔ خاص دہلی میں ۲۹ کے حساب سے روزہ افطار کیا گیا تھا۔ اسلیئے حلقہ کے اشتہار میں حضرت امیر صاحب کے عرس کی تاریخ اسی حساب سے لکھی گئی تھی۔ ان حضرات نے اشتہار کی اصلی بات کی تو دبی ہوئی مخالفت کی۔ اور اس تاریخ کے جھگڑے کو لیلیا۔ لکھدیا کہ ۲۹ کے حساب سے عرس نہیں ہوگا۔ ۳۰ کے حساب سے ہوگا۔ حلقہ کے اشتہار نے لوگوں کے دلوں میں کچھ تھوڑا بہت اچھائی بُرائی کا خیال پیدا کیا تھا کہ اس دوسرے اشتہار نے اُن کے خیالات کو پریشان کردیا اور وہ تاریخ کے فکر میں لگ گئے۔ اور تحقیقات شروع ہوگئی۔ کچھ اہل شہر درگاہ شریف گئے اور وہاں لوگوں سے پوچھا گچھا۔ معلوم ہوا کہ یہ اشتہار کی کارروائی صرف چند آدمیوں کی تھی جو

حلقہ نظام المشائخ کے سخت دشمن ہیں ورنہ اکثر پیرزادے ۲۹ ہی کے چاند پر متفق ہیں ان لوگوں نے ان پیرزادوں سے اس بات کی تحریر لکھوالی اور اس پر ان سب کے دستخط کرا لیئے اور دلی آکر ساری کیفیت شائع کر دی۔ اس پر مخالف صاحبان اور بھی بگڑے۔ جب سولھویں کی شام کو ۲۹ کے حساب سے مشائخ اور عوام درگاہ شریف میں جمع ہوئے تو ایک صاحب نے حضرت محبوب الٰہی رح کے مزار کے سامنے جہاں لوگ ختم کے منتظر بیٹھے تھے کھڑے ہو کر حضرت دبیر الحلقہ کی شان میں سخت کلمات استعمال کیئے اور کہا کہ ختم ۳۰ کے حساب سے کل ہوگا۔ حلقہ کے اکثر مقامی اور بیرونی خدام اسوقت موجود تھے انکا ارادہ ہوا کہ جواب ترکی بہ ترکی دیں لیکن حضرت دبیر الحلقہ نے انسے فرمایا کہ "تحمل سے کام لو"۔ مگر افسوس مخالفین اس تحمل پر بھی باز نہ آئے اور ایک ایک آدمی کو سکھا سکھا کر پڑھاتے پھرے اور اہل حلقہ سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ مگر جب ادھر سے برابر ایک دن رات پوری خاموشی سے کام لیا گیا تو پھر انہیں صاحب نے ۳۰ کے حساب سے اٹھارھویں کو صبح کے ختم سے پہلے وہی آزار دہ گفتگو کرنی شروع کی۔ اور تقریباً ۱۱ بجے تک برا بھلا کہتے رہے۔ حضرت خواجہ صاحب کو پہلے سے اطلاع مل گئی تھی کہ آج یہ باتیں ہونگی۔ اسلیئے وہ وہاں اسوقت تشریف ہی نہیں لیگئے اور اپنے حجرے میں بیٹھے رہے۔ اتفاق سے سید جالب صاحب اڈیٹر وکیل امرتسر بھی اسدن وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو خواجہ صاحب سے آکر کہا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان کے بیانات کی کھڑا ہو کر تردید کر دوں"۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب نے انہیں منع کیا۔ اور فرمایا۔ "اس سے فساد ہونے کا اندیشہ ہے"۔ دیگر خدام حلقہ بھی اسوقت بیتاب سے تھے بار بار آکر حضرت خواجہ صاحب سے اجازت چاہتے تھے۔ لیکن حضرت قبلہ۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رح کا وہ کلمہ سناتے رہے۔ "کشندہ کشندہ بود" اور ان کے جوش کو ٹھنڈا کرتے رہے۔ ورنہ خدانخواستہ سخت فساد کی صورت تھی۔ تاہم تقریر کے بغیر بھی ان صاحب کی باتوں اور حرکتوں سے لوگ گھبرا گئے۔ اور ان ہی کے کہنے کا انکے خلاف اثر پڑا۔ جب مزار مبارک کے سامنے وہ خلاف ادب باتیں کر چکے اور زوال کے وقت ختم ہوا تو لوگ ان پر تھری تھری کرتے تھے۔ اور حضرت خواجہ صاحب کے پاس آ آ کر اہل حلقہ کے تحمل کی داد دیتے تھے۔ غرضکہ اب کی سترھویں میں یہ واقعات ہوئے تاہم کام حلقہ کی خواہش کے موافق رہا۔ گو ختم کرانے میں فساد ہو جانے کے خیال سے دخل نہیں دیا گیا۔ لیکن مشائخ نے برابر ۲۹ کے حساب سے حاضریاں دیں۔ رنڈیاں معمول سے بہت کم آئیں۔ جہاں غول کے غول رنڈیوں کے دکھائی دیتے تھے وہاں ایک آدھ رنڈی کبھی کبھی نظر آجاتی تھی۔ ہمارا جو مدعا تھا وہ پورا ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

آمدنی میں صرف ایک روپیہ اسدفعہ آیا جو صوبیدار گروہ خواجہ عثمان علیشاہ چشتی نے نذر کیا ہے

بقایا پہلے مہینہ میں ۔۔ باقی تھے اب ۔۔ ہوئے **خرچ** اشتہار کی اشاعت میں ۔۔ خرچ ہوئے اب **باقی** ۔۔ موجود ہیں۔

پروفیسر محمد الدین صاحب چشتی حیدری اڈیٹر "صوفی" نے ۔۔ ماہوار مقرر کیا ہے۔ جن حضرات نے پہلے ماہانہ یا سالانہ مقرر کیا ہے وہ مہربانی فرما کر عنایت فرمائیں۔

(محمد ارتضیٰ واحدی)

رسالہ کی نسبت

ملک کے رسائل اور اخبارات سے جو رائیں لکھی ہیں اور ریویو کیے ہیں وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

پردہ نشین مدبیا ہر اجمیر ۱ رقمطراز ہے :۔

جب کسی قوم کی تباہی کے دن آتے ہیں تو اسکے ہر طبقہ میں خرابی آجاتی ہے۔ جہاں مسلمانوں کے امراء اور علماء اور عوام رستے سے ہٹ گئے۔ وہاں اُن کے صوفی اور درویش کیونکر بچتے۔ یہ بھی اپنے فرض کو بھول گئے۔ اور رفتہ رفتہ اُن ہی دنیا داروں کے قدم بقدم چلنے لگے۔ جو مفت کی روٹیاں کھانے کو ترک دنیا کہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی اصلاح کا خیال بھی چند پاک نفوس کو پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس مبارک کام کے لیئے ایک انجمن حلقۂ نظام المشائخ کے نام سے قائم ہوئی ہے جس کے مقاصد کی عام اشاعت کے لیئے ایک رسالہ نظام المشائخ ماہوار دہلی سے جاری ہوا ہے۔ یہ اس حلقہ کے متعلق کے مضامین لکھے گا۔ علاوہ ازیں اسمیں قریب قریب کُل مضامین ایسے ہونگے جو اسلامی تصوف کی اصلی تصویر دکھا کر اُن لوگوں کو اس رنگ میں رنگنے کی کوشش کرینگے جو موجودہ زمانہ کے نقال فقیروں کو دیکھکر اس خدائی کوچہ سے دور بھاگنے لگے ہیں۔ چونکہ ہمارے درویشوں کی اصلاح تمام قوم کی اصلاح ہے۔ اس لیئے ہم دل سے چاہتے ہیں کہ یہ مبارک رسالہ کثیر الاشاعت ہو اور حلقہ کو اُسکے مقاصد میں کامیابی ہو۔

رسالہ اس قابل ہو کہ اُسکا مطالعہ پردہ نشین بیبیوں کے لیئے بھی فائدہ سے خالی نہیں اور اس سے وہ اپنی روحانی اصلاح کر سکتی ہیں لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ہے۔ سالانہ قیمت عہ

کشمیری میگزین (لاہور) لکھتا ہے:-

"گزشتہ صوفیائے کرام کے دینی کارنامے اور موجودہ حضرات مشائخ کے حالات نئی روشنی والوں کی نظر سے پوشیدہ تھے۔ بلکہ یہ کہنا شائد زیادہ مناسب ہوگا کہ زمانۂ حال کا یہ معزز اور قابل احترام گروہ خود بھی اپنی ہستی طاقت اور دینی و دنیاوی اغراض سے بیخبر تھا۔ اس متبرک سلسلے نے ہندوستان میں اسلام کی بنیاد مضبوط اصولوں پر قائم کی تھی۔ لیکن جب خود ہی یہ لوگ اپنے حال سے بیخبر رہنے لگے تو عام مسلمانوں کی کون خبر لیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان باقی اقوام سے ہر کام اور ہر صفت میں پیچھے رہ گئے۔ اگر یہ فرقہ زمانے کی رفتار سے باخبر ہو جائے تو اسلام کی بہت بڑی خدمت ادا کر سکتا ہے۔ اور جو شخص اس فرقہ کو بیدار کرنے اور عام مسلمانوں کو انکے کمالات سے باخبر کرنے پر کمر باندھے۔ وہ ہزار تحسین و آفرین کے قابل ہے۔ انہیں خیالات کا ایک رسالہ نظام المشائخ کے نام سے مشہور صوفی خواجہ حسن نظامی اور سید محمد ارتضیٰ صاحب واحدی دہلوی کے اہتمام سے دہلی سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی نہایت نفیس ہے مضامین تصوف و معرفت کا گنجینہ ہیں۔ قیمت درجہ سوم ۱۲عہ۔ نمونہ کا پرچہ ۴ر۔"

مخزن (دہلی) گہرافشاں ہے:-

"نظام المشائخ۔ دہلی کی صوفیہ انجمن نے جسکا نام حلقۂ نظام المشائخ مشہور ہے جولائی سے اپنا ماہواری آرگن نظام المشائخ جاری کیا ہے۔ اسکے چیف اڈیٹر حلقۃ المشائخ کے بانی مولانا خواجہ حسن نظامی ہیں۔ رسالہ تمام سلسلوں کے صوفیہ مشائخ کے خیالات کی حمایت و اشاعت کی غرض سے شائع کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں عربی فارسی انگریزی سنسکرت سے تصوفانہ لٹریچر کو مہیا کرنا اس کا اعلیٰ منشا بتایا جاتا ہے۔"

جولائی نمبر میں۔ دعا۔ خواجہ کی جھڑیاں۔ طلسمات نغمہ۔ آنسو وغیرہ کے عنوان سے متصوفانہ جذبات کا لطیف پیرایہ میں اظہار کیا گیا ہے۔

اگست کے پرچہ میں گلیم درویشی کی تشنگی۔ خبط۔ مکاشفات رویا۔ عبادت اور دعا۔ شان محبوب وغیرہ نظم و نثر کا مجموعہ ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نادر اور دلچسپ ہے۔

لکھائی چھپائی۔ قابل اطمینان۔ قیمت چار ہے۔ سید محمد ارتضیٰ صاحب واحدی نائب اڈیٹر و مینیجر سے متر نگاہ حلقہ نظام المشائخ دہلی کے پتہ پر دستیاب ہوتا ہے"۔

اب باقی رائیں اگلے پرچہ میں درج ہونگی۔ یہاں آخر میں اُن حضرات کا جنہوں نے اس چھ ماہ کے عرصہ میں نظام المشائخ کی توسیع اشاعت وغیرہ میں مدد دے کر ہمیں ممنون منت کیا ہے۔ بالخصوص حضرات مندرجہ ذیل کا

(۱) مولانا شاہ نذیر الحسن صاحب فتح اللّٰہی۔

(۲) مولوی حبیب الرحمن خانصاحب شروانی۔ رئیس اعظم ضلع علیگڈھ۔

(۳) مولوی شیخ محمد اکرم صاحب فاروقی۔ رئیس محمد آباد۔

(۴) خلیفہ شیخ غلام حیدر صاحب چشتی نظامی۔ راجپورہ۔

(۵) مولوی محمد اشرف صاحب وکیل کوہاٹ۔

(۶) مولوی محمد عمر صاحب فصیح الدہلوی۔ خم الالوری۔

(۷) مولانا حاجی فتح محمد صاحب جالندھر چھاؤنی۔

(۸) مولوی محمد نصیر الدین صاحب فریدی نظامی رئیس مدراس۔

(۹) منشی نصیر الدین احمد صاحب صابری سربراہ کار راجہ صاحب بارہ۔

(۱۰) منشی دوست محمد خانصاحب انسپکٹر پولیس پنشنر جہجر۔

(۱۱) مولوی الف دین صاحب بی اے۔ وکیل کیمبل پور۔

(۱۲) منشی کریم الدین صاحب راجپوت۔ قصور +

(۱۳) مولوی فضل احمد صاحب نظامی رئیس امروہہ +

(۱۴) مولوی حکیم فرید احمد صاحب نقشبندی مجددی بھیکم پور +

(۱۵) منشی احمد خاں صاحب تاباں۔ مرار +

(۱۶) منشی وزیر احمد خاں صاحب انسپکٹر پولیس۔ ژگ +

(۱۷) مولوی عبد الرحیم صاحب۔ باندا +

(۱۸) مولانا مرزا محمد اشرف صاحب گورگانی۔ بی اے۔ ڈپٹی کشنر منچن آباد +

(۱۹) ضیاء الدین احمد خاں صاحب برنی۔ دہلوی +

(۲۰) مولانا عبد اللہ شاہ صاحب ہاشمی۔ شورکوٹ +

(۲۱) منشی محمد سعید صاحب کوئٹہ

(۲۲) قاضی ظہور الدین صاحب حصار +

شکریہ ادا کرنے کے بعد۔ تمام ناظرین نظام المشائخ سے یہ عرض ہو کہ اکثر معاونین نظام المشائخ کے صفحے اور بڑھادیئے جائیں۔ ہم بڑی خوشی کے ساتھ اُنکے ارشاد کی تعمیل کے لیئے حاضر ہیں۔ نظام المشائخ کے جتنے معاونین ہیں اگر اپنے احباب میں سے صرف ایک ایک خریدار عنایت کردیں تو ہم رسالہ کا حجم پورا (۷۲) صفحے کرنے کو تیار ہیں یعنی ۸ صفحے اور بڑھادینگے۔ المختصر جوں جوں رسالہ کی اشاعت میں ترقی ہوگی۔ ایک نہ ایک بات کا رسالہ میں اضافہ ہوتا رہیگا +

اظہار شکر و احسانمندی کے سلسلہ میں پروفیسر محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات کا ذکر خاص امتیاز کے قابل ہے جو ابتدا سے حلقۂ نظام المشائخ کے سرگرم خادم ہیں اور اب رسالہ نظام المشائخ جاری ہونے کے بعد بھی اسکی تائید و اعانت میں دلی خلوص صداقت سے حصہ لیتے رہتے ہیں +　　خاکسار واحدی نائب ایڈیٹر نظام المشائخ

پیارا مدینہ

(از تقدس مآب حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی)

ذیل کے مؤثر اور بے چین کر دینے والے الفاظ عرصہ ہوا جب حضرت خواجہ صاحب کے قلم سے نکلے تھے۔ آجکل حج کے دن ہیں۔ عنقریب ہمارے لاکھوں خوش قسمت بھائی زیارت کعبہ سے فارغ ہو ہو کر مدینہ منورہ جانیوالے ہیں گے۔ میرا ارادہ تھا کہ ان مواقع کے متعلق کچھ لکھوں لیکن حسن اتفاق سے یہ تحریر پرانے کاغذات میں پڑی مل گئی جسکو پڑھکر بے اختیار اپنے ارادہ کو بدلنا پڑا۔ گو اسمیں وہ باتیں نہیں ہیں جو میں لکھنی چاہتا تھا۔ تاہم عجیب کیفیت دار چیز ہے جسکے ہر ہر لفظ میں اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے سچ کہا ہے جو بات دل سے نکلتی ہے دل پر بیٹھتی ہے امید ہے کہ ناظرین اسے بار بار پڑھینگے اور لطف اُٹھائینگے۔ (واحدی)

الٰہی ہم جیسے درویش اور حجاز کی زیارت! یہ آرزو اور عزت و سرافرازی کیونکر اور کب میسر آئے گی؟ آہ معتدل موسم کی پچھلی رات ہو۔ نورانی چاند کی ہلکی ہلکی روشنی خاموشی کے عالم میں مکہ کے درودیوار پر چھائی ہوئی ہو۔ اور ہم اونٹوں پر سوار مدینہ کی بٹیا پر جارہے ہوں چُپ چاپ رات کی آخری گھڑیاں عرب کا سنسان جنگل۔ ہمارے قافلہ کی مستانہ صداؤں اور جوشیلے نعروں سے گونجتا ہو۔ سیاہ پوش پہاڑ ہماری ہمنوائی کریں اور کھجوروں کے جھنڈ ہمارے ولولوں کو بھڑکائیں۔ اُس وقت اگر بادیہ نشین اعراب ہمارے سدِ راہ ہوں تو ہم اپنے سر اُنکے قدموں پر رکھدیں۔ نقد و جنس اگر پاس ہو تو سب اُن کے حوالے کردیں۔ اور ہاتھ جوڑکر مدینہ جانے کی اجازت مانگیں۔

ہائے کیا ہی مزا ہو کہ راستہ میں مدینہ سے آتا ہوا ایک قافلہ ملجائے اور سلام و مرحبا کا

ایک شور مچنے لگے۔ ہم آنے والے قافلہ کے اونٹوں کے قدموں کی خاک اپنے چہرے پر ملیں۔ اور پیاری آواز والے گھنٹہ کو بار بار چومیں۔ جو دور سے مدنی قافلہ کی خبر دے رہا تھا۔ او شوق! جب ہم اپنے آقا کا سبز گنبد دیکھیں تو حد سے نہ بڑھ جائیو! اور جی بھر کر نظارہ کر لینے دیجیو!

اے حقیقت آگاہ لوگو! بتاؤ زمین مدینہ میں کیونکر داخل ہوں۔ ان گلیوں اور رستوں کے افتادہ ذرّے رسول کے قدموں میں پس چکے ہیں تو کیا ہم اُن پر پیر رکھکر چلیں؟ سب مرحلوں کے بعد اُس دیرینہ تمنا کے حصول کا موقع آئے جسکی یاد نے بیچین کر رکھا تھا۔ اگرچہ روضۂ مبارک نظروں کے سامنے ہو لیکن بار بار عالم خواب کا دھوکا ہوتا ہو۔ اشتیاق کی بے تابی آگے بڑہنے کے لیئے ضد کرے۔ اور ادب کا خیال دامن پکڑکر روکے۔ اُسوقت

جالی پکڑ کے روضۂ اقدس کی بارہا — سب حالِ دل رسولِ خدا کو سنائیں ہم

وہ کیسا پُر اثر وقت ہوگا جب کہ چینی اپنے ملک کے مسلمانوں کے حالات عرض کرتے ہوں گے۔ اور روم و مصر۔ ترکستان و بخارا۔ ایران و طہران کے باشندے الگ اپنے دُکھ کی کہانیاں سُنا رہے ہوں گے اُسوقت ہم بھی دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر ہندوستان کا فسانہ شروع کریں۔

حضور! ہم ہند کی بستی کے رہنے والے ہیں۔ وہ ایک آباد و سرسبز مقام تھا ہم کو اُسکی رونق پسند آگئی۔ اس لیئے وہاں جا بسے۔ وہاں اغیار کا اسقدر ہجوم تھا کہ اگر اسلام مونس و غمخوار نہوتا تو ہمارا جی لگنا دوبھر ہو جاتا۔ مگر اسلام کی تسلی نے ہمارے ایام آرام سے گزارے۔ اور دیار ہند میں ہماری شہنشاہی کا ڈنکا بجگیا۔ لیکن حضور! اب وہ زمانہ نہیں ہے۔ ادبار اور انقلاب نے ہمیں برباد کر دیا۔ خوشیاں غم واندوہ سے بدل گئیں۔ اور ہماری شہنشاہی کے تاج کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔

شاہوں کا خاندان گدا ہے۔ اور گداؤں کی حالت قابل رحم ہے۔ حضور! ہماری بوسیدہ ناؤ بحر ہند میں ڈگمگا رہی ہے۔ بس اک ہچکولے کی دیر ہے۔ آپکے در پر فریاد لیکر آئے ہیں۔ کیونکہ لوگوں نے ہمکو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی تجویزیں کی ہیں +

یا رسول اللہ! غریب بیکس۔ بیوطن۔ لاچار امت پر حوادث کے آسمان ٹوٹے پڑتے ہیں۔ زمین میں اسکا کہیں ٹھکانا نہیں۔ آپکے سوا اپنا دکھڑا کسکو سنائے۔ اب آپکا دروازہ آن لیا ہے جو ہونا ہے اسکا فیصلہ آج ہی ہو جائے +

صبا بسوئے مدینہ رُو کن ازیں دعاگو سلام برخواں
بگرد شاہِ رسل بگرداں بصد تضرع پیام برخواں
بنہ بچندیں ادب طرازے سرِ ارادت بخاک آں کو
صلوٰۃ وافر بروحِ پاکِ جنابِ خیر الانام برخواں
بباب رحمت گہے گزر کن بباب جبریل گہ جبیں سا
سلام ربی علیٰ نبیِّ گہے بباب السلام برخواں
بشو ز من صورتِ مثالی نماز بگزار اندر آنجا
بہ لحنِ خوش سورۂ محمد تمام اندر قیام برخواں
بہ لحنِ داؤد ہمنوا شو بہ نغمۂ درد آشنا شو
ببزمِ پیغمبر ایں غزل را ز عبدِ عاصی نظام برخواں

"چھری اور گلا" یا "چہرے دار ڈلا"

عید الضحےٰ کا مبارک زمانہ آگیا۔ ہر مومن اپنے پروردگار کی رضامندی حاصل کرنیکے لیئے قربانی کریگا اگرچہ باعتبار ظاہر قربانی چھری اور جانور کے گلے کے باہمی ملاپ کا نام سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی یونہی کہ ان ایام میں چند مقررہ چوپایوں کو ذبح کر کے قربان کیا جاتا ہے۔ جسکا حکم احادیث نبوی میں بالتصریح موجود ہے۔ مگر بعض مومن چھری اور گلے کے باہمی ملاپ کے بدلے چاندی کی چہرہ دار ڈلیاں خدا کی راہ میں قربان کیا کرتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ دونوں قسم کی قربانی ادا کرتے ہیں یعنی جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور نقدی بھی نثار کرتے ہیں۔ الغرض یہ ایام قربانی کے ہیں۔

ناظرین نظام المشائخ سے خصوصًا اور تمام مسلمانوں سے عمومًا درخواست ہے کہ وہ حلقہ نظام المشائخ کی **شدید** ضرورتوں کو اس موقع پر مدنظر رکھیں۔

حلقہ چاہتا ہے کہ بزرگوں کی چھوٹی چھوٹی سوانح عمریاں چھاپ کر کثرت سے تقسیم کرے۔ حلقہ کا ارادہ ہے کہ تمام ہندوستان کی خانقاہوں میں **وفد** بھیجکر مشائخ عظام کو مرکز اتحاد پر جمع کرنے کی کوشش کیجائے۔ حلقہ کی آرزو ہے کہ صوفیہ مشائخ کی تمام نایاب قلمی کتابیں جو جگہ جگہ منتشر پڑی ہیں یک جا جمع کرے جسلئے حلقہ شب و روز سعی کر رہا ہے کہ نئی روشنی کے نوجوان اسلامی روحانیت سے آگاہ ہوں اس لیئے بزرگان دین کے احوال و اقوال مختلف کتب سے فراہم کرائے جارہے ہیں

لیکن

ان تمام اغراض کے لیئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ میں نے آجتک ناظرین رسالہ اور ممبران حلقہ سے اسبارے میں کچھ عرض نہیں کیا تھا مگر آج **عید** کی خوشی میں دینی کام کے لیئے چاندی کا چہرہ دار ڈلا مانگتا ہوں۔ دیجئے۔ خدا آپ کو دیگا۔

حسن نظامی

بتقریب عید کی خوشی میں

مندرجہ ذیل لاجواب اور بے مثل کتابوں کی قیمت ناظرین نظام المشائخ کیلئے بہت کم کردی گئی ہے

ترکوں کی موجودہ ترقیات اور اسلامی دنیا کا فوٹو

یعنی ترکوں کا سچا فوٹو۔ اُن کے اوصاف جمیلہ کا منصفانہ اعتراف۔ اور ایک سیاحتی پسند صداقت شعار انگریز کی عادلانہ شہادت جس نے مفسدہ آرمینیا کے واقعی حالات

اور یورپین مفتریوں کے بہتانوں کی بے بنیادی کی پوری کیفیت بیان کرنیکے ساتھ ہی یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ اکثر ترکی عہدہ دار نہایت قابل عقلمند۔ خوش خصلت زمانہ سے باخبر اور کامل معتبر جنٹلمین ہیں اور کہ ترک مستقل ترقی کررہے ہیں مع دیگر ضروری نادر معلومات و ابحاث سلطنت عثمانیہ اور اُسکے انتظام ترقی مسلمانوں کی موجودہ حالت۔ اُن کے تعلیمی مسئلہ اور ترقی کے وسائل کے متعلق جیسے مسٹر سڈنی و اٹیمن فیلو رائل جغرافیکل سوسائٹی لندن اور مسٹر کوکران اور چند مسلمان سیاحین ممالک عثمانیہ و بلاد شرق و غرب اور دنیا اپنی تحریروں میں مولوی محمد انشاء اللہ خان صاحب سابق اڈیٹر وکیل امرتسر و حال مالک و اڈیٹر اخبار وطن لاہور نے حسب ضرورت فٹ نوٹ و حاشی اور واقعات قریبہ کی تفصیلی کیفیت ایزاد کرکے مرتب کیا ہے کتاب دو حصوں میں ہے۔ دونوں حصوں کی مجموعی قیمت (عہ ل) تھی ہے۔ رعایتی قیمت ۱۲ ۔ مجلد سے ۔

محاربات تھسلی یعنی کارزار روم و یونان ۱۸۹۷ء

جس میں ایک جرمن افسر کی کتاب جنگ روم و یونان اور انگلستان کے مشہور مدبر و نویسندہ سر شیلڈ بارٹلٹ کی محاربات تھسلی کا پورا ترجمہ دینے کے علاوہ حسب ضرورت فٹ نوٹ و حواشی اور متعدد دلچسپ اور کارآمد ضمیمے اور سرحدی محاربات تیراہ وغیرہ و محاربہ سوڈان کے حالات کردیئے گئے ہیں علاوہ تمام نامور پاشاؤں اور چند یونانی افسروں کی نہایت درست تصویریں اور میدان کارزار اور تھسلی وغیرہ کے نقشے درج کردیئے گئے ہیں۔ مترجمہ و مرتبہ مولوی محمد انشاء اللہ خانصاحب اڈیٹر وطن